(ایک اسلامی تاریخی ناول)

قیمت :- آٹھ روپے =/۸

ناشر :- چمن بک ڈپو۔ اُردو بازار۔ دہلی ۶

مطبوعہ :- محبوب المطابع برقی پریس، دہلی

باب ا

بادشاہ المنذر نے خانقاہ کی جالی اپنے ہاتھ میں پکڑ لی اور اعلیٰ حضرت مولا حسن کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا :۔

مجھے اس کا اعتراف ہے مولا حسن کہ میں نے آج تک اپنے بیٹے المظہر کو خانقاہ میں آمد و رفت سے کبھی نہیں روکا اور مجھے برابر پندرہ سال یہ شبہات پیدا نہیں ہوئے۔

اس کی آواز کافی اونچی ہو گئی۔

اور آج بھی میں آپ سے اپنے بیٹے کو خانقاہ میں حاضری سے روکنے کی تلقین نہیں کرتا۔ اگر مجھے یہ واضح ثبوت مہیا نہیں ہو جاتے کہ آپ کی صاحبزادی فوزیہ اور میرے بیٹے المظہر کے باہمی تعلقات ۔ ۔۔۔ ۔ ۔۔۔

ابھی وہ جملہ پورا نہیں کرنے پایا تھا کہ خانقاہ کے بڑے راہب عبداللہ نے

انتہائی تلخی کے ساتھ اُسے ڈانٹا۔

خبردار بادشاہ المنذر اگر اس سلسلہ میں تمہاری زبان پہ ایک اور حرف آیا۔ ہم بادشاہوں کی زبانوں سے اپنی بیٹیوں کے نام سُننے کے عادی نہیں ہیں۔

بادشاہ المنذر نے اپنے کندھے پورے زور سے جھٹکے اور آگے کو اچھلتا ہوا چیخا:۔

خواہ بیٹیاں۔ حقیر باندیوں کی اولادیں کیوں نہ ہوں۔

عبدالالہ نے اسی کے سے انداز میں اسے جواب دیا۔

تم بھی ایک حقیر باندی کی اولاد ہو المنذر اور تمہارا باپ بھی ایک حقیر باندی کی اولاد تھا یہ مت بھولو۔

بادشاہ المنذر نے ایک دم تلوار نکال لی۔

لیکن ابھی یہ تلوار عبدالالہ پر برسی نہیں تھی کہ پیچھے سے کسی نے بادشاہ کو خبردار کیا:

"تلوار ہاتھ سے پھینک دو اور جس راستے سے آئے ہو اسی راستے خانقاہ سے نکل جاؤ۔ تم کو خوب معلوم ہے میری کمان پر چڑھا تیر کبھی خطا نہیں ہوا۔

بادشاہ نے منہ پھیر کر پیچھے کی سمت دیکھا۔ مولا حسین۔ وزنی کمان پر دایاں پاؤں رکھے تیر چلے پہ چڑھائے تھا۔ بادشاہ نے سخت گھبرا کر تلوار ہاتھ سے پھینک دی۔ اور بوجھل پاؤں فرش پر مارتا باہر کی سمت بھاگا۔ مولا حسین

کی آواز وزنی ہتھوڑوں کی طرح اس کے دماغ پر برسی:

تم نے بادشاہ المنذر عقل مندی سے کام لیا ہے۔ ورنہ دس سال پہلے کا جھگڑا پھر شروع ہو جاتا۔ اور وہ آگ پھر بھڑک اٹھتی جسے میری رضاکارانہ نظر بندی نے اب تک دبائے رکھا ہے۔

بادشاہ قریب قریب دوڑنے لگا۔ خانقاہ کا دروازہ دوڑ کر پار کیا اور اپنی رتھ پر اس طرح چڑھا جیسے شکست کھا کر بھاگ رہا تھا۔ رتھ کے دونوں سمت پھیلے کئی سو نقاب پوش سواروں نے اپنے بادشاہ کو اس حال میں خانقاہ سے نکلتے دیکھا تو ان سب نے تلواریں بے نیام کر لیں لیکن بادشاہ المنذر نے رتھ میں جتے گھوڑے کی باگیں بجلی ایسی تیزی سے اٹھا لیں اور اوپر کی طرف نگاہ اٹھائے بغیر رتھ آگے بڑھا لیا۔

ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے سواروں نے بھی گھوڑوں کے رخ پھیر لئے اور گھوڑوں کے پاؤں خانقاہ کی پتھریلی سڑک کی پیشانی پر اس طرح بجنے لگے جیسے بادشاہ کی ناکام واپسی کے ڈھول پیٹ رہے تھے۔

مولا حسین نے کمان ہاتھ سے پھینک دی۔ ہولے ہولے قدم بڑھاتا اپنے بزرگ بھائی کے قریب پہنچا۔ رکوع کے بل جھکا۔ ان کے دامن کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر آنکھوں کے ساتھ لگایا اور بہت ہولے سے جیسے وہ ان کا چھوٹا بھائی نہیں ان کا ایک ادنیٰ غلام تھا۔ کہنے لگا۔

اچھا ہوا۔ بادشاہ المنذر نے تلوار بے نیام کر کے وہ معاہدہ چاک کر دیا ہے جو آپ میں اور اس میں دس سال پہلے ہوا تھا۔

اس نے اپنے دونوں گھٹنے فرش پر ٹیک دیئے اور آنکھوں اپنے بزرگ بھائی کی آنکھوں میں ڈال دیں اور بات جاری رکھی:

یہ کس قدر عجیب اتفاق ہے کہ یہ معاہدہ ٹھیک اسی دن ٹوٹا ہے جس دن یہ تحریر میں آیا تھا۔

اس کی آواز بے حد سوگوار ہو گئی۔

اس ملک کی باج گزاری آج کے دن ہی شروع ہوئی تھی۔ آج کے دن ہی یہ آزاد مسلمان ریاست عیسائیوں کی غلام بنی تھی۔

میری تلوار آج کے دن ہی ٹوٹی تھی۔

اس کی آواز گرج ایسی شکل اختیار کر گئی۔

آج کے دن ہی میرا اقتدار ادبار میں بدلا تھا۔ اور آج کے دن ہی میں بادشاہ المنذر سے اپنی ساری شکستوں کا انتقام لینے اور اس ملک کو پھر سے آزاد و خود مختار کر دینے کی قسم کھاتا ہوں۔

وہ ایک نقیب کے سے انداز میں چلتا ہوا خانقاہ کی سنہری جالی تک آن پہنچا۔ اور جالی کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر چاروں طرف جمع راہبوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا:۔

گو تمھیں راہبوں کی عبائیں پہنے پورے دس سال ہو چکے ہیں ساتھیو! گو تمھارے اعضا شکستہ اور تمھاری تلواریں زنگ آلود ہو چکی ہیں۔ گو تمھاری کمانیں شائد اب پورا خم نہ کھا سکیں اور تمھارے نیزوں کی انیاں دشمن کی چھاتیوں کو اچھی طرح چھید نہ سکیں۔

اس کے باوجود میں نے دس سال کی رضاکارانہ نظر بندی آج ختم کر دی ہے۔
اس کی آواز پہلے سے بھی بلند ہو گئی۔
یہ راہبانہ عبائیں اتار پھینکو۔ سالوسی جامے نذر آتش کر دو۔ اپنی زنگ آلود تلواروں کو پھر سے سان پہ رکھ لو۔ نیزوں کی انیاں چمکا لو۔ کمانیں کس لو۔ اور تیروں کے پھل بدل ڈالو۔

بوڑھے راہب عبدالالہ کی آواز اس کی آواز پہ چڑھ گئی:۔
میں آپ کو یقین دلاتا ہوں آقا۔ آپ کے یہ دس سالہ پرانے خادم آپ سے کبھی بے وفائی نہیں کریں گے۔ وہ اپنی جانوں پہ کھیل جائیں گے مگر ہتھیار ہاتھوں سے نہیں رکھیں گے۔

بوڑھا عبدالالہ۔ اپنی خمیدہ کمر کو سیدھا کرتا اور گردن اکڑاتا۔ اس کے سامنے آن پہنچا۔ اس نے خانقاہ کی جاروب چھوڑ دی۔ عبدالالہ کے آگے سر کو خم دیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگا:۔
بہ خدا۔ عبدالالہ میں تمھارا بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے بادشاہ المنذر سے گستاخی کی۔ اور اسے تلوار بے نیام کرنے پہ مجبور کیا۔ ورنہ دس سال پہلے کا معاہدہ کبھی ٹوٹ نہ سکتا۔ اور اعلیٰ حضرت مولا حسن ہمیں کبھی ہتھیار اٹھانے کی اجازت عطا نہیں فرماتے۔

اعلیٰ حضرت مولا حسن کی گمبھیر آواز اس کی آواز پہ چڑھ گئی۔
ہم نے حسین۔ اب بھی تمھیں ہتھیار اٹھانے کی اجازت عطا نہیں کی۔ اب بھی ہم بادشاہ المنذر سے لڑنے پہ تیار نہیں ہوتے۔

نوجوان عبدالعلی نے ان کی بات کاٹ لی :۔
بابا بادشاہ المنذر سے لڑنے کے لئے پر نہیں تول رہے۔ انھوں نے
تو جنگ آزادی کا اعلان کیا ہے۔
اعلیٰ حضرت نے پاؤں بجلائے اور چیخے :۔
لڑکے! ہمیں یہ بات قطعاً پسند نہیں ہے کہ تم اپنے باپ اور اپنے تایا
ابا کی بات اس طرح کاٹ دو۔
ہم اس وقت صرف حسین سے مخاطب تھے۔ اور اس سے پوچھ رہے تھے
اس نے ہماری اجازت کے بغیر خانقاہ معلیٰ کی پُرامن فضا کیسے یکایک گدلی کردی ہے۔
یہ خانقاہ ہمیشہ امن کا گہوارہ رہی ہے۔ اس کے دروازے دوستوں پر
بھی کھلے رہے ہیں اور دشمنوں پر بھی۔
ان کی آواز پر عبدالعلی کی آواز چڑھ گئی :
لیکن تایا ابا۔ اب اس خانقاہ کو اپنی یہ روایت بدل دینا ہوگی۔ اب اس
کے دروازے صرف دوستوں پر کھلے رہیں گے۔ دشمن ان میں داخل نہیں ہوسکیں
گے۔ خصوصیت سے ملک کے غدار تو یہاں ایک لمحہ کے لئے بھی رُک نہیں
سکیں گے۔ بھائی نے اور میرے سارے ساتھیوں اور ہم جولیوں نے آج نماز
فجر کے بعد قرآن پر ہاتھ رکھ کر اس بات کا حلف لیا تھا۔ اور یہ حلف تایا ابا۔ ہم
کسی قیمت پر توڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔
تایا ابا کی نگاہ اپنے اس بھتیجے پر اُٹھ گئی۔ جو اُن کا بھتیجا ہی نہیں۔ ان کا
متبنّیٰ اور ان کا ولی عہد و جانشین بھی تھا۔ اور ان کا یہ جانشین سپاہیوں

ایسے لباس میں ملبوس، اس طرح لمبے لمبے ڈگ بھرتا ان تک آیا۔ جیسے وہ انھیں اپنی جماعت کے خفیہ فیصلے سے آگاہ کرنے آیا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے اس بھتیجے پر نگاہ کی۔ بھتیجا ان کے سامنے رکوع کے بل جھکا اور بہت ہولے سے کہنے لگا:

میں معافی چاہتا ہوں تایا ابا۔ کہ میرا انداز کسی قدر گستاخانہ تھا۔ لیکن میں نے آپ سے یہ گفتگو آپ کے ناچیز شاگرد۔ آپ کے متبنیٰ اور بھتیجے کی حیثیت سے سے نہیں کی۔ مجھے خانقاہ سرقسطہ کے گیارہ سو طلباء نے جو میری طرح آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ کے حضور، ان کے خفیہ اجتماع کی روئداد عرض کرنے پر مامور کیا ہے۔

اعلےٰ حضرت نے اس کی بات کاٹ لی:

تمھاری حیثیت جو بھی ہو عبدالعلی۔ لیکن تم جن گیارہ سو نوجوانوں کی طرف سے مجھ تک یہ روئداد پہنچانے آئے ہو کیا ان میں اتنا حوصلہ ہے کہ نیرہ البسی بڑی عیسائی سلطنت سے جنگ مول لے سکیں۔ جبکہ ان کا اپنا بادشاہ ان کے خلاف ہے اور اس کے ملک کی اکیس ہزار منظم سپاہ ان کے راستے میں ہر رکاوٹ پیدا کرنے پر تلی ہو۔

عبدالعلی ایک دم سیدھا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں عجیب طرح دمکنے لگیں۔ اس نے اپنے تایا ابا کو ایک سپاہی کی حیثیت سے سلامی دی اور ایک نقیب کے سے انداز میں بولا:

میرے گیارہ سو ساتھی طلباء کی تعداد بظاہر بہت حقیر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن میرے یہ ساتھی طلبا۔ سرقسطہ کے کئی لاکھ عوام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ جن خاندانوں کے افراد ہیں۔ ان سب کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ اس کے ساتھ

ساتھ ولی عہد یحییٰ المظہر نے انھیں ہر طرح کی اعانت کا یقین دلایا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اسے ٹوک دیا۔

عبدالعلی!

پھر اپنے بھائی مولا حسین سے خطاب کرتے ہوئے بولے:۔

تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ حسین کہ اعلیٰ حضرت المنذر نے ہم سے اس خانقاہ کے دروازے ولی عہد یحییٰ المظہر پر اسی لیئے بند کروانے چاہے تھے اور ان کا موقف صحیح تھا۔

ان کے بھائی حسین نے ان ہی کے سے انداز میں جواب دیا۔

بادشاہ المنذر کا موقف صحیح تھا یا غلط مجھے اس سے کوئی بحث نہیں عالیجاہ میں نے جنگ آزادی کا اعلان کر دیا ہے اور یہ لڑائی اب کسی صورت سے رک نہیں سکے گی۔

اعلیٰ حضرت مولا حسن کی گرج ایسی آواز اس کی آواز پہ چڑھ گئی:

تو پھر تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو میری خانقاہ خالی کر دینا ہوگی۔ مولا حسین نے سر کو ہلکا سا خم دیا:

اگر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو مجھے اس کے ماننے سے قطعاً کوئی انکار نہیں ہوگا۔

اعلیٰ حضرت نے پاؤں بجائے اور چیخے:

حسین!

مولا حسین نے نگاہ جھکالی۔ اور بہت ہولے سے عرض کیا۔

جی عالیجاہ۔

اعلیٰ حضرت نے منہ اندر کی طرف موڑا۔ اور حکم دیا۔

میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔

وہ یہ حکم دے کر اندر کی طرف لپکے۔ مولا حسین نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اپنے بیٹے پر ڈالی۔ پھر انتہائی سعادت مندی کے ساتھ بزرگ بھائی کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اور بزرگ بھائی نے اس کے اندر آتے ہی اس کے دونوں کندھے بڑے غصہ کے ساتھ پکڑ لئے اور اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولے:

یہ تم نے حسین کتنی بڑی حماقت کی ہے۔ فصل کو اس کے پکنے سے پہلے کاٹ لینا چاہا ہے۔

ان کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔

تم نے اگر ہم پر بھروسہ کیا ہوتا اور چند دن اور صبر سے کام لے لیتے تو ہم یحییٰ المظہر سے فوزیہ یا رضیہ میں سے کسی ایک کو منسوب کر دیتے اور تم کو حق دیتے کہ تم ولی عہد کی تخت نشینی اور بوڑھے المنذر کی سبکدوشی کا مطالبہ کرو۔

مولا حسین نے بھائی کی بات کاٹ لی۔

آپ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں عالی جاہ بوڑھا المنذر اور اس کا چالاک وزیر اعلیٰ۔ داؤد کبھی یہ نسبت طے نہ پانے دیتا۔ اگر یہ نسبت طے پا سکتی تو المنذر آج آپ کے پاس یہ مطالبہ لیکر نہ آتا کہ آپ فوزیہ۔ رضیہ اور ولی عہد المظہر کے میل جول پر پابندی لگا دیں اور خانقاہ کے دروازے المظہر پر بند کر دیں۔

اس کی آواز بہت دھیمی ہو گئی۔

پھر میں نے کچی فصل نہیں کاٹی۔ فصل پوری طرح پک چکی ہے۔ عبدالعلی نے جن گیارہ سو طلبا کا ذکر ابھی کیا تھا۔ میں نے عبدالعلی کے ذریعے انہیں ہتھیار اٹھانے اور ان کے استعمال کی پوری تربیت دے لی ہے۔ اور میرے یہ ساتھی جو دس سال سے میری طرح اپا ہجوں کی زندگی آپ کی خانقاہ میں گزار رہے ہیں اپنے فریضہ سے کسی لمحہ غافل نہیں رہے۔ انھوں نے درویشوں کے بھیس میں سرقسطہ کے ایک ایک گھر پہنچ کر سرقسطہ کے قریب قریب آدھے جوانوں کو ہتھیار اٹھانا سکھا دیا ہے۔ اور وقتِ ضرورت یہ سارے جوان ہماری آواز پر لبیک کہیں گے۔

مولاحسن نے بھائی کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ اور انتہائی محبت و عقیدت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہنے لگے۔

تم نے حسین یہ روئداد آج تک ہم سے کیوں پوشیدہ رکھی۔

حسین نے سرگوشی کی:

میں نے فصل پکنے سے پہلے آپ پر اس کا اظہار اس لئے ضروری نہیں جانا کہ مبادا آپ میرے راستے میں حائل ہو جائیں۔ اور آپ کی امن پسندی کو میرا طریق کار گوارا نہ ہو۔

ان کی آواز پر فوزیہ کی شوق بھری آواز چڑھ گئی:

بابا! ولی عہد المظہر آپ کے حضور حاضری کے متمنی ہیں۔

مولاحسن نے بھائی کے گرد پھیلی اپنی باہیں سمیٹ لیں اور بیٹی کو پکارا:

انھیں اندر آجانے دو۔ اور باہر سے دروازہ بند کر دو۔

تیز تیز چلتا ولی عہد۔ اندر آن پہنچا دونوں بھائیوں کے سامنے سر کو ہلکا سا

خم دیا اور آنکھیں جھکائے جھکائے کہنے لگا :

عالی جاہ میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں کہ آپ نے میرے شاہ بابا کی درخواست رد کردی ۔ اور مجھ پر اس خانقاہ کے دروازے بند نہیں کئے ۔ جو برابر اٹھارہ سال سے مجھ پر کھلے رہے ہیں ۔

اس نے اعلیٰ حضرت کا دامن اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر آنکھوں سے لگایا اور سرگوشی ایسے انداز میں بات جاری رکھی ۔

میں آپ کا یہ احسان تا عمر فراموش نہیں کروں گا ۔

مولا حسین نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھدیا اور موضوع سخن بدلتے ہوئے پوچھا ۔

تم نے کیا ولی عہد اپنے ساتھی طلبا کے ساتھ مل کر آج کوئی حلف اٹھایا تھا ۔

ولی عہد نے سر جھکا اور بہت ہولے سے جواب دیا :

اگر آپ سے یہ بات عبدالعلی نے کہی ہے تو بالکل صحیح کہا ہے اور اگر کسی دوسرے نے آپ سے یہ چغلی کھائی ہے ، تو مجھ پر اس کا نام ظاہر کر دیجیے ۔ وہ دشمن کا جاسوس ہے ۔ ہمیں اس سے متنبہ رہنا ہوگا ۔

مولا حسن نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے دونوں کندھوں پر رکھ دیئے اور جواب دیا :۔

مجھ سے عبدالعلی نے یہ بات کہی اور اس وقت کہی جب میں نے جنگ آزادی کے قبل از وقت آغاز پر اسے تنبیہہ کی ، اور اس کے باپ اور اس کے ساتھیوں کو خانقاہ سے اخراج کی دھمکی دی تھی ۔

المظہر نے آنکھیں نیچی کرتے کرتے وضاحت کی۔

میں یہ تفصیل نہیں جاننا چاہ رہا تھا عالی جاہ! میں نے جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حلف اٹھایا۔ تو میری حیثیت ولی عہد کی نہیں تھی۔ محض ایک اس سپاہی کی تھی جو عبد العلی کے ہاتھ پہ بیعت کر چکا تھا۔ اور اب بھی میری حیثیت عبد العلی کے ایک ادنیٰ سپاہی کی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ میں جنگِ آزادی میں کسی قسم کی کوئی نیابت نہیں چاہتا۔

البتہ ایک خواہش ضرور رکھتا ہوں۔ پہلے اس سے کہ جنگِ آزادی کا آغاز ہو۔ آپ میری یہ انگوٹھی اپنے قبضہ میں لے لیں اور اسے رضیہ یا فوزیہ جس کی بھی جھولی میں ڈالنا چاہیں ڈال دیں۔ تاکہ میری وفاداری ہر شبہ سے بالاتر ہو جائے۔ اور آپ اور عم محترم مولا حسین اس سے جو بھی سیاسی فائدہ اٹھانا چاہیں اٹھا لیں۔

اس کی آواز کسی قدر کانپ گئی:۔

میں جانتا ہوں، میں آپ کے حضور یہ بہت بڑی گستاخی کر رہا ہوں لیکن اس گستاخی کی تحریک، غدار وزیر اعلیٰ نے کی ہے۔ اس نے میرے شاہ بابا کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ مجھے آج شب شہزادی ذہیبہ سے منسوب کر دیا جائے۔

دفعتاً مولا حسین نے زور زور سے پاؤں بجائے۔ المظہر کہتے کہتے رک گیا۔ لیکن حسین تو شائد باؤلے ہو گئے تھے۔ وہ زور زور سے پاؤں بجاتے اپنی خواب گاہ کی طرف دوڑ پڑے تھے۔

مولا حسن نے اپنے اس بھائی کی سمت اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ اور المظہر

سے سرگوشی کی:

آپ کو غدار وزیر اعلیٰ کا نام اپنی زبان پر نہیں لانا چاہیئے تھا ولی عہد المظہر! ہمارے بھائی کو اس سے سخت نفرت ہے۔ وہ اس کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتے اور نہ اس صحبت میں بیٹھ سکتے ہیں جہاں اس کا نام زبان پر آئے۔

انہوں نے ولی عہد کے ہاتھ میں پکڑی انگوٹھی اس کے ہاتھ سے لے لی اور بولے۔

ہم آپ کے شکر گزار ہیں ولی عہد المظہر۔ آپ تشریف لے جائیں۔ ہم اپنے بھائی سے مشورہ کے بعد، اپنی بیٹی اور اپنی بھتیجی میں سے آپ کی دلھن کا انتخاب کر لیں گے اور آج شام سے پہلے پہلے آپ کو اس کی اطلاع دے دیں گے۔

وہ ولی عہد المظہر کو سینہ سے لگائے دروازہ پر لائے۔ اور آواز دی۔

فوزیہ بیٹی دروازہ کھول دو۔ اور عبدالعلی اور رضیہ کو اندر بھیج دو۔

فوزیہ نے دروازہ تو کھول دیا مگر عبدالعلی اور رضیہ کو آواز نہیں دی اندر سے باہر آتے، ولی عہد المظہر کی سمت دیکھا، اور اس کے ساتھ ٹہلتے ہوئے اس سے بہت آہستہ آواز میں پوچھا:

یہ آپ اس قدر تیز تیز چلتے کیوں آئے تھے اور پھر اس قدر مختصر وقفہ کے بعد کیوں لوٹ رہے ہیں۔

وہ ساتھ ساتھ بھاگتی اور کہتی گئی:

آج میں اور عبدالعلی بھائی بادشاہ ادراک کے تہ خانے میں کئی گھنٹے ساتھ ساتھ گھومتے رہے۔ میں کتنے ہی بت ساتھ لائی ہوں اور کتنی تصویریں بھی۔

اس نے بڑے شوق کے ساتھ المظہر کی آنکھوں میں جھانکا اور بات جاری رکھی۔

آپ کی قسم یہ ساری چیزیں میں آپ کے لئے لائی تھی۔ اس کی آواز میں انتہائی شیرینی بھر گئی۔

میں اور عبدالعلی جب ساتھ ساتھ گھوم رہے تھے، تو میرا خیال بار بار آپ کی طرف مبذول ہو جاتا۔ اور میرا جی چاہتا۔ آپ بھی ہمارے ساتھ ہوتے وہ کہتے کہتے ایک دم رک گئی۔

المظہر! وہ بہ خدا عجیب جگہ ہے۔ وہاں عجیب عجیب نوادرات ہیں۔ بادشاہ رادرک اور اس کی محبوبہ فلورا کی لاتعداد و بے حساب تصاویر ہیں۔ اور رقاصہ عورتوں کے مجسمے تو اس قدر ہیں کہ خدا کی پناہ۔

اس نے ایک دم المظہر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پہلے سے انداز میں کہنے لگی :۔

اب کے جمعہ کو تم کو بھی ساتھ لے چلیں گے۔ عبدالعلی تو وہاں پہنچ کر بالکل اندھا ہو جاتا ہے کسی چیز کی طرف دیکھتا ہی نہیں ہے۔ محض میرے ساتھ ساتھ اس طرح چلتا رہتا ہے۔ جیسے پاسبان ہو۔ کسی تصویر میں دلچسپی نہیں لیتا اور نہ کوئی رائے ہی ظاہر کرتا ہے۔

اس کی آواز پر مولا حسن کی آواز چڑھ گئی؛

یہ رضیہ اور عبدالعلی کہاں ہیں فوزیہ بیٹی۔ تم نے ابھی تک انہیں اندر کیوں نہیں بھیجا۔

فوزیہ نے تو بابا کی آواز پر کان نہیں دھرے۔ ولی عہد سے چپکی آگے کو دوڑتی گئی البتہ خانقاہ کے جھروکے سے لگے عبدالعلی اور رضیہ نے یہ پکار خود ہی سن لی۔ بہن بھائی کوئی اہم سرگوشی کر رہے تھے کہ ایک دم چپ ہو گئے اور اس طرف قدم بڑھا لئے۔

آگے کو بڑھتی رضیہ ایک دم ٹھٹھک گئی۔ فوزیہ اور ولی عہد کی سمت دیکھا جو شام کے دھندلکے میں ایک ساتھ چلتے۔ دروازہ تک پہنچ گئے تھے۔ اور بھائی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے سرگوشی کی۔

یہ فوزیہ ولی عہد کے ساتھ ساتھ چپکی کس تیزی کے ساتھ باہر کو دوڑ رہی ہے۔ حالانکہ تایا ابا اسے پکار رہے ہیں۔

عبدالعلی نے اس سمت منہ گھمایا۔ فوزیہ اور عبدالعلی ساتھ ساتھ لگے قریب قریب بھاگ رہے تھے۔ عبدالعلی مسکرایا:

اور بہن کا ہاتھ دباتا ہوا بولا:۔ یہ کوئی تم نے نیا انکشاف نہیں کیا رضیہ بہن۔

مولا حسن کی آواز پھر فضا میں گونجنے لگی:۔

تم کہاں ہو بیٹی فوزیہ میری آواز سنتی کیوں نہیں ہو۔ عبدالعلی اور رضیہ کو تم نے ابھی تک اندر بھیجا کیوں نہیں ہے۔

رضیہ کچھ کہنے کو تھی لیکن عبدالعلی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور ہانک لگائی:

ہمیں فوزیہ بہن نے آپ کے حکم سے آگاہ فرما دیا ہے۔ تایا ابا، ہم دونوں

حاضر ہو رہے ہیں۔

فوزیہ نے دروازہ کے قریب پہنچتے ہی ولی عہد کا دامن قریب قریب نوچ لیا۔

آپ میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دے رہے۔ بھاگ کیوں رہے ہیں۔

ولی عہد نے نگاہ اوپر کو اٹھائی اور سرگوشی کی۔

میرا دامن چھوڑ دیجئے۔ خانقاہ کے بڑے راہب ادھر آرہے ہیں۔

سچ مچ خانقاہ کے بڑے راہب عبدالالہ اس سمت آرہے تھے۔ فوزیہ نے ان پر نگاہ اٹھائی تو سہم کر دیوار سے لگ گئی اور ولی عہد تیزی سے آگے بڑھکر اپنی رتھ تک جا پہنچا۔

بڑے راہب عبدالالہ نے اسے جاتے دیکھ لیا تھا۔ دور ہی سے اُسے آواز دی:

ذرا رک جائیے گا ولی عہد المظہر!

ولی عہد رک گیا اور فوزیہ پہلے سے زیادہ سہم گئی اور سہم کر اور پیچھے کو ہو گئی۔ بزرگ عبدالالہ نے شائد اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ قریب بھاگتے ہوئے ولی عہد تک پہنچ گئے اور بالکل اس طرح جیسے وہ خانقاہ کے نقیب تھے ولی عہد سے کہنے لگے:

اگر ہم گوارا کر لیتے ولی عہد تو اس خانقاہ کا دروازہ آج آپ پر بند ہو جاتا۔

آپ کے شاہ بابا اعلیٰ حضرت مولاحسن سے بہ زور شمشیر یہ مطالبہ منوالے۔
تھے۔ مگر ہم اعلیٰ حضرت اور ان میں حائل ہو گئے۔

یہ کہتے کہتے انھوں نے ولی عہد کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور آواز
نیچی کر لی:

ہمیں آپ کی سعادت مندی اور شرافتِ نفسی پر بے حد بھروسہ ہے۔ ہم
نے اس روداد سے واقفیت حاصل کرلی ہے۔ جو آج صبح خانقاہ کی نچلی منزل میں
آپ اور دوسرے نوجوانوں نے مرتب کی تھی۔

ان کی آواز بھاگتے گھوڑے کے سموں سے پیدا ہونے والے شور میں دب
کر رہ گئی دونوں کے منہ اس سمت پھر گئے۔ ایک سوار تیزی سے اندھیرے میں
سے راہ بناتا ان کے قریب آن پہنچا تھا۔ یہ مولاحسن تھے جو گھوڑے پر سوار تھے۔
مگر وہ اس قدر جلدی میں تھے کہ ہوا کی طرح ان کے پاس سے گزر گئے۔ عبداللہ
نے بڑی گھبراہٹ کے ساتھ انہیں پکارا۔ انھوں نے عبداللہ کی آواز سنی نہیں۔ عبداللہ
نے ولی عہد کو وہیں چھوڑا۔ بھاگتے ہوئے اندر آئے۔ اصطبل میں سے گھوڑا کھولا،
اس پر چڑھے اور دوسرے لمحے ان کا گھوڑا بھی ہوا سے باتیں کرتا نظر پڑا۔

ولی عہد بھی اپنی رتھ پر اچھل کر چڑھا۔ اور رتھ ان کے پیچھے لگا لی۔

عبداللہ اپنے آقا کے قریب پہنچ گئے تھے اور انھیں پیچھے سے پکار رہے
تھے۔

یہ آپ کہاں جا رہے ہیں آقا۔

آقا نے منہ گھما کر دیکھا۔ کوئی جواب نہیں دیا۔ اور گھوڑے کو پہلے سے

زیادہ تیز کر لیا۔

آگے آگے وہ۔ ان کے پیچھے عبدالالہ اور ان سے تھوڑے فاصلہ پر ولی عہد کی رتھ بھاگی چلی جا رہی تھی۔

شاہی باغات کے قریب پہنچ کر مولا حسین نے اپنے گھوڑے کی باگ وزیر باغ کی طرف موڑلی۔ عبدالالہ نے اب اپنے آقا کی منزل شاید جان لی تھی کہ چیخا:

ادھر نہیں بڑھیے آقا۔

مگر آقا نے پرواہ نہیں کی۔ گھوڑے کو زور سے اُچکایا۔ ان کے اس گھوڑے کے اعضا ربڑ کے تھے۔ ظالم آنکھ جھپکنے میں دیوار پھاند گیا۔ عبدالالہ نے بھی اپنے گھوڑے کو اچکایا۔ مگر ان کا گھوڑا دیواریں پھاندنے کا عادی نہیں تھا۔ غریب دیوار سے ٹکرا کر رہ گیا۔ عبدالا نے دوبارہ کوشش کی مگر گھوڑا اب بھی ناکام رہا۔ اس اثنا میں ولی عہد ان تک پہنچ گیا۔ اور بڑی گھبراہٹ کیساتھ پوچھا:

یہ آپ کیا کر رہے ہیں بزرگ عبدالالہ؟

عبدالالہ نے چہرہ گھما کر ولی عہد کی سمت دیکھا اور جواب دیا:

وہی کر رہا تھا جو آقا نے کیا۔ آقا وزیر اعلیٰ داؤد کے اس باغ میں داخل ہو چکے ہیں اور خطرہ ہے بیس سال کی دشمنی کوئی غلط صورت اختیار نہ کرلے۔

ولی عہد نے گھوڑے کی باگیں پوری قوت سے کھینچ لیں اور انتہائی گھبراہٹ کے ساتھ بولا:

تو آپ دیوار نہیں پھاندیئے، میرے ساتھ بڑے دروازہ تک بڑھے

آ یئے، میرا ساتھ آپ کے لیے کسی پریشانی کا موجب نہیں ہوگا۔

ولی عہد نے گھوڑے کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی۔ گھوڑا آگے کی طرف دوڑا بزرگ عبداللہ نے بھی اس کی پیروی کی۔ دونوں گھوڑے آگے پیچھے دوڑتے وزیر باغ کے بڑے دروازے میں داخل ہو گئے۔ پہرہ داروں نے ولی عہد کی رتھ کو پہچان لیا۔ ادب سے پاؤں بجائے ولی عہد کی رتھ اور عبداللہ کی سواری جب تک وزیر محل میں داخل ہوتی، وزیر محل میں عجیب منظر چل رہا تھا مولا حسین وزیر اعلیٰ داؤد پر اور وزیر اعلیٰ داؤد مولا حسین پر۔ ایک ساتھ خنجر اچھال چکے تھے۔ مگر دونوں میں سے کوئی بھی نشانہ نہیں بنا تھا۔

دونوں نے تلواریں ہاتھ میں لے لیں اور دیوان خانہ میں بچھے دبیز قالین پر اس طرح اتر آئے جیسے سچ مچ ہیں بس کی دشمنی کو انجام بخش دینے کو ہیں۔

دونوں کی تلواریں بجلی کے سے انداز میں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ چھن کی آواز نے حاجیوں اور پہرہ داروں کو ایک دم چوکنا کر دیا۔ وہ ہر دروازے سے اندر کی طرف لپکے کمانیں کھینچ لیں۔ لیکن پہلے اس سے کہ ان میں سے کسی ایک کی کمان پر چڑھا تیر مولا حسین پر پرواز کرتا۔ کھبراتا ہوا ولی عہد آن پہنچا۔ اور پاگلوں ایسے انداز میں چیخا:

خبردار اگر کوئی تیر آگے کو دوڑا۔

کمانیں ڈھیلی پڑ گئیں اور ولی عہد تیز تیز دوڑتا ان دونوں تک جا پہنچا اور سر کو خم دیتے ہوئے درخواست کی:

آپ دونوں، اپنی تلواریں نیام میں کر لیں۔

دونوں تلواریں ایک دوسری سے الگ تو ہو گئیں مگر نیام میں نہیں لوٹیں۔
ولی عہد نے پہلے سے زیادہ درد کے ساتھ اپیل کی:
آپ دونوں کو اس طرح کی لڑائی زیب نہیں دیتی۔
مولا حسین نے اس کی بات کاٹ لی:
ہماری اجازت کے بغیر ذہبہ سے تمہاری نسبت کے اظہار کے بعد ہمیں ہر طرح کی لڑائی زیب دیتی ہے۔ ولی عہد!
ان کے منہ سے جھاگ چھوٹنے لگے۔
وزیر اعلیٰ زور سے ہنسا۔
تو گویا مولا حسین تم نوجوان ولی عہد کے سامنے وہ رنگین داستان دہرانا چاہ رہے ہو۔ جو سرقسطہ کے شاہی محلات اکیس سال پہلے سنتے سنتے تنگ آ گئے تھے۔
بہت زور کی چھن نے اس کا سلسلہ کلام توڑ ڈالا۔ یہ چھن مولا حسین کی تلوار سے پیدا ہوئی تھی انھوں نے وزیر اعلیٰ کی تلوار کاٹ دی تھی اور قریب تھے کہ اس کی گردن بھی کاٹ لیں کہ ولی عہد نے ایک دم اپنی تلوار ان کی تلوار کے سامنے کر دی۔
مولا حسین نے بڑے غصہ کے ساتھ اسے دیکھا۔ اس نے ان کی لال سرخ آنکھوں میں جھانکا اور بڑے ادب سے کہنے لگا:
میں نے یہ گستاخی امیر محض اس لئے کی ہے کہ میں آپ کے ہاتھ سے وزیر اعلیٰ کا قتل پسند نہیں کرتا۔ آپ اپنی تلوار جھکا لیجئے اور اطمینان رکھئے آپ جو چاہیں گے وہی ہوگا۔ اور یہ خادم آپ کی ہر آرزو اور ہر خواہش کی تعمیل

بمنزلہ فرض سمجھے گا۔

مولا حسین نے اس کی سمت دیکھا۔ جیسے اس کی آنکھوں کے ذریعہ اس کے دل کا حال جاننا چاہ رہے تھے۔ ولی عہد نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ اور التجا دہرائی:

"تلوار جھکا لیجئے۔ میری موجودگی میں کوئی تلوار آپ کا رُخ نہیں کرے گی۔ وزیر اعلیٰ کے محل میں اس ملک کے ہونے والے بادشاہ کی امان کی توہین بالکل نہیں ہو سکے گی۔

مولا حسین نے تلوار جُھکا لی۔

ولی عہد کی آواز گونجی:

آگے سے ہٹ جاؤ پہرہ دارو اور اپنی تلواریں مولا حسین کے احترام میں زمین پر پھینک دو۔

پہرہ داروں نے اس کے حکم کی تعمیل کی تلواریں زمین پر پھینک دیں ولی عہد نے مولا حسین کے سامنے اپنی گردن ایک بار اور — جھکائی اور درخواست کی:

میرے ساتھ ساتھ چلے آیئے امیر!

مولا حسین نے کسی قدر تامل سے کام لیا ولی عہد نے اپنی درخواست کا وزن بڑھایا:

بزرگ عبداللہ آپ کی وجہ سے بے حد پریشان ہیں اور باہر کھڑے ہیں۔

مولا حسین کے قدم آگے کو اٹھنے لگے۔ ولی عہد ایک محافظ کے سے انداز میں تلوار سیدھی کئے۔ انھیں اپنے ساتھ ساتھ لئے باہر آیا۔

باہر بزرگ عبدالالہ گھوڑے کی لگامیں کچھ اس طرح کھینچے ہوئے تھے کہ گھوڑے کے پاؤں اوپر کو اٹھے تھے۔ ان کی نگاہ ساتھ ساتھ چلتے مولا حسین اور ولی عہد پر گری تو وہ ایک دم گھوڑے سے کود پڑے اور بھاگتے ہوئے مولا حسین کے سامنے آ گئے اور انتہائی بے تابی کے ساتھ بولے:

آپ نے تو آقا کبھی کوئی قدم مجھ سے رائے لئے بغیر اٹھایا نہیں تھا:

مولا حسین نے محض اس کی سمت دیکھا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ولی عہد پہلے ایسے انداز میں چلتا انھیں اپنی رتھ تک لایا اور ان سے التجا کی:

میری رتھ میں سوار ہو جائیے امیر!

وہ آنکھیں نیچی کئے اس میں بیٹھ گئے۔

ولی عہد اپنی جگہ سے اچھلا، رتھ کے اگلے حصے پر چڑھا۔ گھوڑے کی باگیں ہاتھ میں لے لیں اور ایک سائیس کے انداز میں رتھ کو ہانکتے ہوئے بزرگ عبدالالہ سے درخواست کی،

آپ آگے لگ جائیے۔

عبدالا نے گھوڑا آگے لگا لیا تو ولی عہد نے رتھ باہر کی سمت موڑ لی۔ بڑے دروازے کے پہرہ داروں نے پہلے کی طرح اسے سلامی دی اور رتھ اندھیرے کی چادر میں سے راہ بناتی خانقاہ کی سمت دوڑ پڑی۔

٭٭

باب ۲

فوزیہ جس وقت دروازہ کے قریب پہنچی اعلیٰ حضرت مولا حسن کی متوازن آواز سنائی دے رہی تھی:

فوزیہ محض کھلنڈری ہے۔ رضیہ بیٹی وہ کبھی کسی چیز کی گہرائی میں اترنا پسند نہیں کرتی اور نہ اپنے سوا کسی دوسرے کے مفاد کا خیال کرتی ہے تم اس سے زیادہ ضابط۔ زیادہ صابر اور زیادہ دانا و عقل مند ہو۔ اگر تم ولی عہد سے بیاہ دی گئیں تو یہ زیادہ سود مند ہوگا اور ہمیں اور تمھارے باپ کو، اپنے سیاسی ارادے پورے کرتے ہیں زیادہ مدد ملے گی۔

فوزیہ ایک دم رک گئی اور اپنی پیٹھ دروازے سے اس طرح لگا لی جیسے اپنے باپ کی اس گفتگو کا اس پر بہت زیادہ بوجھ پڑا تھا اور بابا کی بوجھل آواز ابھی چل رہی تھی:

گھبراؤ نہیں بیٹی یہ انگوٹھی میرے ہاتھ سے لے لو۔ ولی عہد نے مجھے اجازت

دی ہے کہ یہ تم دونوں میں سے جسے بھی میں چاہوں سونپ دوں۔

رضیہ بری طرح کانپنے لگی اس کی رنگت سخت زرد پڑ گئی۔ ساتھ کھڑے عبدالعلی نے بہن کی سمت دیکھا۔ اس کا کانپتا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور تایا کے سامنے جھکتے ہوئے اعتراض کیا:

لیکن تایا ابا! آپ ایسا کہتے وقت شاید بزرگ عبدالالہ کے بھتیجے عبدالغنی کو بھول گئے ہیں۔

"تایا ابا گرجے:

اور تم کو بھی شاید خیال نہیں رہا۔ کہ رضیہ کس کی بیٹی ہے۔

وہ غصہ سے کانپنے لگے۔ عبدالعلی نے آنکھیں نیچی کر لیں۔ مولا حسن نے اس کی جھکی جھکی آنکھوں پر غصہ بھری نگاہ اچھالی اور اپنا ہاتھ آگے پھیلاتے ہوئے بولے:۔

اس انگوٹھی کو اٹھالے لڑکی۔ نہیں تو ہم عبدالغنی کو اپنی خانقاہ سے نکال دیں گے اور اس کے چچا کی ساری خدمات فراموش کر دیں گے۔

رضیہ بید مجنوں کی طرح کانپی، اس کا کانپتا ہاتھ ان کے پھیلائے ہوئے ہاتھ کی سمت ہولے ہولے اٹھا۔ لیکن ابھی انگوٹھی تک نہیں پہنچا تھا کہ فوزیہ نے چیل کی طرح اڑ کر بابا کی کھلی ہتھیلی پر رکھی انگوٹھی اچک لی۔ مولا حسن نے بڑے سخت غصہ سے اس کی سمت دیکھا۔ عبدالعلی نے بھی نگاہ گھمائی اور بڑی ہی متوازن آواز میں سر کو خم دیتے ہوئے تایا ابا سے کہنے لگا:

"تایا ابا فوزیہ بہن کو یوں نہیں دیکھئے۔ انھوں نے کسی کا حق غصب

نہیں کیا۔ اپنی چھین لی ہے۔ ولی عہد یہ انگوٹھی ان ہی کے لئے لائے تھے۔ آپ سے انھیں اپنا مدعا عرض کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ یوں آپ بھی جانتے ہیں ان کا مقصود، یہ انگوٹھی آپ کے سپرد کرنے سے اس کے سوا اور کوئی نہ تھا کہ یہ انگوٹھی آپ فوزیہ بہن کو ان کی طرف سے نذر کردیں۔

فوزیہ نے عبدالعلی کی طرف بڑے غصہ سے دیکھا اور سر جھٹکتی اندر کو دوڑ گئی۔ بابا نے اسے پکارا بھی مگر وہ رکی نہیں، بابا اس کی طرف لپکے لیکن ابھی اندر کی دہلیز تک نہیں پہنچے تھے کہ مولا حسین کی کراری آواز سنائی پڑی۔

بھیا! ہم نے عبدالالہ سے خانقاہ کے بڑے راہب کی عبا چھین لی ہے اور ان کے خلاف آپ سے شکایت کرنے آئے ہیں۔

مولا حسین منہ سے جھاگ چھوڑتے۔ بزرگ عبدالالہ کو قریب قریب گھسیٹتے اندر داخل ہوئے۔ اعلیٰ حضرت مولا حسن کی ان کی طرف لپکے تو مولا حسین نے بزرگ عبدالالہ کو ان کے سامنے دھکیلتے ہوئے ان کی شکایت کی۔

یہ ہمارے پیچھے جاسوسوں کی طرح لگا، ولی عہد کو بدبخت داؤد کے گھر تک لے آیا۔

ان کی آواز بہت بلند ہوگئی:

اگر اس بے وقوف نے ہماری جاسوسی نہ کی ہوتی تو ہم نے غدار داؤد کے ناپاک وجود سے یہ سرزمین پاک کردی ہوتی۔

مولا حسن نے تیز کلسے آگے بڑھ کر ان کی بات کاٹ لی:

اگر بزرگ عبدالالہ نے ایسا کیا۔ تو ہم ان کا منصب ان سے چھینیں

کی بجائے۔ انھیں بہت بڑا انعام دیں گے۔ انھوں نے بہت بڑی عقل مندی کی ہے اور ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

یہ کہہ کر انھوں نے بزرگ عبداللہ کو اپنے دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا اور ان کی پیشانی چومتے ہوئے کہنے لگے:

بزرگ عبداللہ! ہم نے تمھیں کبھی اتنا عقل مند نہیں سمجھا تھا۔

آخری بات بھائی کی طرف منہ اٹھا کر کہی:

اور تم نے کبھی اتنی بڑی حماقت پہلے نہیں کی تھی ہیں تو سمجھا تم قاضی القضاۃ کے ہاں گئے ہو مجھے معلوم ہوتا تم نے داؤد کے مکان کی راہ لی ہے۔ تو میں بھی عبداللہ کی طرح تمھارا پیچھا کرتا۔ ان کی آواز سرگوشی میں بدل گئی:

یوں تو تم تھوڑی دیر پہلے بڑی تعلی سے کام لے رہے تھے اور کہہ رہے تھے تم نے فصل اس وقت کاٹی ہے جبکہ یہ پک چکی تھی۔ کیا پکی ہوئی فصل یوں ہی کاٹی جاتی ہے۔ کیا آزادی کی لڑائی کا یوں ہی آغاز کیا جاتا ہے۔ کہ سپہ سالار یکہ و تنہا دشمن چھاؤنی میں گھس پڑے۔ تم نے داؤد کے ہاں جا کر اور اس پر حملہ آور ہو کر اس خفیہ تحریک کا ڈھنڈورا آپ پیٹ دیا ہے۔ جسے تم اپنے قول کے مطابق دس سال سے اندر ہی اندر چلا رہے تھے۔

انھوں نے عبداللہ کو چھوڑ دیا۔ بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا:

تمھیں یہ اچانک کیا ہو گیا تھا۔ حسین! تمھاری عقل نے تمھاری صحیح راہ نمائی کیوں نہیں کی تھی۔

تم تو سرقسطہ کے ذہین ترین آدمی سمجھے جاتے تھے۔ تمھاری دانائی کی لو

قسمیں کھائی جاتیں۔

مولا حسین نے محض سر کو جھٹکا۔ بھائی کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال لیا اور اپنی بھتیجی فوزیہ کے سے انداز میں اندر کو لپک گئے۔

مولا حسن نے انھیں پکارا، مگر انھوں نے کچھ نہیں سنا۔ تیز چلتے اپنی خواب گاہ میں آئے اور انگیٹھی پر رکھی ایک خوبصورت عورت کی سنہری تصویر کو اٹھا کر بڑے غصہ کے ساتھ انگیٹھی میں جلتی آگ میں پھینک دیا۔ اور دونوں مٹھیاں بھینچ لیں۔

باب ۳

وزیر اعلیٰ داؤد نے اپنا بوڑھا سر ادھر اُدھر گھما کر جب یقین کر لیا کہ کوئی نگاہ بھی پاسبان نہیں ہے تو اس نے بادشاہ المنذر کا دامن دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور بہت ہولے سے جیسے کوئی راز کی بات کہہ رہا ہو سرگوشی کی:

آپ کی رائے جو بھی ہو آقا۔ میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ آج شام کو جوں ہی وہ قاضی القضاۃ ابو العباس کے ساتھ چوگان کھیل کر میرے گھر کے سامنے سے گزرے گا۔ موت اس پر جھپٹ پڑے گی۔

بادشاہ المنذر نے بڑے اضطراب کے ساتھ اپنا دامن اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اسی کے سے انداز میں اِدھر اُدھر سر گھمایا۔ اور اعتراض کیا:

مولا حسین کا قتل عوامی بغاوت کا باعث بن سکتا ہے داؤد۔ تم نے شائد یہ خطرہ بالکل نظر انداز کر دیا ہے ۔ اور تم بھول گئے ہو کہ اس ملک میں اب تک ہزاروں لوگ اس کے طرفدار ہیں۔ پھر اس کا بھائی تو تم سے اور مجھ سے کہیں

زیادہ طاقت ور ہے۔ عوام کے دلوں پر اصل حکمران تو وہی ہے۔
وزیر اعلیٰ مسکرایا:
لیکن مجھے ہر بات کا احساس ہے عالی جاہ میں عوام کو قطعاً یہ شبہ نہیں ہونے دوں گا کہ حسین کا قاتل میں ہوں۔
اس کی آواز بہت مدھم ہوگئی:
میرے گھر سے قاضی القضاۃ کی محل سرا کو جاتی راہ کئی دن سے کھُد رہی ہے۔ مولا حسین کی سواری کسی جگہ بھی ٹھوکر کھا سکتی ہے۔ اور گرائی جا سکتی ہے۔
بادشاہ المنذر نے اپنا سر بہت زور سے جھٹکا۔
کچھ بھی ہو دا وُد۔ مولا حسین کا قتل اعلیٰ حضرت مولا حسن سے کھلی دشمنی کے ہم وزن ہوگا اور میں مولا حسن سے کسی قیمت پر دشمنی مول نہیں لے سکتا۔
اگر میں مولا حسن سے دشمنی مول لینے کا حوصلہ رکھتا۔ تو آج جب حسین نے مجھ پر کمان کھینچی ہوتی تو میں نے اس کی یہ کمان اپنے خنجر سے کاٹ دی ہوتی۔ تم جانتے ہو میں اس ملک میں خنجر پھینکنے میں سب سے زیادہ مہارت رکھتا ہوں۔ اُڑتے پرندے تک میرے خنجر کی سبک رفتاری سے پناہ مانگتے ہیں۔
بادشاہ المنذر نے وزیر اعلیٰ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے:
خدا کے لئے یہ بُرا ارادہ ذہن سے نکال دو۔ یہ بہت بُرے نتائج پیدا کرے گا۔ اور پھر قاضی القضاۃ ابو العباس کو تم شائد اچھی طرح نہیں جانتے وہ بہ ظاہر تمھارے دوست ہیں۔ مگر بہ باطن مولا حسین کے ہم نوا ہیں۔
یہ صرف وہ ہیں جنہوں نے مجھے آج تک مولا حسین کے قتل کا فرمان لکھنے

نہیں دیا۔

مولاحسین کو قتل کر کے تم قاضی القضاۃ کو بھی اپنا دشمن بنا لو گے۔ اور اگر وہ اور اعلیٰ حضرت مولاحسن ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے تو عوام میری اور تمھاری بوٹیاں نوچ کھائیں گے۔

چالاک وزیر اعلیٰ نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اور اعلیٰ حضرت کے گھبرائے گھبرائے چہرہ پر نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگا:

مجھے آج معلوم ہوا اعلیٰ حضرت کہ آپ مولاحسین سے کس درجہ خائف ہیں۔ اس سے دشمنی بھی رکھتے ہیں اور اس سے ڈرتے بھی ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے اُسے ٹوک دیا:

یہ بات نہیں ہے وزیر اعلیٰ! حسین سے میں کبھی خائف نہیں ہوا۔ اعلیٰ حضرت مولاحسن اور قاضی القضاۃ ابوالعباس سے لازماً ڈرتا ہوں۔ پھر اس کا بیٹا عبدالعلی تو نوجوان نسل میں حد درجہ ہر دلعزیز بنا ہے۔

بادشاہ المنذر کی آواز بہت مدھم ہو گئی:

مجھ سے وعدہ کرو وزیر اعلیٰ حسین کو قتل نہیں کرو گے۔

وزیر اعلیٰ بڑبڑایا:

تو پھر آپ جس عوامی بغاوت سے اس درجہ ڈرتے ہیں۔ وہ اپنا منحوس چہرہ آپ کو دکھائے بغیر نہیں رہے گی اور حسین آپ سے یہ محل سرا اور اس کے سارے لوازمات چھین لے گا۔

اسد نے اپنے بیٹے سلیمان کی طرف دیکھا اور اس سے گواہی لی:

سلیمان تم کیا قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہو کہ تم نے بوڑھے عبداللہ کو شاہی توپچی عبدالرب کے گھر پر دستک دیتے اور اس کی بیوی کو کوئی شے پکڑاتے دیکھا تھا۔

سلیمان نے آنکھیں نیچی کئے جواب دیا؛

صرف میں نے ہی نہیں شہزادی ذہبہ نے بھی عبداللہ کو پہچانا اور یہ شہزادی ذہبہ تھی جن کی نگاہ مجھ سے پہلے بھیس بدلے ہوئے بوڑھے راتب عبداللہ پر اٹھی تھی اور وہ ڈر گئی تھی۔

اعلیٰ حضرت نے بڑے غصہ کے ساتھ اس کی بات کاٹ لی؛

ذہبہ اور تم ایک ساتھ کہاں گئے تھے؟

سلیمان نے آنکھیں جھکائے جھکائے عرض کیا؛

یہ آپ شہزادی ذہبہ سے پوچھ سکتے ہیں۔ یہ ان کا راز ہے۔ میرا راز نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت نے بڑے غصہ کے ساتھ پاؤں بجائے۔

سلیمان! ہم کسی راز کو جاننا نہیں چاہ رہے ہیں۔ ہم صرف یہ پوچھ رہے ہیں کہ تم اور ذہبہ ایک ساتھ کہاں گئے تھے۔

تمھیں ہمارے اس سوال کا فوراً جواب دینا ہوگا۔

سلیمان کی رنگت ایک دم زرد پڑ گئی۔ اعلیٰ حضرت نے پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ پاؤں بجائے۔ سلیمان نے ہچکی ایسے انداز میں جواب دیا۔ توپچی عبدالرب کی پائیگاہ میں شہزادی ذہبہ نے عبدالعلی کو بلا رکھا تھا اعلیٰ حضرت کی آواز

من بھر وزنی گولے کے سے انداز میں محل سرا میں گونجی:

ذہبہ!

شہزادی ذہبہ اس وقت کوئی شعر موزوں کر رہی تھی۔ اور ہولے ہولے گنگنا رہی تھی۔ اس کا نام فضا میں یوں گونجا تو اس نے اپنے خوبصورت سنہری بالوں والے سر کو بڑی ادا کے ساتھ جھٹکا اور اس طرح مسکرائی جیسے اس کے تایا ابا نے اسے چٹکتی کلیوں کی زبان سے مخاطب کیا ہو۔ وہ بڑے ناز کے ساتھ چلتی ایوان خاص میں پہنچی۔ بیاض اس کے ہاتھ میں تھی۔ اور چاک پنسل بھی۔ اس نے چاک پنسل دانتوں میں لئے لئے تایا ابا سے پوچھا:

کیوں تایا ابا حضور نے ہمیں یاد فرمایا؟ ہم شعر لکھ رہی تھیں آپ کی آواز نے ہمارا تصور توڑ دیا ہے۔

تایا ابا جو اس قدر زور سے گرجے تھے اپنی اس بھتیجی کو اپنے سامنے یوں نمودار ہوتے دیکھ کر اس طرح موم ہو گئے جیسے ذہبہ آگ سے بنی تھی اور اس کے نرم و نازک جسم سے شعلے ہی شعلے اٹھ رہے تھے۔

سلیمان کی نگاہیں شعلوں سے بنے اس جسم کا طواف، پروانوں کے سے انداز میں کر رہی تھیں۔ اعلیٰ حضرت کی آواز جب اٹھی تو اس پروانے کو معلوم ہوا۔ وہی نہیں اعلیٰ حضرت بھی شاید اس کے پروانے ہیں۔ اعلیٰ حضرت بہت مری مری سہمی سہمی آواز میں اس سے کہہ رہے تھے:

عبدالعلی کو تم نے محل سرا پر کیوں دعوت نہ دی ہم بھی اس سے کئی دن سے ملے نہیں تھے۔ ہم بھی اس کی پیشانی چوم لیتے۔

ذہبہ نے چاک پنسل کا ایک کونہ دانتوں سے کاٹ لیا۔ اپنی لانبی شیریں آنکھیں اوپر کو اٹھائیں اور اس طرح جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی تایا ابا سے بولی:۔

اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو ہم سلیمان کو ابھی ابھی خانقاہ دوڑا دیں گے۔ اور عبدالعلی دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں گے۔

اعلیٰ حضرت مسکرائے اس کی پیٹھ ٹھونکی اور بڑبڑائے "یہ تو بہت اچھا ہوگا بیٹی، یہ تو بہت اچھا ہوگا"۔ انہوں نے یہ الفاظ کئی بار دوہرائے۔

اور مسکراتی ذہبہ چاک پنسل کو پیشانی سے چھواتی اور اشارے سے سلام کرتی نسیم بہار کے ایک انتہائی خوشگوار جھونکے کی طرح آگے کو گزر گئی۔

وزیر اعلیٰ نے اعلیٰ حضرت کا ہر ادب نظر انداز کرتے ہوئے ان کا دامن کھینچ لیا اور اس طرح جیسے کہ وہ تاجدار تھا۔ انہیں ڈانٹا۔

آپ کی یہ بزدلی اعلیٰ حضرت ہمیں قطعاً پسند نہیں ہے۔ میرے بیٹے سلیمان پر تو آپ وزنی منجنیق کی طرح گرجے تھے۔ مگر اپنی بھتیجی اور منتقی ذہبہ کے سامنے بالکل مٹی کے مادھو بن گئے۔ اس کی ماں کے سامنے بھی آپ بالکل ایسی نیازمندی ظاہر کیا کرتے تھے تبھی تو وہ آپ کو دھتکار کر چلی گئی۔

اعلیٰ حضرت کی رنگت ایک دم سفید پڑ گئی، انہوں نے وزیر اعلیٰ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور سلیمان کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔

سلیمان تم جاؤ، لیکن ذہبہ کے حکم کی تعمیل نہیں کرنا۔

سلیمان رکوع کے بل جھکتا ہوا باہر نکلا۔ وہ خود نہیں چاہتا تھا کہ ذہبہ کے حکم کی تعمیل کرے۔ لیکن ابھی وہ ایوانِ خاص کی غلام گردش سے باہر نکلا ہی تھا کہ

شہزادی ذہبہ کی نازک نازک آواز کسی بہت ہی موزوں مصرعہ کی طرح سُنائی دی۔
تم ہماری رتھ پر چڑھ جاؤ سلیمان اور عبدالعلی سے کہہ آؤ، کہ وہ اور رضیہ بہن دوپہر کا کھانا ہمارے اور تایا ابا کے ساتھ نوش فرمائیں۔
سلیمان نے یوں تو کئی بار سر جھٹکا۔ مگر اس نے اس دربار میں نہ کہنے کا حوصلہ کبھی نہیں کیا تھا کبھی نیاز مندی کا طریقہ بدلا نہیں تھا۔ اس کی عقیدت اور محبت نے اسے کبھی حکم عدولی کی جرأت نہیں ہونے دی تھی۔ اس نے اپنی جھکی جھکی نگاہیں ذہبہ کے خوبصورت چہرہ پر اُٹھائیں جو گلاب کے پھول کی طرح کھلا تھا۔ اور جس کی رعنائی چنبے کی ہزاروں کلیوں کے ہم پلہ تھی۔
سلیمان نے گستاخ نگاہ ایک دم جھکا لی۔ سینہ پر ہاتھ باندھ لئے اور بہت ہولے سے جیسے نیاز مندانہ مشورہ عرض کر رہا ہو۔ عرض کیا؛
اگر فوزیہ عالیہ کو بھی مدعو کر آؤں تو کیا آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ؟
ذہبہ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چاک پنسل ایک دم اس کے چہرے پر دے ماری وہ سر جھٹک کر اور تلملا کر رہ گیا۔ ذہبہ نے اپنے خوبصورت نازک نازک پاؤں بڑی رعنائی کے ساتھ فرش پہ بجائے اور تایا ابا ہی کے سے انداز میں گرجی؛
تم کچھ کچھ گستاخ ہوتے جا رہے ہو اور جانتے ہو ہمیں گستاخی کبھی نہیں بھائی۔
سلیمان نے عقیدت و نیاز مندی کے ملے جلے احساس کے ساتھ دانت کھول دیئے اور معذرت کی :
غلام معافی چاہتا ہے شہزادی صاحبہ۔ میں نے صرف سوچا تھا اگر فوزیہ بھی ساتھ ہوتیں تو ولی عہد بہادر۔ عبدالعلی کو چوگان کے لئے روک لیتے اور رات

ہونے تک یہ صحبت لذیذ دراز ہو جاتی۔

شہزادی ذہبہ کا مزاج محض چھوٹی موٹی کا مزاج تھا۔ ابھی گرجی تھی ابھی مہربان ہوگئی۔ اپنی ایک سنہری زلف انگلی پہ لہراتی اور اسے سلیمان کے چہرے پر مارتی ہوئی بڑبڑائی۔

تم شتر میلے ہونے کے باوجود مجھ سے زیادہ عقل مند ہو سلیمان۔

سلیمان کھل کھلا کر ہنس پڑا اور اپنی بھوکی گرسنہ نگاہیں۔ شہزادی کے خمار آگیں جوان چہرے پہ اٹھا دیں اور بہت ہولے سے کہنے لگا۔

خانقاہ جانے سے پہلے۔ دروغہ طعام سے کہتا جاؤں حلوائے بادام میں زعفران کے ساتھ ساتھ کچھ سبز پتیاں بھی پیس لے۔

شہزادی ذہبہ نازک لچکیلی شاخ کی طرح پوری کی پوری لچک سا گئی اور اپنی سنہری زلف سلیمان کے چہرے پہ ایک بار اور لہرائی۔ اور شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کے سے انداز میں بولی:

جو چاہے فرمائش کردو۔

سلیمان بھی لہرایا۔

اور اگر ہمارا جی اس ظالم زلف کو چوم لینا چاہے تو۔

ذہبہ نے یہ ظالم زلف بڑی تیزی کے ساتھ اس کے ہونٹوں کے اوپر سے لہرا دی اور شوخ آہو کے سے انداز میں کلیلیں بھرتی صحنِ چمن میں دوڑ گئی اور اپنے کہے ہوئے اشعار کچھ اس سوز سے گانے لگی کہ ہوا تک تھم تھم گئی۔

باب ۴

عبدالعلی اپنے باپ کے سفید براق گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا۔ اور شائد اسے معلوم تھا کہ اعلیٰ حضرت المنذر، وزیر اعلیٰ داؤد۔ ان کے بیٹے سلیمان اور ان کے دوسرے ساتھیوں کی آنکھیں شاہی جھروکے کی جالیوں سے لگیں اس کے چوگان کے تماشائی ہیں کہ اس پر بڑی سخت تعلی نازل ہو گئی تھی۔ وہ گھوڑے کی پیٹھ کے ساتھ قریب قریب چپک کر چوگان کے بلّے کو جب المنظر کی سمت سے آتی گیند پر مارتا تو پھر یہ گیند المنظر کا رُخ نہیں کرتی اور اگر کسی وقت کرتی بھی تو عبدالعلی اسے پھر سے واپس لے لیتا اور برق کے سے انداز میں گھوڑے کی پیٹھ پر لیٹے لیٹے گھوڑے اور گیند کو اڑاتا گول تک پہنچ جاتا اور بازی جیت لیتا۔ سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی ان کا کھیل شروع ہوا تھا اور سورج نقطۂ غروب کے قریب پہنچ گیا تھا کہ کھیل ابھی تک جاری تھا۔

جالی سے لگی بادشاہ المنذر کی بوڑھی آنکھیں انگاروں کی طرح جلنے

لگی تھیں۔ وہ بار بار اپنا بوڑھا سر سنہری جالی سے پٹخ دیتا۔ مگر سر کو یوں پٹخ دینے سے کیا فرق پڑتا تھا۔ عبدالعلی کے اس احتجاج و ذہنی اضطراب کے باوجود المظہر سے بازی جیت لیتا۔ اور ہر بازی جیت کر گھوڑے کی پیٹھ پر اپنے دونوں پاؤں کسی وحشی عرب کی طرح رکھ کر کھڑا ہو جاتا اور اسی انداز میں گھوڑے کو دوڑاتا۔ فوزیہ عالیہ کی رتھ کے قریب آن پہنچتا بلّے کو فضا میں لہرا کر اسے سلامی دیتا اور دھم سے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ جاتا اور آگے کو جھک کر اپنے جسم کا سارا بوجھ آگے کی سمت ڈال کر شہزادی ذہبہ کی رتھ کے پاس جاتا اور بہت ہولے سے پوچھتا،

کیا مجھ سے کوئی لغزش تو سرزد نہیں ہوئی۔

شہزادی ذہبہ جو نہ جانے آج کس خیال کی بنا پر اپنی ماں کی سرخ عبا زیب بدن کر کے اس تماشہ میں شریک ہوئی تھی۔ عبا کے گریبان سے بجلی ایسی تیزی سے ایک بٹن نوچ لیتی اور اس پر اچھالتی ہوئی جواب دیتی۔

اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ تایا ابا بھی میری طرح تماشائی ہیں تو میں آپ پر بٹن کی بجائے اپنا دل اچھال دیتی۔

وہ یہ کہہ کر فوزیہ عالیہ کی طرف دیکھتی جو نہ جانے کیوں سر جھٹک کر نگاہ جھکا لیتی اور عبدالعلی مسکراتا ہوا ہوا کے تند و تیز جھونکے کے انداز میں آگے بڑھ جاتا۔ اور المظہر کے ساتھ دوسری بازی کا آغاز کر دیتا۔

اس نے آج المظہر سے گیارہ بازیاں متواتر و مسلسل جیتیں اور جب آخری بازی جیت کر ہارے ہوئے المظہر کے پہلو بہ پہلو چلتا ہوا فوزیہ عالیہ کے دربار میں پہنچا تو المظہر قہقہہ مار کر ہنسا اور اس طرح جیسے وہ شرابی تھا۔ فوزیہ عالیہ

سے کہنے لگا۔

کچھ سنا آپ نے امیرزادے عبدالعلی ابھی ابھی ہمیں الف لیلیٰ کی کوئی داستان سُناتے ہوئے فرما رہے تھے کہ ان کا گھوڑا اس براق کی نسل سے ہے جس پر سوار ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے سوئے عرب روانہ ہوئے تھے۔ اس نے بڑی شوخی کے ساتھ چوگان کا بلّا فضا میں لہرایا اور بات جاری رکھی:

اور الف لیلیٰ کی یہ داستان عبدالعلی نے آپ جانتی ہیں ہم سے کیوں سُنانی ضروری جانی۔ اس لئے کہ آج انہوں نے پوری گیارہ بازیاں جیتی ہیں اور آج وہ جامے میں پھولے نہیں سما رہے اور الف لیلیٰ کے داستان گو بن گئے ہیں۔

عبدالعلی نے ایک روٹھے ہوئے محبوب کے سے انداز میں اپنی لانبی سیاہ آنکھیں جو سرقسطہ کے ہر مرد کی آنکھوں سے خوبصورت اور جاذب نگاہ تھیں۔ المظہر کے لمبوترے قطعاً غیر دلچسپ چہرہ پر اُٹھا دیں اور اپنے ہاتھ میں پکڑے بلّے کو بڑی محبت کے ساتھ المظہر کے کندھے سے چھوتا ہوا کہنے لگا۔

آپ سے جیت ہار اگر کوئی وزن رکھتی یحییٰ المظہر تو ہم بہ خدا آپ سے عمر بھر ہارتے رہنے پر آمادہ ہیں۔

یہ کہہ کر عجیب سے انداز میں مسکرایا اس کی آنکھیں بھی مسکرا پڑیں اور فوزیہ عالیہ کو بہت بُری طرح احساس ہوا۔ ان کی آنکھوں کی دلآویزی کے ترازو میں دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی بادشاہت بھی تل نہیں سکتی تھی۔ ہر دولت، ہر خزانہ ہر نعمت اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ مگر اس نے یہ بات کافی بعد از وقت محسوس کی تھی آج صبح ہی محسوس کر لی ہوتی تو وہ منزل کی طرف ایک قدم بڑھ گئی

ہوتی اور اب تو منزل اپنے آپ اُلٹ چکی تھی۔ اس کا چہرہ ایک دم زرد پڑ گیا۔ عبدالعلی سمجھا۔ فوزیہ عالیہ کے چہرے کی زردی۔ المظہر کے اعلان شکست کے سبب رونما ہوئی ہے اس نے گھوڑے سے ایک دم چھلانگ لگادی اور فوزیہ کے رتھ کے آگے رکوع کے بل جھک کر دایاں گھٹنا زمین پر ٹیک دیا لیکن ابھی وہ کوئی معذرت نہ کر پایا تھا کہ اچانک فضا کسی بھاگتے گھوڑے کے تیز تیز سموں سے پیدا ہونیوالے شور سے گونج اُٹھا۔ یہ سوار خانقاہِ معلیٰ کے بڑے راہب عبدالالہ کے سوا دوسرا کوئی نہیں تھا۔ عبدالعلی کی گھرائی گھرائی نگاہ نے اسے پہچان لیا۔ اس نے بجلی کے سے انداز میں منہ موڑا اور آگے کو لپکتا ہوا چیخا:

اس طرح گھوڑا دوڑاتے کیوں آرہے ہو راہب عبدالالہ اور کیوں بھول گئے کہ یہ شاہی چوگان گاہ ہے۔

بوڑھے عبدالالہ کی کانپتی مگر بوجھل آواز جواب میں آئی۔

آپ کے بابا۔ مولا حسین گھوڑے سے گر گئے ہیں اور موت ان پر جھپٹ پڑی ہے۔

عبدالعلی کے ہاتھ اندھوں کی طرح فضا میں اُٹھ گئے اور وہ اس طرح فضا کو گھورنے لگا۔ جیسے اس کی بینائی جاتی رہی تھی یا جیسے یہ چوگان گاہ اور اس سے ملحقہ باغات۔ محل اور جھروکے زیر و زبر ہو گئے ہیں۔

فوزیہ کی سماعت پہ بھی یہ خبر کو ہولناک بم کی طرح گری تھی مگر بینائی شائد ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ابھی سناٹے ہی جھلملائے تھے۔

عبدالالہ۔ عبدالعلی کے قریب آن کر گھوڑے سے کودا اس کے کانپتے

لرزتے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔

اور اس کے کپکپاتے جسم کو سہارا دیکر فوزیہ کی رتھ میں لاد دیا۔

فوزیہ نے پیچھے سے عبدالعلی کا گریبان اپنے دونوں ہاتھوں میں اس طرح پکڑ لیا جیسے مولا حسین کا قاتل عبدالعلی تھا اور کوئی نہ تھا۔ اور یہ عبدالالہ نہ جانے کیا شئے تھا۔ اس نے عبدالعلی کو فوزیہ کے رتھ میں سوار کرا کر اسے حکم دیا۔

گھوڑے کی باگیں۔ ہاتھ میں لے لو عبدالعلی اور اسے ہانکتے خانقاہ تک بڑھ چلو کر روتی خانقاہ تمہاری منتظر ہے۔ میں قاضی القضاۃ کو بھی اس منحوس حادثے کی خبر دے آؤں۔ اس کی آواز پر چیختی ذہبہ کی آواز چڑھ گئی۔

عبدالعلی اس اندوہناک خبر کو سُن لینے کے بعد رتھ کیسے ہانک سکے گا۔

بزرگ عبدالالہ اسے ہم ہانکیں گے۔

عبدالعلی کو ہم نے مدعو کیا تھا اور یہ حادثہ ہماری نحوست کے سبب وقوع میں آیا ہے۔ ہم نے اپنا ذلیل سایہ عالی قدر عبدالعلی کے روشن مقدر پر ڈال دیا ہے۔ ہم اس سے بہت بہت شرمندہ ہیں۔

اس کی آواز میں جو رعشہ اور جو کپکپی تھی اس سے عبدالالہ نے کچھ جانا سمجھا یا نہیں سمجھا۔ ولی عہد المنظہر کو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے ذہبہ کی آواز کی کپکپی نے ساری کائنات پر زلزلہ طاری کر دیا ہے اور اس کے اندر سے چلتی شہزادی ذہبہ عبدالعلی کے رتھ کی طرف بھاگی۔ مگر یہ رتھ شاید ہوا کے پروں پر اڑنے لگی تھی کہ لہراتی ذہبہ اس تک نہیں پہنچ سکی۔ اس نے بڑی بے بسی کے ساتھ آگے کو اڑتی رتھ کی سمت اپنے کانپتے ہاتھ اٹھا دیئے اور عبدالعلی عبدالعلی پکارنے لگی۔

ولی عہد المظہر نے ایک نگاہ آگے کو دوڑتی رتھ پر ڈالی دوسری شہزادی ذہبہ پر اور بہت ہولے سے جیسے یہ حادثہ ذہبہ کے باپ کو پیش آیا تھا۔ اس نے ماتم پرسی کی۔

خدا کو یہی منظور تھا ذہبہ۔

شہزادی ذہبہ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لئے اور بُری طرح سسکیاں لینے لگی المظہر ہولے ہولے چلتا شہزادی ذہبہ کے قریب آیا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا اور بہت ہولے سے جیسے کوئی راز کی بات کہہ رہا ہو۔ ذہبہ سے سرگوشی کی۔

ذہبہ مجھے تو کچھ ایسا لگتا ہے جیسے مولا حسین کی موت میں۔ وزیر اعلیٰ کا ہاتھ ہے اور جب میں یہاں آیا وہ شاہ بابا سے مجرمانہ سرگوشی کر رہے تھے۔ اس کی آواز پہ بادشاہ کی گھبرائی گھبرائی آواز چڑھ گئی۔

تم نے اپنے باپ کے بارے میں ولی عہد۔ یہ بہت غلط رائے قائم کی ہے کہ وہ اس جرم میں وزیر اعلیٰ کا شریک تھا۔

ولی عہد نے باپ کی سمت منہ گھمایا۔ اور کچھ کہے بغیر بدووں کی طرح اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پہ لیا اور گھوڑے کو دوڑاتا چوگان گاہ سے باہر نکل گیا۔

گھبرائے گھبرائے بادشاہ نے روتی سسکیاں بھرتی بھتیجی کو اپنے دونوں بازوؤں میں لے لیا اور اس طرح جیسے اس کا ضمیر مجرم تھا۔ اس سے کہنے لگا۔

ذہبہ! ولی عہد کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے۔ مجھ میں اور وزیر اعلیٰ میں کوئی سرگوشی نہیں ہوئی تھی۔

ذہبہ نے ان کی یہ بات شاید سنی نہیں تھی۔ وہ اپنا سر ان کے سینے سے پٹختی ہوئی بڑبڑائی۔

مجھے خانقاہ تک لے چلئے تایا ابا۔ میں اس گھڑی عبد العلی سے قریب رہنا چاہتی ہوں۔ کہیں فوزیہ مجھ پر بازی نہ لے جائے۔ اور عبد العلی کے دل میں یہ خیال پیدا نہ کر دے کہ میں نے اسے یہاں بلوا کر اس کے باپ پر موت وارد کرنے میں آپ یا وزیر اعلیٰ کی مدد کی تھی اور میں بھی اس سازش میں شریک تھی۔

اس نے اپنی روتی آنکھیں تایا ابا کے چہرہ پر اٹھا دیں اور تایا ابا۔ تایا ابا کے الفاظ بڑبڑانے لگی۔ اور تایا ابا اس سازش میں شریک تھے یا نہیں اس وقت تو انہیں ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے وہ کسی عدالت میں کھڑے ہیں اور ان کی بھتیجی اور لے پالک ذہبہ ان کے خلاف شہادت دے رہی ہے۔ اور کھلے الفاظ میں عدالت سے کہہ رہی ہے۔ میرے تایا ابا اس سازش میں شریک تھے حضور میں چشم دید گواہ ہوں۔

سسکیاں بھرتی اور روتی ذہبہ نے ان کا گریبان اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بڑبڑائی۔

میرے چہرے پر آگ رسید کا لک لگ گئی۔ اگر عبد العلی نے مجھے اپنے باپ کے قتل میں آپ کا شریک مان لیا۔ تو میں اپنا گلا گھونٹ کر مر جاؤں گی۔ تایا ابا ایک لمحہ جی نہیں سکوں گی۔

تایا ابا بڑبڑائے۔

لیکن عبد العلی کے باپ کے قتل کی سازش کہاں ہوئی۔ جو تم اس میں شریک سمجھی جاؤ گی۔"

ذمیہ نے تایا ابا کا گریبان بری طرح جھنجھوڑ ڈالا اور پہلے سے زیادہ گھبراہٹ کے ساتھ بولی!

یہ وقت بے کار بحث میں الجھنے کا نہیں ہے تایا ابا۔ مجھے عبدالعلی کے پاس لے چلئے تاکہ میں اسے یقین دلا سکوں کہ مجھے اس کے بابا کی موت سے اتنا ہی صدمہ ہوا ہے جتنا کہ اسے۔

اس نے اپنے ہاتھ تایا ابا کے گریبان کے اندر ڈال دیئے۔

میں اس سے کہتے وقت بالکل جھوٹ نہیں بولوں گی تایا ابا، مجھے اس کے بابا سے سچ مچ بڑی محبت تھی وہ بھی مجھ سے بے حد پیار کرتے تھے بالکل رضیہ اور عبدالعلی جیسا عزیز جانتے تھے۔

اور تایا ابا کو ایسا لگا جیسے ان کی اس بیٹی نے یہ بات کہہ کر ان کے منہ پر تھوک دیا ہے۔ انہوں نے اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے نکال دیئے۔ لیکن وہ تو عجیب تماشا تھی ان سے لپٹ گئی اور طوطے کی طرح رٹنے لگی۔

مجھے خانقاہ لے چلئے مجھے خانقاہ لے چلئے۔

⁂

باب ۵

خانقاہ معلیٰ کے احاطہ میں عجیب کہرام مچا تھا۔ ہزاروں راہب اور عقیدتمند
اس طرح چیخ و چلّا رہے تھے جیسے پوری کی پوری کائنات زیر و زبر ہو گئی تھی۔
عبد العلی کی رتھ جب آن' اس سوگوار ماحول میں پہنچی تو عقیدتمندوں کی چیخیں
پہلے سے کہیں زیادہ بلند ہو گئیں اور راہبات تو عبد العلی کا نام لے لے کر اس طرح
بین کرنے لگیں۔ جیسے اپنے نوحہ کے ذریعہ عبد العلی کے غم کو مٹانا چاہ رہی تھیں۔
اس سوگوار ماحول نے گو عبد العلی سے اس کی رہی سہی استقامت چھین لی تھی۔ گو
گھوڑے کی باگیں تھامے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ لیکن اس نے رتھ روکی
نہیں اس سوگوار ماحول کے اندر سے بجلی ایسی تیزی سے گزرتا۔ اس چبوترے
تک آن پہنچا۔ جہاں اس کے تایا آبا مولا احسن اپنے برادر عزیز مولا حسین کی خون
میں رنگی نعش کو اپنے دامن سے ہوا دیتے خون کے آنسو رو رہے تھے۔
عبد العلی نے ایک دم گھوڑے کی باگیں ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ رتھ پھسلتے پھسلتے
بچی مگر عبد العلی کو اس لمحے کوئی ہوش نہیں تھا وہ دیوانوں کی طرح اچھلتا خون میں

لتھڑی باپ کی نعش سے جا لپٹا اور اس کے خون کو اپنے چہرہ پر ملتے ہوئے قسم کھائی۔
آپ کے خون کی قسم بابا! ہم پر دنیا کی ہر نعمت اس وقت تک حرام ہوگی جب تک آپ کے قاتل سے بدلہ نہیں لے لیں گے۔
اسی کی طرح آگے کو بھاگتی فوزیہ کی آواز اس کی آواز سے مل گئی۔
ہم بھی اس بدلہ لینے میں آپ کی شریک ہوں گی عبدالعلی۔
وہ بھی اسی کے سے عالم میں چچا کی نعش سے لپٹ گئی اور اس طرح روئی کہ پورا مجمع سسکیاں بھرنے لگا اور ان سسکیوں کے دوران عبدالعلی کی آواز ایک بار اور گونجی۔

بخدا بابا! ہم تمہارے قاتل سے تمہارا بدلہ ضرور لیں گے۔ خواہ وہ وزیر اعلیٰ ہو یا بادشاہِ سرقسطہ۔
مجمع کی زبان پر بھی یہی قسم چڑھ گئی اور مرد ہی نہیں بین کرتی عورتیں بھی یہی قسم دہرانے لگیں۔ پچھلے دروازے سے خانقاہ معلیٰ میں داخل ہوتا وزیر اعلیٰ ایک دم سہم گیا مگر یہ بھاگنے کی گھڑی نہیں تھی اگر وہ یہ قسم سُن کر بھاگ اُٹھتا تو مجمع اسی لمحے اس کی بوٹیاں نوچ کھاتا۔ چالاک آدمی خانقاہ کی جالی کے ساتھ لگا چبوترے تک آن پہنچا اور بڑے حوصلے سے کام لےکر مجمع کی بجائے عبدالعلی سے مخاطب ہوا۔
تم کو غلط فہمی ہوئی ہے صاحبزادے عبدالعلی! تمہارے باپ کی موت محض ایک ناخوشگوار حادثہ ہے۔
چالاک وزیر اعلیٰ یہ کہتے کہتے مولا حسن کے قریب پہنچ گیا اور اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بات جاری رکھی۔

اس کے باوجود کہ آپ کو میرے بارے میں سخت غلط فہمیاں ہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے برادر عزیز محض حادثۃً گھوڑے سے گرے میری بدنصیبی تھی کہ موت میرے مکان سے تھوڑے فاصلے پر ہوئی مولا احسن ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے لیتے کہ عبدالعلی نے ہاتھ بری طرح جھٹک دیا اور وزیراعظم کی بوڑھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا۔

بوڑھے وزیراعظم۔ اگر آپ نے خانقاہ کے مقدس احاطہ میں کھڑے ہو کر یہ بات نہ کہی ہوتی تو میں آپ سے اپنے باپ کا انتقام لئے بغیر آپ کو بہ خدا آپ کے گھر واپس نہ جانے دیتا۔

اس نے ہاتھ اوپر کو اٹھالیا۔ اور ایک سنتری کے سے انداز میں دروازہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا؛

آپ نے خانقاہ کی دہلیز کس کے حکم سے پار کی؟

اس کی آواز پر بادشاہ المنند کی آواز غالب آگئی۔

ہمارے وزیراعظم نے خانقاہ کی دہلیز ہمارے حکم سے پار کی، عبدالعلی۔

پورے کے پورے حاضرین باوجود ماتمی ماحول میں ہونے کے بادشاہ معظم کی تشریف آوری پر ان کے احترام میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن عبدالعلی کے انداز میں قطعاً فرق نہیں آیا تھا۔ اس نے اپنی آنسوؤں بھری آنکھوں کو بادشاہ کے چہرہ پر گاڑ دیا اور گردن کو خم دیئے بغیر کہنے لگا۔

اس کے باوجود بادشاہ معظم کہ وزیراعظم آپ کے حکم سے یہاں آئے۔ ہمیں ان کا ایک لمحہ کے لئے یہاں رکنا بھی پسند نہیں ہے۔ ان سے فرمایئے کہ وہ یہاں سے رخصت ہو جائیں ورنہ ہم آپ کے حضور ان کے خلاف اپنے محترم باپ کے خون کا

استغاثہ دائر کر دیں گے اور آپ کو یہ استغاثہ درگاہِ معلیٰ کی جالی کو چھو کر اسی وقت سماعت فرمانا ہوگا۔

بادشاہ سخت گھبرا گئے ان کے بوڑھے چہرے کی جھریاں پہلے سے زیادہ بڑھ گئیں۔ انہوں نے ابھی کوئی بات نہیں کی تھی کہ شہزادہ ولی عہد نے مداخلت کی۔

اگر آپ نے یہ استغاثہ دائر کیا عبدالعلی تو۔ بخدا ہم اپنے شاہ بابا کو لازماً اس کی سماعت پر مجبور کریں گے اور انہیں اس وقت تک شاہی محل میں لوٹنے نہیں دیں گے۔ جب تک وہ مجرم کو سزا نہیں دے لیں گے۔

شہزادہ ولی عہد، بادشاہ معظم۔ بوڑھے وزیر اعظم اور باقی لوگوں کے اندر سے راہ بناتا عبدالعلی کے قریب آن پہنچا۔ اور عبدالعلی کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور بچوں کی طرح رونے لگا۔

بادشاہ کو ایسا لگا جیسے ہر سو زلزلے ہی زلزلے لہرا گئے ہوں۔ اور ہر سو لہراتے یہ زلزلے اس وقت کچھ عجیب شکل اختیار کر گئے۔ جب امیر حسن نے بادشاہ سلامت کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں حکم دیا۔

اپنے وزیر اعظم کے ساتھ ساتھ خانقاہ سے نکل جائیے بادشاہ المنذر ہم ان کے خلاف آپکے سامنے کوئی استغاثہ نہیں کریں گے۔ اور نہ آپ پر کوئی الزام لگائیں گے۔

ہم انسانوں کے سامنے استغاثہ پیش کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے عبدالعلی کی سمت دیکھا اور اسے حکم دیا۔

عبدالعلی۔ ولی عہد کی باہیں اپنے گلے سے نکال کر وزیر اعظم داؤد کو دھکیلتے باہر

کے دروازے تک چھوڑ آؤ۔ ہم سے سخت بھول ہوئی کہ ہم نے دوستوں اور دشمنوں پر اپنی اس خانقاہ کے دروازے کھلے رکھے۔

عبدالعلی تو شاید ولی عہد کی باہیں اپنے گلے سے نکالنے کا حوصلہ نہیں کرتا ولی عہد نے اپنی باہیں آپ ہی آپ نکال لیں۔ اور عبدالعلی نے وزیر اعظم کی بوڑھی پیٹھ پر اپنا جوان ہاتھ بجاتے ہوئے اسے حکم دیا۔

خانقاہ کی دہلیز عبور کر جاؤ۔ بوڑھے داؤد۔ ورنہ ہمارے ہاتھ تمہارے گلے تک رسائی پالیں گے۔

اس کی آواز پر مولا حسن کی آواز پڑ گئی۔

عبدالعلی ہم نے تمہیں انتقام لینے کی دھمکی دینے کا اذن نہیں دیا تھا۔ صرف وزیر اعلیٰ کو باہر تک پہنچانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

بوڑھا وزیر آپ ہی آپ آگے کو دوڑنے لگا۔ بادشاہ معظم بھی اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ عبدالعلی نے دہلیز تک ان کا ساتھ دیا۔

شہزادی ذہبہ رتھ کے قریب کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ عبدالعلی شاید ہوش و حواس کھو چکا تھا کہ اس نے روتی شہزادی پر بھی ایک ہتھوڑا برسا دیا۔

یہ آپ نے سلیمان کو ہمارے یہاں بھیج کر اور دوپہر کی دعوت دے کر اس حادثہ کی راہ تو ہموار نہیں کی تھی شہزادی ذہبہ۔

بادشاہ معظم نے بڑے غصہ سے نگاہ گھمائی۔

عبدالعلی نے یہ نگاہ شناسانہ پہچان لی تھی کہ پاگل پن کے باوجود سیاست

برقی:

اگر خانقاہ کے مقدس احاطہ میں کسی قسم کا انتقام اعلیٰ حضرت مولا حسن کے نزدیک بہت بڑی گستاخی نہ ہوتا تو میں بہ خدا شہزادی ذہبہ۔ آپ کے شاہی خون کے باوجود آپ کے سر کے سارے کے سارے سنہرے بال نوچ لیتا اور آپ کی آنکھوں سے زندگی کی چمک چھین لیتا تاکہ آپ کو احساس ہو سکتا کہ بچپن کے ساتھیوں کو دھوکہ دے کر ان کے باپ مروا دینے کا جرم کتنا سنگین ہوتا ہے۔

ذہبہ کی سسکیاں رک گئیں اور اس نے اپنا یہ سر جس سے عبدالعلی نے بال نوچ لینے کی دھمکی دی تھی پتھر پہ بری طرح دے مارا۔ بادشاہ نے اپنی اس بھتیجی کو اپنے دونوں بازوؤں میں لے لیا۔ اور اسے ایسا لگا۔ جیسے یہ ماتمی فضا یکایک قہقہہ زار بن گئی ہے۔ خانقاہ کی دیواریں۔ چھتیں۔ عورتیں اور مرد سب کے سب اس کی اہانت پر قہقہے ہی قہقہے مار رہے ہیں۔

⁘

باب ۶

قاضی القضاۃ ابوالعباس نے بزرگ راہب عبدالالہ کا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ لیا اور آگے کی سمت دیکھتے ہوئے بہت ہولے سے سرگوشی کی :

میں نے آپ کی ہر بات سمجھ لی ہے بزرگ عبدالالہ اگر آپ چاہیں تو آپ کل عدالت کھلتے ہی میرے حضور وزیر اعلیٰ کے خلاف استغاثہ دائر کرسکتے ہیں۔ اگر بادشاہ نے مجھے اس وقت تک معزول نہیں کر دیا۔ تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کے استغاثہ دائر کرتے ہی، وزیر اعلیٰ کی طلبی کا فرمان جاری کر دوں گا۔ اور ان پہ کھلی عدالت میں مقدمہ چلاؤں گا۔

عبدالالہ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی اور اپنا منہ ان کے منہ کے قریب کرتے ہوئے ان ہی کے سے انداز میں سرگوشی کی :

مگر یہ حالت آپ کے گوش گزار کرنے سے میری غرض یہ نہیں تھی قاضی القضاۃ میں کچھ اور چاہتا تھا۔

قاضی القضاۃ نے بڑی بے صبری کے ساتھ پوچھا :

تو آپ کیا چاہتے تھے۔

عبدالالہ نے ایک بار اور اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی قاضی القضاۃ ان کے اضطراب کی تہ تک پہنچ گئے۔ ان کا ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھے۔ دروازہ بند کیا۔ دبیز پردہ لہرایا اور ان کے قریب آتے ہوئے۔ پہلے ہی کی طرح ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور کہنے لگے:

اب آپ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔

عبدالالہ نے اس طرح جیسے وہ کوئی بڑے راز کی بات کہہ رہے تھے۔ قاضی القضاۃ سے پوچھا:

کیا بادشاہ المنذر کا یہ گمان صحیح ہے کہ میرے شفیق آقا اور شہزادی ہلینا میں کوئی پوشیدہ رابطہ تھا۔

قاضی القضاۃ نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے نکال دیا۔ اور اس طرح سر جھٹکا جیسے یہ سوال پوچھ کر عبدالالہ نے قاضی القضاۃ کا گریبان چاک کر دیا تھا۔ انھوں نے بڑے غصہ کے ساتھ عبدالالہ کی سمت دیکھا۔ عبدالالہ گھبرا گئے۔ آنکھیں جھکا لیں۔ قاضی القضاۃ کی گھرائی گھبرائی آواز سنائی دی:

تم نے یہ سوال پوچھ کر۔ عبدالالہ! اپنے مرحوم آقا کی روح کی تذلیل کی ہے۔ ان کی آواز بلند ہو گئی:

تمھارے آقا کے لئے شہزادی ہلینا، ایک ہولناک تقدیس سے عبارت تھی وہ اسے صحیفہ آسمانی اتنا محترم جانتے تھے۔ انھوں نے اپنے اقتدار کو ادبار میں بدلنا پسند کر لیا لیکن شہزادی ہلینا اور اپنے تعلق کے متعلق ایک بادشاہ المنذر کی زبان سے ایک بات بھی سننا پسند نہیں کی۔ میں اس محفل میں موجود تھا

جب تمھارے آقا نے بادشاہ المنذر کی زبان سے اس مفہوم کا سوال سُن کر ان کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔

عبدالالہ نے اپنے بوڑھے پاؤں سے قالین کے اُبھرے ہوئے پھولوں کو بہت زور سے دباتے ہوئے معذرت کی:

میں بہت شرمندہ ہوں۔ قاضی القضاۃ۔

قاضی القضاۃ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور سر جھٹکتے ہوئے کہنے لگے:

یہ مجھ سے معذرت کرنے کی بات نہیں ہے عبدالالہ۔ تمھیں اس سوال پر اپنے آقا کی روح سے تنہائی میں معافی چاہنا ہوگی۔

ان کی آواز میں رعشہ پیدا ہوا۔ لیکن انھوں نے بات جاری رکھی:

اور یہ عورت بھی جس کا نام شہزادی ہلیبا تھا اور جو ریاست نبرہ کی سب سے اونچی شہزادی تھی۔ عیسائی ہونے کے باوجود شرافت و نجابت کا پیکر تھی۔ حالانکہ تمھارا آقا اسے نبرہ کے پایہ تخت سے خون کے دریا بہانے کے بعد اغوا کر کے لایا تھا۔ حالانکہ تمھارے آقا نے اسے اس کے ماں باپ سے جبراً چھینا اور اسے اس کے وطن سے نکالا۔ اس کی شہزادگی کو غلامی میں بدلا لیکن اس نے تمھارے آقا کو ہمیشہ معبودوں ایسی عقیدت کے قابل جانا۔ عبدالالہ نے انتہائی حیرت کے ساتھ ان کی بات کاٹ لی:

اگر یہ بات تھی قاضی القضاۃ۔ تو پھر وہ شاہی محل میں کیسے پہنچ گئیں اور انھوں نے بادشاہ المنذر کے بھائی المشرف کی بیٹی کیسے جنم دی۔ آپ

کے بیان کا یہ تضاد میری سمجھ سے بالا ہے۔

قاضی القضاۃ نے بہت زور سے پاؤں بجائے اور چیخے:

عبداللہ!

عبداللہ نے اپنی نگاہیں ایک بار اور جھکا لیں۔ قاضی القضاۃ بڑبڑائے:

بڑے افسوس کی بات ہے۔ عبداللہ تم نے ابھی معذرت کی تھی، ابھی ایک اور مہمل سوال پوچھ ڈالا ہے۔

ان کی آواز پہ داروغہ عدالت کی آواز بڑھ گئی:

خانقاہ کا نائب راہب حاضر ہوا ہے۔ عالی جاہ وہ خبر لایا ہے کہ مولا حسین کا جنازہ تیار ہے۔ اور اعلیٰ حضرت مولا حسن منتظر ہیں کہ آپ تشریف لائیں تو نماز جنازہ پڑھی جائے۔

ان دونوں میں پھر کوئی بات نہیں ہوئی۔ دونوں ہم نے ہم سے پہلے باہر آئے اور خانقاہ کی راہ لی۔

خانقاہ میں اسوقت کچھ عجیب ہجوم تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سارا سرقسطہ خانقاہ میں آن جمع ہوا ہے۔ خانقاہ کے بیرونی باغیچوں اور صحنوں میں تل دھرنے کی جگہ باقی نہیں رہی تھی۔ ان دونوں کو اپنی سواری باہر ہی روک دینی پڑی۔ دونوں ساتھ ساتھ چلتے جب عوامی صفوں کے اندر سے گزرے تو ہر طرف سے ایک ہی آواز آئی۔

اگر آپ نے وزیر اعلیٰ کے خلاف مقدمہ نہیں چلایا تو عالی جاہ ہم انکی حویلی میں آگ لگا دیں گے۔ اور ان کے بچوں اور عورتوں تک کو جلا دیں گے۔

جب عوامی صفیں بار بار یہ مطالبہ کر رہی تھیں۔ خانقاہ کو شہر سے ملاتی

دونوں سمت کی سڑکوں پر کھڑی شاہی فوج اس طرح پیچھے کو سمٹ رہی تھی جیسے یہ عوامی صفیں وزیر اعلیٰ کے خلاف احتجاج نہیں کر رہیں۔ اس سے انتقام لینے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔

قاضی القضاۃ یہ مطالبہ بار بار سنتے جب پہلی صف کے سامنے پہنچے جو سرقسطہ کے قاضیوں پر مشتمل تھی۔ تو نائب قاضی القضاۃ عمران نے آگے بڑھ کر ان کی راہ روک لی اور اصرار کیا:

پہلے اس سے کہ آپ نماز جنازہ پڑھائیں آپ کو قاتل کی گرفتاری کا فرمان جاری کرنا ہوگا۔

ان کی آواز پر مولا حسن کی آواز چڑھ گئی:

یہ شرط عائد نہیں کرو عمران انھیں نماز پڑھا لینے دو۔

عمران پیچھے ہٹ گئے۔ قاضی القضاۃ تابوتِ جنازہ کے پاس آئے۔ سرہانے کے قریب دو زانو ہوئے، کفن کھولا، مولا حسین کی پیشانی چومی۔

اور ان کی کانپتی آواز سنائی دی:

بہ خدا تم۔ مجھے زندگی میں جتنے عزیز تھے۔ اتنے ہی موت کے بعد بھی عزیز ہو۔ میں تمھارے قاتل کو سزا دیتے وقت کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی نہیں ڈروں گا۔

انھوں نے یہ بات کہہ کر مولا حسین کی پیشانی ایک بار اور چومی۔ چہرہ ڈھانپا، اوپر کو اٹھے اور نماز جنازہ پڑھانے لگے۔

ادھر نماز پڑھی جا رہی تھی ادھر وزیر اعلیٰ داؤد کی حویلی سے کتنی ہی بند گاڑیاں کئی سو مسلح سواروں کی حفاظت میں ماہر کی طرف دوڑیں۔

باب ۷

غصیلے بادشاہ المنذر نے بجلی ایسی تیزی سے اپنی بھتیجی اور متبنّیٰ شہزادی ذہبہ کا گریبان اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرش پر پاؤں مارتا ہوا چیخا:

بد بخت لڑکی اگر تو نے اپنے دل کا رُخ نہیں پلٹا تو ہم تمھارے جسم سے تمھاری روح کا رشتہ منقطع کر دیں گے۔

شہزادی ذہبہ نے اپنی لال لال سرخ آنکھیں تایا ابا کے چہرہ پر اُٹھا دیں اور بالکل اس طرح جیسے وہ اس کا تایا ابا نہیں تھا۔ کوئی دشمن تھا۔ اس سے کہنے لگی:

میرے جسم اور میری روح کا رشتہ تو آپ نے تایا ابا۔ عبد العلی کے باپ کو مروا کر پہلے ہی سے کاٹ دیا ہے۔

بادشاہ المنذر نے اسے بڑے زور سے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر آگے کو دھکیلتے ہوئے، ثمینہ کو پکارا:

ثمینہ! اس بد بخت لڑکی کو سمجھا دو۔ ہمارے رقیب کے بیٹے کا نام

زبان پر نہیں لائے، ورنہ ہم اس کی زبان کاٹ لینے پر مجبور ہو جائیں گے
آگے کو گرتی دروازہ کا سہارا لیتی شہزادی ذہبہ نے اپنا روتا منہ
تایا ابا کی طرف پھیر لیا۔ اور بڑے ہی باغیانہ انداز میں بڑبڑائی؛

اگر وہ آپ کے رقیب کا بیٹا تھا تایا ابا تو آپ نے پندرہ برس
سے برابر یہ بات کیوں فراموش کیئے رکھی۔ مجھے اس سے اور اُسے مجھ سے
کیوں ملنے کی اجازت دی مجھے خانقاہ جانے سے کیوں نہیں روکا اس پر
شاہی محل کے دروازے کیوں بند نہیں کئے۔

وہ سسکیاں لینے لگی اور سسکیاں لیتے لیتے بات جاری رکھی:

آپ نے اپنی اس رقابت کا ذکر تک تایا ابا آج سے پہلے کبھی ہم سے
نہیں کیا تھا۔ پھر ہم یہ کیسے جان لیتیں کہ وہ آپ کے رقیب کا بیٹا ہے۔
وہ آگے بڑھ آئی۔ تایا ابا کی آنکھوں میں جھانکا اور بات جاری رکھی۔

دس سال پہلے۔ جب امی۔ یہاں سے رخصت ہوئی تھیں اور میں ان
کی جدائی میں رو رہی تھی۔ تو یہ آپ ہی رضیہ۔ فوزیہ اور عبدالعلی کو میرے
پاس لائے تھے۔ اور مجھے ان کے ذریعے غم غلط کرنے کی تلقین کی تھی وہ آگے
بڑھتی تایا ابا تک پہنچ گئی۔ اور روتی ہوئی آواز میں پوچھا؛

مجھ سے کہیئے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ کیا آپ نے عبدالعلی کو آگے
نہیں بڑھایا تھا۔

تایا ابا بالکل متاثر نہیں ہوئے۔ پہلے ہی سے انداز میں چیخے:

لڑکی۔ تو مجھ سے جرح کر رہی ہے اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر تیری

زبان پر اس منحوس کا نام آیا تو میں سچ مچ تیری زبان کاٹ لوں گا۔

روتی ذہبہ نے۔ اپنی زبان کھول دی اور رکوع کے بل جھکتی ہوئی بولی:

تو پھر یہ زبان کاٹ لیجیے۔ لیکن اسے منحوس نہیں کہئے وہ منحوس نہیں ہے۔

اس کی آواز پر ثمینہ کی آواز چڑھ گئی:

یقیناً عالی جاہ۔ عبدالعلی منحوس نہیں ہے۔ وہ جس دن پیدا ہوا تھا۔ اس دن اس کے بابا نے آپ کے سب سے بڑے دشمن بادشاہ ارغونہ کو ہولناک شکست دی تھی اور آپ نے اس کی غیر موجودگی میں سرقسطہ کے ہر گھر میں گھی کے چراغ جلانے کا حکم جاری کیا تھا۔ اگر وہ منحوس ہوتا تو آپ یہ حکم جاری نہیں فرماتے۔

بادشاہ نے بہت زور سے پاؤں بجائے اور گرجا:

بد بخت ثمینہ!

اور اس ثمینہ نے جو بادشاہ المنذر کے حضور خاصی گستاخ تھی سر نیچے کو جھکا کر اس سے بھی عجیب بات کہہ دی:۔

میں یقیناً بد بخت ہوں آقا کہ یہ منحوس حادثہ دیکھنے کے لئے زندہ رہ گئی۔ اور مالکن کے ساتھ نہ ہیں چلی گئی۔

وہ بری طرح سسکیاں بھرنے لگی اور سسکیاں بھرتے بھرتے بادشاہ کی طرف دیکھا:

اگر آپ اتنے ہی حوصلہ مند اور جری تھے تو آپ نے اپنے رقیب کو اس وقت کیوں نہ ڈالا جب شہزادی ہلینا یہاں تھیں۔

بادشاہ المنذر نے ایک دم تلوار میان سے نکال لی۔ شہزادی ذہبہ بجلی ایسی تیزی سے اچھل کر ثمینہ اور بادشاہ میں حائل ہوگئی۔

مگر یہ ثمینہ نہ جانے کیا شئے تھی۔ بادشاہ کی ننگی تلوار سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئی۔ اور پہلے ہی سے انداز میں بڑبڑائی :

جب تک شہزادی ہلینا یہاں تھیں اس وقت تک تو آپ اپنے اس رقیب کو ہر رات یہاں مدعو کرتے اور اس کی موجودگی میں شہزادی ہلینا سے بربط سننے میں بڑی لذت پاتے تھے۔ شائد اس لئے کہ شہزادی ہلینا کو آپ کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں تھا اور آپ اپنے رقیب کا سہارا لینے پر مجبور تھے۔

غصہ سے کانپتے ہوئے بادشاہ کے ہاتھ سے تلوار گرگئی۔ ثمینہ نے آگے بڑھ کر اس تلوار پر پاؤں رکھ دیا اور ایک تیرا دیچلایا :

یہ مولا حسین کی شرافت تھی بادشاہ سرفسطہ کہ اس نے آپ کی خاطر اپنے سینہ سے دھڑکتا دل نوچ پھینکا۔ آپ کی ہر زیادتی ہر دھوکے اور ہر فریب کو گوارا کرلیا۔

وطن کی غلامی کی ذلت تک سہ لی۔ لیکن آپ کے خلاف علم بغاوت بلند نہیں کیا۔

اس کی آواز بہت بلند ہوگئی :

اور آپ نے اسے اس کی شرافت کا بدلہ یہ بخشا ہے کہ اس پر دھوکہ سے موت مسلط کردی ہے اور وہ دس سال بعد اس وقت مسلط کی ہے۔ جبکہ اس کے ہتھیاروں کو زنگ لگ چکا تھا اور جبری نظربندی نے اس کی کمر دہری کر

دی تھی۔

اس کی آواز پر ولی عہد یحییٰ المنظہر کی گھرائی گھرائی آواز چڑھ گئی:

شاہ بابا! قاضی القضاۃ ابوالعباس اور ان کے نائب قاضی عمران شاہی جھروکہ تک تشریف لے آئے ہیں۔ وہ فوری حاضری کے طالب ہیں۔

بادشاہ نے سر کو بہت زور سے جھٹکا اور ولی عہد کے سے انداز میں ہانک لگائی:

پہلے تم اندر بڑھ آؤ۔ ثمینہ اور ذہبہ کو۔ ان کی خواب گاہوں میں نظر بند کردو۔

ولی عہد دروازہ کے اندر داخل ہو گیا۔ ذہبہ کو بھی دیکھا اور ثمینہ کو بھی۔ ایک حرف شکایت کا زبان پر نہیں لایا۔ ایک ہاتھ میں روتی ذہبہ کا ہاتھ پکڑا۔ دوسرے میں ثمینہ کو تھاما۔ اور انھیں عقبی دروازہ سے نکال لے گیا۔ بادشاہ المنذر کی آواز گونجی:

حاجب! حضرت قاضی القضاۃ کو اندر لے آؤ۔

حضرت قاضی القضاۃ ابوالعباس اور ان کے نائب عمران اندر تشریف لائے تو چالاک بادشاہ نے بڑی ہی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا۔

دونوں کے ہاتھ بیک وقت اپنے بوڑھے ہاتھوں میں تھام لئے اور انھیں مسند شاہی پر بٹھاتے ہوئے پوچھا:

سرقسطہ میں عدل وانصاف کے ان پاسبانوں نے اس وقت تشریف لانے کی ضرورت کیوں سمجھی ہے۔

قاضی القضاۃ ابوالعباس نے آنے کی غرض بیان کی:

میں نے وہ جگہ ملاحظہ کی ہے۔ جہاں مقتول مولا حسین کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ گھوڑے سے اچھل کر قریبی کھڈ میں گرے۔

میں نے یہ کھڈ بھی دیکھا ہے۔ یہ وزیراعلیٰ کی حویلی سے صرف چند گز کے فاصلہ پر ہے۔ یہ رات ہی رات میں کھدا ہے۔

بادشاہ نے ان کی بات کاٹ لی:

آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ قاضی القضاۃ۔ یہ راستہ تو کئی دن سے کھد رہا تھا۔ ہم نے خود یہ جگہ ملاحظہ کی ہے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مولا حسین کی موت محض حادثتاً وقوع میں آئی ہے اور اس کا الزام کسی پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔

قاضی القضاۃ ابوالعباس ایک دم اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور خاصے تحکم کے ساتھ بولے:۔

مگر ہمیں آپ کی رائے سے قطعتاً اتفاق نہیں۔ اور نہ ہمارا طریق انصاف آپ کی رائے کا پابند ہے۔ ہم تو آپ کے پاس صرف اس لئے آئے تھے کہ ہمیں خبر ملی تھی کہ مبینہ قاتل داؤد۔ اپنی محل سرا سے فرار اختیار کر کے آپ کے ہاں پناہ گزیں ہوئے ہیں۔

بادشاہ مسکرایا۔ آگے بڑھا قاضی القضاۃ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اگر یہ بات ہے حضرت قاضی القضاۃ۔ تو ہم آپ کو حق دیتے ہیں کہ محل سرا کی تلاشی لے لیجئے۔

یہ کہہ کر انھیں آگے بڑھاتا۔ ایک ایک کمرے ایک ایک حجرو کے اور غلام گردشوں سے گزارتا۔ تہ خانے کے دروازے تک لے آیا۔ اور ساتھ ساتھ چلتے داروغہ محل سے کہنے لگا:

اب تم قاضی القضاۃ کا ساتھ دو۔ اور انہیں یہ تہ خانہ بھی دکھا دو۔ تاکہ ان کی تفتیش مکمل ہو جائے۔

داروغہ محل نے بادشاہ کی جگہ لے لی اور حضرت قاضی القضاۃ اور نائب عمران کو تہ خانہ کی سیڑھیاں اتار نے لگا اور ابھی وہ صرف چند سیڑھیاں ہی طے کر پائے تھے کہ تہ خانے کا دروازہ پوری قوت سے بجا اور اس کے قریب کھڑے بادشاہ المنذر نے بہت زور کا قہقہہ مارا۔ اور ان کے قہقہے کی آواز پورے محل میں گونج اٹھی۔

⁂

باب ۸

شہزادی ہلینا نے اپنے خوبصورت سنہرے بالوں والے سر کو کئی بار جھٹکا اور بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی :

تم نے فرڈیننڈ یہ بات مجھ سے پوچھ کر اگر میرا ماضی مجھے یاد دلانا چاہا ہے تو تم نے اچھا نہیں کیا۔

اس نے اپنی نیلی نیلی آنکھیں اوپر کو اٹھا لیں اور دور فضا میں گھورنے لگی۔

شاہ فرڈیننڈ نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ کسی قدر مسکرایا اور سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے سرگوشی کے ساتھ انداز میں کہنے لگا :

میں نے اس اچھے اور برے کی بحث کے لئے تمہیں یہاں طلب نہیں کیا۔ میں نے تو جاننا چاہا تھا کہ تم اپنے مرحوم مسلمان شوہر کی جس بچی کو دس سال ہوئے سرقسطہ چھوڑ آئی تھیں۔ کیا تم اسے یہاں لانا چاہو گی۔

شہزادی ہلینا نے اپنا منہ ایک دم اس کی سمت کر لیا۔ اور بڑے غصہ

کے ساتھ چیخی :
فرونند تم نے آج سے پہلے مجھ سے کبھی یہ سوال کیوں نہیں کیا۔
فرونند قہقہہ مار کر ہنسا۔ اور جواب دیا :
آج سے پہلے۔ میں اس بات کا منتظر رہا۔ کہ میری فوجیں کس طرح سرقسطہ کے مرغزاروں کو روند سکیں۔ اور میں تیری بیٹی۔ سرقسطہ کے مسلمان تاجدار سے اسی طرح چھین لاؤں جس طرح بیس برس پہلے سرقسطہ کا بدبخت مولا حسین تمھیں میرے باپ سے چھین لے گیا تھا۔
اس کی آنکھوں میں اس لمحہ جو آگ دہکنے لگی تھی۔ اس سے بوڑھا وزیر اعلیٰ بری طرح سہم گیا اور اپنے بیٹے کی سمت ڈری ڈری سہمی سہمی نگاہ اچھالا پہلے سے زیادہ جھکا اور سیاست کی زبان استعمال کی :-
لیکن عالی جاہ۔ آپ یہ کیوں چاہتے ہیں جبکہ میرا بادشاہ آپکا باج گزار ہے اور آپ کے خزانہ میں ہر سال ایک لاکھ اشرفی داخل کر رہا ہے۔
فرونند نے بہت زور کا قہقہہ مارا۔ اور بہن کی چھاتی قریب قریب کوٹتا ہوا چیخا :
یہی بات تو میرے راستہ میں برابر دس سال سے حائل رہی ہے۔ ورنہ میں نے اس محل سرا کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہوتی۔ جہاں میری عیسائی بہن نے ایک مسلمان شہزادے کی بچی جنی۔
اس نے بہن کا گریبان قریب قریب نوچ ڈالا اور اسے سامنے پیچھے کو دھکیلتے ہوئے شاہی جھروکے کے قریب لے آیا اور ایک فرعون کے سے

انداز میں شاہی جھروکہ کی جالی سے منہ لگا کر گرینڈ ڈیوک اریلہ کو آواز دی:
گرینڈ ڈیوک اریلہ ۔ اپنی سپہ کو خبردار کر دو۔ ہم بذاتِ خود اس کی قیادت کریں گے اور ہمارا پرچم آج سورج غروب ہونے سے پہلے سرقسطہ کی سرحد تک رسائی پالے گا۔
اس کی آواز پر نوجوان وزیر زادے سلیمان کی آواز چڑھ گئی:
اگر آپ کے یہ ارادے ہمیں پہلے معلوم ہوتے عالی جاہ تو ہم آپ کے پاس کبھی نہیں آتے۔
بوڑھے وزیر اعلیٰ نے اپنے بیٹے کا ہاتھ بڑی سختی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اسے قریب اپنے پیچھے رکھتے ہوئے معذرت کی:
بادشاہ فردنند۔ میرا یہ بیٹا بڑا کم عقل ہے۔
بادشاہ نے زور کا قہقہہ مارا۔ اور بہن کے گریبان میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے بوڑھے وزیر اعلیٰ کے قریب کھینچ لایا۔
اور میری یہ بہن بھی اسی کی طرح کم عقل تھی جس نے اپنی جوانی کے پورے دس سال تم کافروں میں گزار دیئے اور میرے سیاہ بالوں میں آدھی سفیدی لے آئی۔
اس نے سنگِ مرمر کی پیشانی پر اپنے پاؤں بہت زور سے مارے سیاہ فام حاجب نے دروازے سے اس سمت جھانکا۔ فردنند کی آواز گونجی:
اس احمق نوجوان کو، اپنی حراست میں لے لو۔ جیکب اور اس

کے بوڑھے باپ کو۔ بڑے احترام کے ساتھ گرینڈ ڈیوک تک بڑھالیجاؤ۔
بوڑھے وزیراعلیٰ کی کانپتی آواز سنائی دی۔
عالی جاہ۔ میرے اس بچے کو معاف فرما دیجئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ اس کی ہم رکابی آپ کے لئے بڑی سود مند ہو گی۔
یہ ولی عہد کا حریف اور باغی عبدالعلی کا بڑا سخت مخالف ہے۔
اسے یہی بات یہاں تک لے آئی ہے۔
سلیمان چیخا :۔
آپ جھوٹ کہہ رہے ہیں بابا۔ میں اس لئے یہاں نہیں آیا تھا۔ مجھے تو شہزادی نے اپنی ماں کی خدمت میں۔
بوڑھے نے ایک دم اس کے منہ پہ ہاتھ رکھدیا اور اس کا منہ بند کردیا۔
فرزند نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ سلیمان پہ اچھالی اور کسی قدر لہجہ بدلتے ہوئے اپنے حکم میں ترمیم کی۔
حبیب! اس نوجوان کو بھی وہی احترام دو جو اس کے بوڑھے باپ کی لئے زیبا ہے۔
لیکن احتیاطاً اس کے ہاتھ میں وہ سنہری کنگن ضرور پہنا دو۔ جسے ہم نے پچھلے سال یوم پیدائش مسیح پر اپنی اس بہن کے ہاتھ سے اتارا تھا۔
اس نے اپنی بہن کا گریبان ایک بار پھر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے قریب قریب گھسیٹتا ہوا اپنی خواب گاہ میں لے آیا اور بڑے غصہ کے

اپنی بیوی کے سپرد کرتا ہوا بولا:

اسے فوجی لباس پہنا دو اور اچھی طرح سمجھا دو کہ ہمارے سفر سرقسطہ کا مقصد اس کی بیٹی کو یہاں تک لانے کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

ملکہ عالیہ نے اپنے خوبصورت سر کو اس طرح جھٹکا۔ جیسے وہ کچھ نہیں سمجھی تھی۔ اور بڑی محبت کے ساتھ اپنی نند کے الجھے الجھے بالوں میں انگلیاں لہراتے ہوئے شوہر نامدار کی طرف دیکھا اور کہنے لگی:

مگر آپ نے تو ان کی ساری پچھلی خطائیں معاف کر دی تھیں۔ آج یہ اچانک آپ پر پچھلی دلیا نگی کیسے مسلط ہو گئی۔ اور دس سال پہلے کی تلخی نے آپ کے ذہن پر کس طرح قابو پا لیا۔

شاہ فرونند نے اپنی اس خوبصورت بیوی کے چہرہ پر بڑے سخت غصہ کی نگاہ ڈالی۔ پاؤں فرش پر بجائے اور انتہائی تلخی کے ساتھ اس کی بات کاٹ لی:

میں اس تلخی کو اس وقت تک بھول نہیں سکوں گا جب تک سرقسطہ کے شاہی خاندان سے اپنی بے حرمتی کا انتقام نہیں لے لوں گا۔

شہزادی ہلینا نے اپنے آپ کو بھاوج سے الگ کر لیا اور بھائی ہی کی سی تلخی کے ساتھ چیخی:

اگر آپ ایسے ہی منتقم مزاج تھے تو آپ نے یہ انتقام پہلے کیوں نہیں لیا؟

بادشاہ فرونند نے قصاب کے سے انداز میں اپنا دایاں پنجہ بہن

کی سنہری زلفوں میں الجھا دیا اور اسے بڑی سختی کے ساتھ جھنجھوڑتا ہوا گرجا:

بدبخت میں دس سال پہلے جب اپنی پوری سپاہ کے ساتھ سرقسطہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ یہ انتقام لے لینے کو تھا۔ لیکن تو مجھ میں اور کافرشاہی خاندان میں حائل ہو گئی تھی۔

شہزادی ہلیتا نے اپنے بال بھائی کے پنجے سے نکالے بغیر اس کی بات کاٹ لی:

زیادہ اترا یئے نہیں شاہ بھائی۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ عورت میں تھی جو اس وقت آپ اور اپنے شوہر کے خاندان میں وسیلہ بنی تھی۔ جب آپ کی آدھی فوجیں مولاحسین کے آگے بھاگتی دریائے ابرہ کا پہلا پل عبور کر گئی تھیں۔

بھائی نے پہلے سے زیادہ غصّہ کے ساتھ بہن کے بال نوچ لئے۔ بیوی نے اس کا ہاتھ پوری قوت سے پکڑ لیا اور خوبصورت آنکھیں لال سُرخ کئے شوہر پر برس پڑی۔

دس سال پہلے کی ہڈیاں چچوڑنے سے آپ کے دانتوں کو کچھ لذت میسّر نہیں آئے گی۔ یوں آپ نے خود مجھ سے کئی بار اعتراف کیا ہے کہ اس وقت جب شہزادی بہن نے اپنی ذہانت استعمال کی تھی آپ کی آدھی صفیں منتشر ہو چکی تھیں۔

اس نے شوہر کے بازو پر تھاپ دی اور بات جاری رکھی:

آپ کا یہ بازو بھی تو اس وقت بری طرح مجروح ہو چکا تھا۔
فرزندہ نے بیوی کی آنکھوں میں اور بیوی نے شوہر کی آنکھوں میں جھانکا۔ اور بات جاری رکھی:
آپ کا حافظہ بہت سخت کمزور ہے۔ مگر میں آپ کے بار بار اظہار اعتراف کو بالکل نہیں بھولی آپ نے میری اوڑھنی تھام کر بار ہا قسم کھائی ہے کہ جب آپ کا قلب اُلٹا جانے کو تھا۔ شہزادی بہن پاک ماں کے سے انداز میں یکایک نمودار ہو گئی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں سفید جھنڈی تھی اور یہ جھنڈی انہوں نے محض اس لئے لہرائی تھی کہ آپ کو گھوڑے سے گرتے دیکھ چکی تھیں۔
فرزندہ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے اپنا پنجہ بہن کی زلفوں سے نکال لیا۔ مگر بہن نے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ البتہ اس کی لانبی لانبی شیریں آنکھیں آنسو ٹپکانے لگی تھیں۔ اس کی بہتی آنکھوں پہ ملکہ درجلینا کی نگاہ شائد اٹھ گئی تھی کہ اس کی آواز پہلے سے زیادہ تلخ ہو گئی۔
مجھے آپ کے اقتدار کی قسم۔ مجھے یقین ہے کہ اگر شہزادی بہن اس لمحہ فرشتہ رحمت بن کر میدانِ جنگ میں نہ اترتیں اور مسلمان سپہ سالار اعلیٰ الحسین اسے پہچان کر تیر اندازی بند نہیں کرتا تو آپ کا یہ ہاتھ اس وقت شہزادی بہن کے بالوں میں الجھ نہ سکتا۔
اس کی آواز گہری ہو گئی:
نہ میں آپ کی دلھن بنتی اور نہ آپ میرے چہرہ پہ اپنی نیلی نیلی گہری

گہری خوبصورت آنکھیں اُٹھا سکتے۔

اس نے بازو پھیلا کر روتی نند کو اپنے بازوؤں میں کھینچ لیا اور اس کی پیشانی چومتی ہوئی بڑبڑائی:

پاک ماں کی قسم شہزادی بہن! میں مرتے دم تک آپ کا یہ احسان کبھی بھول نہیں سکوں گی۔ آپ نے اس دن نہ صرف میرے ہونے والے شوہر کو موت کے ظالم پنجے سے چھڑا لیا تھا۔ ملّتِ نبرہ کے حصہ میں جو شکست آنے والی تھی اسے ایک طرح کی فتح میں بدل ڈالا۔ اپنے اثر و رسوخ اور چرب زبانی سے کام لے کر اپنے شوہر کے بڑے بھائی کو نبرہ کی باج گزاری کی ذلت بخش دی۔

فرونندہ شاید اس گفتگو سے بے حد شرمندہ ہوا تھا کہ وہ بیوی اور بہن کے چہروں پر نگاہ اٹھانے کا حوصلہ نہیں کر سکا اور ہولے ہولے پاؤں اٹھاتا دروازے میں جا پہنچا۔ بیوی کی آواز نے اسے دروازہ پار کرنے سے روک لیا۔ وہ منہ ادھر کئے کہہ رہی تھی:۔

اگر آپ دس سال پہلے کی تلخ روئداد دہرانا نہیں چاہتے تو سرقسطہ کا سفر ملتوی کر دیجئے۔ اور اس معاہدہ کو نہیں توڑیئے جو کافر بادشاہ سرقسطہ اور آپ میں ہوا تھا۔

فرونندہ نے پوری قوت سے اپنے دونوں پاؤں سنگِ مرمر کی دہلیز پر پٹخے اور فرعونوں کے سے انداز میں بولا:

میں نے ریاست کے معاملات میں درجلینا تمھیں کبھی دخیل ہونے نہیں دیا۔ آج بھی تمھیں یہ عزت بخش نہیں سکوں گا۔

یہ میری اپنی مصلحتیں ہیں۔ تمھیں صرف میرے حکم کی اطاعت کرنا ہوگی اور چند گھڑیوں کے اندر اندر اسلحہ سے سج کر مجھ سے چھاؤنی میں آن ملنا ہوگا۔
اس کی آواز بہت بلند ہوگئی۔
حکم عدولی کے معنی تمھیں خوب معلوم ہیں۔
وہ پاؤں پٹختا دہلیز پار کر گیا اور اس کے بوجھل وزنی پاؤں کی چاپ ہتھوڑوں کی طرح اس ننھے بھاوج کے نازک نازک دلوں پر برسنے لگی۔
دونوں نے ایک دوسری کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر آپ ہی آپ جیسے بے جان مشین سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ نازک لباس بدل ڈالے۔ سپاہیوں ایسے آہنی جامے زیب بدن کر لئے اور ابھی آہنی ٹوپیاں نہیں پہنی تھیں کہ شاہی محل کا گجر بہت زور زور سے بجنے لگا۔ یہ بادشاہ کی روانگی کی خبر دے رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسری کی طرف دیکھے بغیر ٹوپیاں ہاتھوں میں لے کر نیچے کو دوڑیں۔ ولی عہد شہزادی میریہ اپنے باپ کے سہارے گھوڑے پر سوار ہو رہی تھی۔ فردننڈ نے اپنی نگاہ گھمائی وحشیوں کے سے انداز میں اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر لدا اور ان کا انتظار کئے بغیر گھوڑا اسرپٹ آگے کو دوڑا لیا۔
گرینڈ ڈیوک اریول نے ان کے گھوڑے ان کی سمت بڑھائے۔ باری باری اپنا کندھا پیش کیا، پہلے ملکہ عالیہ کو سوار کرایا۔ پھر شہزادی کو۔ نہ جانے کیسے اس کے کندھے کے سہارے سوار ہوتی شہزادی ہلینا کی آنسو بہاتی آنکھیں اس کی آنکھوں سے بھڑ گئیں۔ ڈیوک نے بری طرح کانپ کر شہزادی

کی رکاب پکڑلی اور بہت ہولے سے سرگوشی کی :

اگر آپ ساتھ جانا نہیں چاہ رہیں تو لوٹ جایئے۔ میں اپنے آپ کو اعلیٰ حضرت کے غصہ کا نشانہ بنالوں گا۔ میری بوٹی بوٹی نچ جائے میں یہ برداشت کرلوں گا۔ لیکن آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکیں یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔

شہزادی نے اپنی رکاب اس کے ہاتھ سے نکال لی اور اس کی بجائے بھاوج سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگی :۔

اعلیٰ حضرت اور شہزادی ولی عہد کافی آگے بڑھ گئے ہیں۔ ہمیں ان کے ساتھ مل جانا چاہیئے۔

اور ڈیوک کی طرف دیکھے بغیر باگیں کچھ اس زور سے کھینچ لیں کہ ڈیوک قریب قریب گر پڑنے کو تھا۔

⁂

باب ۹

عبدالعلی جب دریا کی تند و تیز موجوں کی طرح بل کھاتی سپاہ کی قیادت کرتا، شاہی جھروکے سے قریب آیا تو گو شاہی جھروکے سے تیر مینہ کی طرح برس رہے تھے۔ لیکن اس نے اپنے کسی سپاہی کو جوابی تیراندازی کی اجازت نہیں دی۔ اور بڑی تعلّی کے ساتھ اپنا سر اونچا کرتے ہوئے بوڑھے بادشاہ کو پکارا:

اب مدافعت فضول ہے عالی جاہ۔ آپ کی ساری کی ساری سپاہ میرے ساتھ مل گئی ہے اور میں نے قاضی القضاۃ ابوالعباس۔ قاضی عمران اور دلی عہد المظہر کو رہائی دیدی ہے۔

بوڑھے بادشاہ کے ہاتھ گو اس اعلان سے کانپنے لگے تھے۔ لیکن اس نے اپنا پاؤں بوجھل کمان سے نہیں ہٹایا۔ اور اپنے گرد پھیلے غلاموں اور باندیوں کو کمانیں ہاتھوں سے پھینکنے کا حکم نہیں دیا۔

عبدالعلی کی آواز ایک بار اور گونجی:

اگر میں منتقم مزاج ہوتا تو آپ کے اس جھروکے میں آگ لگا دیتا۔ جہاں آپ اس وقت تشریف فرما ہیں اور جہاں آپ کے غلاموں کی ایک گستاخ ٹولی میرے سپاہیوں پر اندھا دھند تیراندازی کر رہی ہے اور میرے کئی سپاہی بلا وجہ ہلاک ہو گئے ہیں۔ ان کے ہاتھوں سے کمانیں چھین لیجئے۔ میں ان سب کو معافی دے دوں گا۔ اور آپ سے بھی ایک حرف شکایت کا نہیں کہوں گا کہ آپ ولی عہد المنظہر کے شاہ بابا ہیں۔ اور ولی عہد المنظہر ہمارے بچپن اور جوانی کا رفیق ہے۔

شاہ بابا نے شاہی جھروکے کی جالی میں سے اس عبدالعلی پر نگاہ اُچھالی جو سمندر کی سی تند و تیز موجوں کے حصار میں کھڑا۔ انہیں پکار رہا تھا۔ اس کی آنکھیں لال سرخ تھیں ایسا محسوس ہوا جیسے وقت کا کارواں بہت تیزی سے پیچھے کو بھاگتا۔ پچیس سال کی منزلیں ایک سانس میں طے کر گیا ہے۔ اور بالکل اسی کے سے انداز میں مولا حسین گھوڑے کی باگیں کھینچے ان کے جھروکے کے نیچے رکا۔ ان کو پکار رہا ہے اور ان سے کہہ رہا ہے مجھ سے مقابلہ فضول ہے المنذر میرے ساتھ تمہاری ساری سپاہ مل گئی ہے۔

انھوں نے اپنا سر بری طرح جھٹکا۔ دائیں پاؤں پر اپنے جسم کا سارا دباؤ ڈال دیا۔ چلے پر چڑھا تیر ہوا کی طرح اڑا اور عبدالعلی کے ہاتھ میں پکڑا جھنڈا۔ بری طرح کپکپا گیا کہ لو جھل تیر اس کی دائیں مٹھی میں آن چبھا تھا ساری کی ساری عوامی فوجیں بجلی کی سی رفتار سے دہل گئی تھیں۔ تیر اندازوں نے تیر چلوں پر چڑھا لئے تھے۔ عبدالعلی نے بڑے غصہ کے ساتھ

سر گھمایا اور چیخا :

خبردار اگر کوئی کمان کھینچی اور کوئی چلّا دیا۔ اعلیٰ حضرت المنذر سے اس وقت کی لڑائی۔ صرف ہماری ذاتی لڑائی ہے۔ اور ہم یہ نہیں پسند کریں گے کہ آنے والی مسلمان نسلیں ہمیں الزام دیں کہ ہم نے بوڑھے بادشاہ سے اپنے مقتول باپ اور تایا آبا کا انتقام اس وقت لیا جب کہ اس کا جھروکہ ہمارے محاصرہ میں تھا۔ اور جبکہ اس کے ساتھ صرف چند غلام اور چند باندیاں رہ گئی تھیں۔

اس کی آواز پر ولی عہد کی کپکپاتی آواز چڑھ گئی :۔

ہمارے بچپن اور جوانی کے ساتھی عبد العلی۔ ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمارے بابا کو یہ ڈھیل دی۔

ہم نے ان کے ہاتھ سے کمان چھین لی ہے۔ اور ان کے عمامہ سے ان کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں۔ ان کے سارے غلام بھی ہمارے قبضہ میں آگئے ہیں۔

یہ آواز جھروکہ میں سے آرہی تھی۔ عبد العلی نے اپنے دائیں ہاتھ میں پچھے تیر اور ہاتھ کو اپنی عبا کے اندر اس طرح چھپا لیا جیسے کوڑھ چھپا رہا تھا اور پھر گردن اوپر کو اٹھا کر ولی عہد کو پکارا :

ولی عہد آپ کو ہماری محبت کی قسم۔ شاہ بابا کے ہاتھ کھول دیجئے اور ان کو اجازت بخشئے کہ وہ ہم پر جتنے تیر چاہیں آزما لیں۔ بہ خدا ہم قطعاً شاکی نہیں ہوں گے۔

ابھی وہ اپنی بات ختم نہیں کرنے پایا تھا کہ بوڑھے راہب عبداللہ

نے اپنی سواری ایک دم اس کے ساتھ ملالی اور بہت ہولے سے سرگوشی کی :
آپ کے زخمی ہاتھ سے بہتے خون نے آپ کے گھوڑے کی زین بھی رنگ دی ہے اور آپ کی عبا بھی ۔ آپ کے ہر سپاہی کی نگاہ آپ پر جمی ہے اور ان کے چہروں کے رنگ بدل رہے ہیں ۔
عبدالعلی نے نگاہ جھکائی بوڑھے عبدالالہ نے بات غلط نہیں کہی تھی ۔ عبدالعلی کے زخمی ہاتھ سے بہتے خون نے پوری کی پوری زین رنگ دی تھی ۔ اس نے اپنا یہ ہاتھ بڑی پھرتی کے ساتھ بوڑھے عبدالالہ کی سمت بڑھا دیا ۔ بوڑھے نے باگیں دانتوں میں لے لیں ۔ اور دایاں ہاتھ آگے کو پھیلا کر عبدالعلی کے ہاتھ میں چبھے وزنی تیر کو کھینچ لیا ۔ خون کا فوارہ چھوٹ نکلا اور دور دور تک پھیلے سپاہی بری طرح گھبرا گئے ان کی گھبرائی گھبرائی آنکھوں کے سامنے عبدالالہ نے عبدالعلی کے زخم میں مرہم بھری ۔ اپنے سر سے عمامہ نوچا اور اس کے ہاتھ پر لپیٹ دیا ۔
ادھر شاہی جھروکے کے اندر کھڑا ولی عہد اپنے باپ کے دونوں ہاتھوں کو آزاد کرتا ان سے کہہ رہا تھا :
گو عبدالعلی نے آپ کی خطا بخش دی ہے بابا ۔ لیکن آپ نے اس کے باپ کو مروا کر اور اس کے تایا ابا پر موت نازل کر کے اس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا اور اس کی دوستی صرف اس صورت میں حاصل کی جا سکتی ہے کہ آپ ذہبیہ کو اس سے منسوب کر دیں ۔ اور اپنا بوڑھا چہرہ جھروکے میں باہر نکال کر اس کی سپاہ کے سامنے اعلان کریں کہ آپ نے اسے شاہی خاندان میں شامل

کرلیا ہے۔ وہ آج سے آپ کا داماد ہے۔

بوڑھے المنذر نے اپنا سر بہت زور سے جھٹکا اور بیٹے کی بات کاٹ لی:

تم اگر چاہو ولی عہد تو ہمیں اس جھروکے سے اٹھا کر نیچے پھینک دو اور ہماری نعش عبدالعلی کے گھوڑے کے سموں تلے ڈال دو۔ جی چاہے تو اس کی ساری سوار سپاہ کو حکم دو کہ ہماری نعش کو روندتی چلی جائے لیکن ہم ذہبہ کو اس سے کسی طرح بھی منسوب نہیں ہونے دیں گے کہ ذہبہ کی ماں اور عبدالعلی کا باپ دونوں اپنی جوانی کے دنوں میں ایک دوسرے سے بے حد قریب تھے اور ہمیں شبہ ہے کہ ذہبہ۔

ولی عہد نے بہت زور سے پاؤں بجائے اور دیوانوں کی طرح چیخا:

آپ کی فطرت بڑی سخت منتقم مزاج ہے آپ مرے ہوئے مولا حسین کا بدلہ اس کے بیٹے سے لینا چاہ رہے ہیں۔

ہمیں یہ قطعاً گوارا نہیں ہوگا بابا۔

نیچے سے عبدالعلی کی آواز اس کی آواز پر چڑھ گئی:

عشا کا وقت ہوگیا ہے ولی عہد۔ نبرہ ریاست سے کیا ہوا معاہدہ جلدی سے ہم پر اچھال دیجئے تاکہ ہم اسے چاک کرکے فوج کو ہتھیار کھول دینے اور سستانے کی اجازت بخش دیں۔

ابھی اس کی آواز کی گونج باقی تھی کہ فضا ایک دم گرجتے شعلوں اور شراروں سے بھر گئی۔ اور ابھی عبدالعلی اور ان کے ساتھی ان گرجتے شعلوں اور شراروں کی ماہیت سے اچھی طرح آگاہ نہیں ہو پائے تھے کہ شعلے

اور شرارے ان کے سروں پر سے لہراتے اسلحہ خانوں تک رسائی پا گئے۔ اور ان کی چھتیں، شاہی محل کے برج اور جھروکے اس طرح فضا میں لہرانے لگے جیسے ہزاروں کو ہائے آتش فشاں ایک دم پھوٹ گئے ہیں۔

ہر طرف آگ ہی آگ پھیل نکلی تھی اور اس پھیلی آگ کے اندر سے راہ بناتا، جلتے برجوں، سیڑھیوں اور چھتوں پر سے پھلانگتا عبد العلی جب شاہی جھروکہ سے ملحقہ برج تک پہنچا تو شاہی جھروکہ آگ پکڑ چکا تھا اور وہ سیڑھی جل چکی تھی جو شاہی جھروکے اور باقی محل کے درمیان تنہا واسطہ تھی۔

ولی عہد المنظہر بڑی بے بسی کے ساتھ ایک ہاتھ میں بوڑھے بادشاہ اور دوسرے میں ذہبہ کو پکڑے، کبھی ایک گوشہ کی طرف بھاگتا اور کبھی دوسر گوشہ کی سمت۔ مگر چاروں طرف جلتی آگ سے گھبرا کر پھر وسط میں آن رُکتا۔

عبد العلی نے اپنی آتشیں نگاہ ان تینوں پر اچھال کر کمر سے لٹکی زنجیر کھولی اس کا پہلا کنڈا برج کے کنگورے سے لٹکایا۔ اور باقی کے حصے سے جھولا جھولتا بجلی کی سی تیزی سے شاہی جھروکہ تک لہرا گیا۔ ذہبہ اسے دیکھ کر چیخ اُٹھی۔

ابھی وہ چیخ ہی رہی تھی کہ جھولا جھولتے عبد العلی نے اپنا زخمی ہاتھ اس کے گرد حمائل کر کے اسے اپنے سینے سے یوں چپکا لیا جیسے باپ بیٹے کے سامنے ذہبہ کو اپنے سینے سے چپکا کر آگ میں کود پڑنے کو تھا۔

مگر وہ آگ میں کودا نہیں۔ ایک ماہر مداری کے سے انداز میں

پیچھے کو جھولتا اس برج میں جا پہنچا جس سے آیا تھا۔ اس نے ذہبہ کو گیند کی طرح آگے کو اچھالا، اور خود پہلے ہی کی طرح جھولتا۔ جلتی آگ پر سے گزرتا دوسری بار شاہی جھروکہ تک جا پہنچا۔ اس بار اس نے بوڑھے المنذر کو اپنے بازوؤں میں لیا اور پیچھے کی طرف پرواز کی۔

اس کے جسم سے لپٹا بوڑھا المنذر جب آگ کی وادی پر سے گزرا تو اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ لیکن اس کے یہ چھنے ہوئے حواس اسے جلد ہی واپس مل گئے۔ عبدالعلی نے اسے بھی ذہبہ کی طرح اس برج پر پہنچ کر اپنے جسم سے نوچ پھینکا اور تیسری بار شاہی جھروکے کی سمت لہرایا۔ اس وقت آگ جھروکے کے دو حصوں تک پہنچ چکی تھی۔ مگر عبدالعلی نے کوئی پروا نہیں کی۔

اس نے ولی عہد کو اپنی پیٹھ سے قریب قریب باندھ لیا۔ ذہبہ دیوانہ وار چیخ رہی تھی لیکن عبدالعلی بالکل بدحواس نہیں ہوا۔ پورے صبر سے کام لے کر پیچھے کو لہرایا۔ ذہبہ کی چیخیں اس وقت مسرت کے آنسوؤں میں ڈھل گئیں۔ جب عبدالعلی۔ ولی عہد کو بھی اس برج پر سے اچھال لایا۔ اور ابھی ولی عہد اس کی پیٹھ سے بندھا تھا کہ بوڑھے المنذر نے اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ وہ ولی عہد کو پیٹھ پر لادے لادے نیچے کو جھکا۔ اور بوڑھے بادشاہ سے بچوں ایسے انداز میں التجا کی:

آپ میرے سامنے یوں نہیں جھکئے عالی جاہ۔ آپ المنظر کے باپ ہیں اور آپ نہیں جانتے۔ المنظر مجھے کتنا عزیز ہے۔

اس کی آواز پر بُری طرح پھٹتے شاہی جھرو کے کا دھماکہ غالب آگیا چاروں کی نگاہیں ایک ساتھ آگے کو اٹھ گئیں۔ شاہی جھرو کے کی جلتی چھت پھٹ کر نیچے گر پڑی تھی۔

گو یہ تماشہ چاروں نے ایک ساتھ کیا تھا۔ لیکن بوڑھے المنذر کا تاثر قابل دید تھا اس نے عبدالعلی کے دونوں ہاتھ ایک بھکاری کے سے انداز میں اپنے بوڑھے ہاتھوں میں لے لیئے اور اس کی آنکھوں میں جھانکتا اس سے کہنے لگا۔

بہ خدا عبدالعلی۔ تمہارا خون بہت شریف ہے اور تمہارا ظرف بہت اونچا ہے۔

لیکن عبدالعلی یہاں اس سے اپنے اونچے خون کی داد لینے نہیں آیا تھا اس نے اپنے جسم سے لپٹی زنجیر ایک دم کھول دی۔ دونوں بازو باز کے سے انداز میں پھیلا لیئے اور المنظر زہیہ اور اس بوڑھے کو ان بازوؤں کی اوٹ میں دوڑاتا۔ اس برج اور اس سے ملحقہ برجوں میں سے ہوا کے سے بہاؤ سے بہاتا۔ نچلی منزل میں لے آیا۔ اور نچلی منزل بھی گو آدھی سے زیادہ آگ کی لپیٹ میں آچکی تھی۔ لیکن اس کی وسطی غلام گردش ابھی پوری کی پوری سالم تھی۔

عبدالعلی ان تینوں کو پہلے ہی سے اندازہ میں اس لانبی غلام گردش میں سے بھی نکال لے گیا۔ وہ جب انہیں سنگِ مرمر کے بیرونی چبوترے تک لایا تو سامنے کی غلام گردش کے اندر سے بھاگتے عبدالالہ اور اس کے کتنے ہی رفقاء نے عجیب سرخوشی کے ساتھ انہیں دیکھا اور عبدالالہ کی آواز ایک نعرے

کے سے انداز میں گونجی :

آپ سلامت ہیں آقا تو ہر چیز سلامت ہے۔

بوڑھے عبداالالہ نے یہ محض تعلی کی تھی۔ عبدالعلی کی سلامتی ہر شئے کی سلامتی نہیں تھی اور یہی لانبی غلام گردش جس کے اندر سے گزرتا عبداالالہ اپنے اس آقا تک پہنچا تھا ایک لمحے کے اندر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ اور ذہیبہ ہی نہیں۔ المظہر ہی نہیں۔ عبدالعلی ہی نہیں بادشاہ ہی نہیں بوڑھا عبداالالہ اور اس کے سارے کے سارے ساتھی۔ اس طرح ڈر کر اوپر کو اچھلے جیسے زمین پھٹ گئی تھی اور وہ اس میں سما جانے کو تھے۔

⁘

باب ۱۰

آگے کو بڑھتا اور آگ برساتا دشمن توپ خانہ ایک دم رک گیا۔ اس کے توپچیوں کے ہاتھ کانپنے لگے اور مغرور فرڈنینڈ نے اپنے پہلو میں سوار بوڑھے سرقسطی وزیر اعلیٰ پر اس طرح کوڑا اچھال دیا جیسے اپنے کسی مخبر غلام کو غلط خبر پر سزا دے رہا ہو۔

بوڑھے سرقسطی وزیر اعلیٰ نے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔ بوڑھی گردن بادشاہ کی طرف اٹھائی اور خاصے غصہ کے ساتھ اعتراض کیا۔

بادشاہ فرڈیننڈ آپ نے یہ کوڑا مجھ پر ساکر گو بادشاہی آداب کو مجروح کیا ہے۔ اس کے باوجود مجھے آپ کا احترام ملحوظ ہے۔

فرڈی ننڈ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا کوڑا ایک بار اور فضا میں ٹچخا۔ اور فرعونوں کی سی آواز میں گرجا۔

تم نے ہماری غلط راہ نمائی کی ہے اور دشمن اسلحہ خانوں کے بارے میں

غلط خبر پہنچائی ہے۔

بوڑھے وزیراعلیٰ نے اس کی بات کاٹ لی:

میں نے غلط خبر نہیں دی عالی جاہ۔ آپ کی نگاہ اگر سرقسطہ کے گرد پھیلی دہری فصیل کو چیر کر اندر پہنچ سکتی تو آپ یہ اعتراض کبھی نہیں کرتے۔

فرڈی ننڈ پہلے ہی کی طرح گرجا:

تم نے تو ہمارے توپ خانہ کا رُخ متعین کرتے وقت کہا تھا۔ اگر ہماری توپیں صرف چند بار اس سمت اُبھریں تو سارے کے سارے سرقسطی بارود خانے اور اسلحہ خانے جل جائیں گے۔

پھر سامنے کی طرف دیکھا اور بات جاری رکھی:

اور یہ جو سرقسطہ کی سمت سے آڑتے آگنی گولے ہمارے ہراول توپ خانہ پر یک بہ یک اور پے در پے برسنے لگے ہیں۔ یہ کیا جادوگری ہے۔ اس نے ایک دم گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور گرینڈ ڈیوک آف اریول کو آواز دی:

گرینڈ ڈیوک اریول اپنے پورے توپ خانے کو دائیں سمت ہٹالو۔

اس بوڑھے گدھ نے ہم سے سراسر دھوکہ کیا ہے۔

وزیراعلیٰ اس کے سے انداز میں بڑبڑایا:

مجھے سخت احتجاج ہے عالی جاہ۔ آپ نے نتائج کا انتظار کیے بغیر میرے بارے میں غلط رائے قائم کرلی ہے۔

فرڈی ننڈ بپھرا:۔

میں نے تمھارے بارے میں غلط رائے قائم کی ہو یا صحیح۔ اس پر بحث کا وقت نہیں ہے۔ واندواس وقت تو مجھے صرف اپنے توپ خانے کے بچاؤ کی فکر لاحق ہے۔ اگر دشمن توپ خانہ چند لمحوں تک اس طرح آگ برساتا رہا تو میری ایک توپ اور ایک منجنیق بھی سلامت نہیں رہے گی۔

فرڈی ننڈ نے گھوڑا بڑے غصہ کے ساتھ آگے بڑھا لیا۔ اور گرینڈ ڈیوک آف اریول کو ایک بار اور آواز دی:

ڈیوک اریول۔ کیا تمہیں یہ پہرے باندھ کر اس سمت اڑتے آتے آگ دیو دکھائی نہیں پڑ رہے۔

ساری کی ساری توپیں اور منجنیقیں کھڈوں میں لڑھکا دو یہ وقت صحیح نقل و حرکت کا نہیں ہے۔

وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا۔ اپنے توپ خانے کے قریب جا پہنچا جس پر سرقسطہ کی سمت سے اڑتی آگ بری طرح برس رہی تھی۔ فرڈی ننڈ کی پریشانی غلط نہیں تھی۔ کتنی توپیں اور منجنیقیں آگ کی نذر ہو چکی تھیں اور لکڑی کی گاڑیاں اور دوسرا سامان سوکھے ایندھن کی طرح جل رہا تھا۔

فرڈی ننڈ انتہائے اضطراب میں کبھی پہاڑی کے ایک کنارے پر پہنچتا اور کبھی دوسرے پر۔ وہ بار بار ایک ہی بات کی تلقین کرتا جا رہا تھا۔

اور عیسائی توپچی اس کے حکم کی تعمیل میں اپنی اپنی توپیں اور منجنیقیں کھڈوں میں الٹتے جا رہے تھے۔

اور ادھر ذلیل غدار سرقسطی وزیراعلیٰ ملکہ معظمہ درجلینا۔ شہزادی

ولی عہد میریہ اور شہزادی ہلینا کے رکاب باری باری پکڑ کر ان سے التجا کر رہا تھا:

بادشاہ سلامت کو اس حماقت سے روک لیجئے۔ وہ اپنے توپخانے کو آپ ہی آپ کھڈوں میں گرائے جا رہے ہیں اور نتائج کا انتظار نہیں فرماتے۔

اس نے حسرت بھری نگاہ اوپر کو اٹھائی اور بات جاری رکھی:۔

سرقسطی توپیں اور منجنیقیں بلاشبہ بڑی گرم جوشی کا اظہار کر رہی ہیں۔ لیکن ہم نے سرقسطی اسلحہ خانوں پر جو آتش باری کی ہے اس سے سارے کے سارے اسلحہ خانے جل اٹھے ہیں۔

گولہ بارود میسر نہیں آئے گا۔ تو توپیں اور منجنیقیں کیسے گرجیں گی۔

یہ ساری گرج صرف چند ساعتوں کی مہمان ہے۔ ابھی بند ہو جائے گی۔

ان میں سے کسی نے بھی اس کی بات پر بھروسہ نہیں کیا۔ اور فردی نند کو آواز نہیں دی۔ اور فردی نند غصے میں بھرا۔ آپ اپنے ہاتھوں سے اپنی توپیں کھڈوں میں لڑھکانے لگا۔

اور جب وہ ساتویں توپ کھڈ میں گرا رہا تھا تو اس کی ملکہ درجلینا کی کانپتی شوق بھری آواز اسے سنائی دی:۔

اعلیٰ حضرت! سرقسطی فضا گولوں سے خالی ہو گئی ہے۔ کئی گھڑیوں سے کوئی گولہ اس سمت نہیں اڑا۔

شہزادی ہلینا نے اس کی تائید کی:

ملکہ معظمہ ٹھیک کہہ رہی ہیں شاہ بھائی۔ توپیں کھڈوں میں لڑھکانے

کی ضرورت اب باقی نہیں رہی۔

فردی نند نے اپنی مغرور گردن فضا میں اٹھائی۔ کتنی دیر تک فضا میں دیکھتا رہا۔ ان دونوں نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ سچ مچ فضا گولوں سے خالی ہو گئی تھی۔

مگر فردی نند بڑا ضدی تھا۔ اس نے آٹھویں توپ بھی کھڈ میں لڑھکا دی یہ تو ملکہ معظمہ نے آگے کو دوڑ کر اس کا بازو بڑے غصہ سے پکڑ لیا اور اسے قریب قریب بازوؤں میں جکڑے پیچھے ہٹا لائی ورنہ وہ باقی توپیں بھی کھڈوں میں لڑھکا دیتا۔

⁂

باب ۱۱

گو ہر سو گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ مگر عبدالعلی اور اس کے ساتھی سواروں کے گھوڑے، کسی غیر مرئی تار کے رشتے میں بندھے ایک جیسی رفتار کے ساتھ آگے کو دوڑ رہے تھے۔ راستہ بڑا دشوار گزار تھا۔ کھڈ بھی تھے اور اونچائیاں بھی۔ مگر عبدالعلی اور اس کے سواروں کی چال مدھم نہیں پڑی تھی۔ وہ آگے ہی آگے اس طرح بڑھتے جا رہے تھے جیسے تاریکی کے باوجود وہ اس دشوار گزار راستے کے ہر کھڈ، ہر اونچائی اور ہر تنگی کو دیکھ لیتے ہیں۔

پھر قدرت آپ ان کی راہ نما بن گئی۔ آسمان کی سطح پر چھائے محیط بادل، ایک ایک کر کے چھٹنے لگے۔ ستاروں کی شمعیں صاف دکھنے لگیں۔ راستے نے اپنے کھڈ ختم کر دیئے اور عبدالعلی کی بھاگتی سواری، اس پہاڑی پر آن پہنچی جس کی دوسری سمت پھیلے وسیع و عریض میدان میں دشمن ڈیرے ڈالے

تھا اور ہر سو آلاؤ ہی آلاؤ روشن تھے۔

عبدالعلی نے اپنی سواری ایک دم روک لی۔ ایک جہاندیدہ سپہ سالار کے سے انداز میں۔ دشمن چھاؤنی پر نگاہ اٹھائی۔

پھر اپنا بوجھ پیچھے بیٹھی بہن پہ ڈالتے ہوئے بہت ہولے سے سرگوشی کی :۔

معلوم ہوتا ہے رضیہ ہم نے یہ دشوارگزار راستہ وقت سے پہلے طے کرلیا ہے اور دشمن کو ہماری نقل و حرکت سے بالکل آگاہی نہیں ہوسکی۔

رضیہ نے اپنا چہرہ اس سے متوازی کرلیا اور کسی قدر ہانپتی ہوئی آواز میں کہنے لگی :

لیکن اگر ہم اس کے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔

عبدالعلی نے بڑے غصہ کے ساتھ بہن کو ٹوک دیا۔

رضیہ ! میں تمھیں اس قسم کی بدشگونی کرنے کے لئے ساتھ نہیں لایا۔

اس نے اپنا منہ اپنے پیچھے کے سوار کی طرف موڑ لیا۔ اور خاصی تلخی کے ساتھ پکارا :۔

عبدالغنی ! اپنے پیچھے آنے ہر سوار کو آگاہ کردو۔ ہم اپنی منزل تک پہنچ گئے ہیں۔ میں جوں ہی چقماق رگڑوں وہ ایک دم ڈھلوان کی طرف اترنے لگیں۔ صرف نیزے ان کے ہاتھوں میں ہوں۔

اس نے اپنا منہ عبدالغنی کے منہ سے قریب قریب جوڑ دیا اور بہت ہولے سے کہنے لگا :

میری ہی طرح اپنا منہ اپنے پچھلے سوار سے جوڑ لو۔ اور میری خواہش

اس تک پہنچا دو۔ اور یہ سرگوشی اس انداز میں آخری سوار تک رسائی پا لے سمجھ گئے ہو۔

عبدالغنی نے کچھ جواب دیئے بغیر اپنا منہ پچھلے سوار کے منہ سے جوڑ لیا پھر یہ سلسلہ آخری سوار تک جا پہنچا۔

عبدالعلی نے اپنا منہ سیدھا کر لیا۔ کسی قدر اوپر کو اٹھ کر۔ دشمن چھاؤنی پہ ایک بار اور نگاہ اچھالی۔ دشمن چھاؤنی پہلے ہی کی طرح پُرسکون تھی۔ کہیں بھی کسی قسم کا کوئی انتشار موجود نہیں تھا۔ خیموں کے اگلے حصوں میں آویزاں شمعیں' جوں کی توں جل رہی تھیں۔ البتہ الاؤ آخری سانس لے رہے تھے۔

عبدالعلی نے اپنے پیچھے بیٹھی بہن کو ٹٹولا۔ اس کے بازو اپنی کمر کے گرد حمائل کر لئے اور اس طرح جیسے وہ اس کی بہن نہیں کوئی محکوم عورت تھی۔ اسے حکم دیا:۔

اپنی باہوں میں مجھے اچھی طرح جکڑ لو رضیہ یہ ڈھلوان بے حد خطرناک ہے۔

رضیہ کلبلائی:

پھر بھیا آپ نے اس کا انتخاب کیوں کیا ہے۔

عبدالعلی نے دانت پیسے اور جواب دیا:

اس لئے کہ اس ڈھلوان کے سوا دشمن چھاؤنی کو جاتے تمام راستوں پر دشمن پہرہ دار موجود ہیں۔ ہمارے جاسوسوں نے مجھ سے صرف اس راستے کو اختیار کرنے کی سفارش کی۔

اس نے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور اسے ڈھلوان پہ اتارنے لگا۔

سچ مچ یہ ڈھلوان بڑی خطرناک تھی۔ مگر عبدالعلی کا یہ سفید گھوڑا جس پر دونوں بہن بھائی ایک ساتھ سوار تھے۔ سرقسطہ ہی میں نہیں پورے اندلسیہ میں اپنی چال ڈھال اور اپنے متوازن جسم کے سبب۔ اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے اعضا گوشت پوست کے نہیں ربڑ کے تھے۔ وہ انہیں جس طرح چاہتا موڑ لیتا۔ اس نے سرقسطہ کے بین الاقوامی مقابلوں میں متواتر تین سال انعام حاصل کئے تھے۔

رضیہ اس کے اوصاف سے آگاہ تھی۔ اس کے باوجود یہ ڈھلوان اتنی غیر متوازن تھی کہ رضیہ کو کئی بار ایسے لگا جیسے گھوڑا نیچے کو سرک نہیں رہا۔ پھسل پڑا ہے اور وہ اپنے ماں جائے بھائی عبدالعلی سمیت دور نیچے کوئی دو ہزار فٹ گہرے کھڈ میں گر پڑی ہے۔ مگر گھوڑا گرا نہیں۔ وہ بڑی چابک دستی کے ساتھ دونوں کو اس پگڈنڈی پر لے آیا جس کے چپے چپے سے وہ بھی آگاہ۔ اور عبدالعلی بھی۔ عبدالعلی نے اس پگڈنڈی پر پہنچ کر گھوڑے کی باگیں ایک دم کھینچ لیں۔ گھوڑے نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ بڑی سعادت مندی کے ساتھ رک گیا۔ عبدالعلی نے باگیں منہ میں لے لیں۔ جیب سے چقماق نکالا۔ اسے زین کے نقرئی دائرہ پر رگڑا۔ ایک شعلہ سا اُٹھا۔ ابھی اس شعلہ کے اثرات فضا میں سے زائل نہیں ہوئے تھے۔ کہ پہاڑی کی پرکار جیسی گولائی پر ہر سمت سائے ہی سائے لہرا گئے۔ یہ عبدالعلی کے دو ہزار جواں سال ساتھی تھے ان کے گھوڑے گو عبدالعلی کے گھوڑے ایسے تربیت یافتہ نہیں تھے۔ اس کے باوجود اس ڈھلوان پر ان میں سے صرف چند پھسلے اور اپنے سواروں سمیت دو ہزار فٹ گہرے کھڈ میں جا گرے۔

لیکن باقی ساتھی اس لانبی پگڈنڈی پر آن پہنچے۔ جس پہ عبدالعلی پہنچ چکا تھا۔
عبدالعلی نے چقماق کو ایک بار اور رگڑا۔ زین کی پیشانی کے ساتھ چسپاں مشعل کی زبان میں چقماق کے شعلے بھرے اور جلتی مشعل کو ہاتھ میں لے کر اس طرح لہرانے لگا۔ جیسے کسی پہلے سے طے شدہ منصوبہ کی تکمیل کر رہا ہو۔
رضیہ سخت گھبرا گئی پاگلوں کی طرح چیخی:
یہ تم اپنی اور اپنے ساتھیوں کی موت کو اس طرح کیوں دعوت دے رہے ہو عبدالعلی جبکہ جانتے ہو کہ جس دشمن چھاؤنی پہ تم شب خون مار رہے ہو۔ اس کے سپاہیوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے بھی زائد ہے۔
عبدالعلی اس کے سوا اور بھی بہت کچھ جانتا تھا۔ اس نے رضیہ کے قول کے مطابق اپنی اور اپنے ساتھیوں کی موت کو کیوں دعوت دی تھی یہ اسے خوب معلوم تھا۔ رضیہ اگر ذرا دیر رک جاتی۔ صبر سے کام لیتی تو وہ خود بھی یہ حقیقت جان لیتی جیسے دشمن چھاؤنی کے عقب سے یک بیک ہزاروں جلتی مشعلوں نے اپنی آتشیں زبانوں سے فضا پہ اچھال دیا تھا۔ رضیہ عجب اضطراب کے ساتھ بھائی سے لپٹ گئی اور بچوں ایسی سرخوشی کے ساتھ چیخی:
اب میں سمجھی عبدالعلی تم نے یہ مشعل کیوں جلائی تھی۔ تم ولی عہد سے کوئی خفیہ ساز باز کر کے اس سمت بڑھے تھے۔
عبدالعلی نے جلتی مشعل ایک دم ہاتھ سے پھینک دی اور بولتی بہن کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا اور بہت ہولے سے درخواست کی:
خدا کے لئے رضیہ کسی قدر صبر سے کام لو۔

رضیہ صبر سے کس طرح کام لیتی۔ دشمن چھاؤنی کے عقب میں جلتی اور ہوا کی سی تیزی سے آگے کو بھاگتی ہزاروں مشعلوں نے تو اس کے صبر و استقامت ہی کو نہیں اس کے حواس کو بھی مختل کر دیا تھا۔ اس نے اپنا منہ اپنے بھائی کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور ایک اور احمقانہ سوال کیا:

عبدالعلی! تم اب یہاں رکے کیوں ہو۔ آگے کیوں نہیں بڑھتے۔ ولی عہد اور اس کے ساتھیوں کی مشعلیں تو دشمن چھاؤنی تک رسائی پا گئی ہیں۔ تم کو ان سے سبقت کرنی چاہیے تھی۔

عبدالعلی نے اس بار بہن کا منہ بند کرنے کی بجائے بڑے ہی پیار سے سرگوشی کی:۔

تم بڑی اچھی بہن ہو رضیہ، اپنے بھائی کو اس کی غلطیاں قدم قدم پہ گناتی جا رہی ہو۔ لیکن ان مشعل برداروں کے قائد المظہر کا حکم یہی ہے کہ جب تک وہ اپنی سپاہ کے ساتھ دشمن چھاؤنی میں کافی آگے تک نہ بڑھ جائیں ہم اس پگڈنڈی پہ رکا رہوں۔

رضیہ نے اپنا نازک سر کئی بار جھٹکا اور اعتراض کیا:

لیکن یہ کیوں؟

عبدالعلی نے اس کی کیوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ سامنے کی سمت دیکھتا رہا اور پھر اسے ایک جھٹکے کے ساتھ قریب اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور سخت بے تابی کے ساتھ عبدالغنی کو آواز دی:

عبدالغنی۔ اپنے ساتھیوں سے کہو میرے پیچھے پیچھے لگ جائیں لیکن

خبردار ان میں سے کوئی اس پگڈنڈی کو اس وقت تک ترک کر کے آگے نہیں بڑھے جب تک میں نعرۂ تکبیر بلند نہیں کروں۔

اس نے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔ اور باز کے سے انداز میں آگے کو اڑا۔ اس کے سارے کے سارے ساتھی سواروں کو بھی بجلی چھو گئی اور اس کے پیچھے لگ گئے۔

عبدالعلی اور اس کے ساتھی جس راہ پہ چل رہے تھے۔ وہ سخت پتھریلی تھی اور گھوڑوں کے آہنی سم پتھروں کی پیشانیوں سے اس طرح بج رہے تھے جیسے لوہے کی چادر پہ وزنی ہتھوڑے برس رہے ہوں۔

یہ بڑا انوکھا اور تکلیف دہ اضطراب تھا۔ جو عبدالعلی اور اس کے ساتھیوں نے سنگلاخ راہ اختیار کر کے دشمن چھاؤنی پر نازل کر دیا تھا۔ یہ کوئی اس کا خفیہ منصوبہ تھا کہ ظالم اپنے دو ہزار ساتھی سواروں کے ساتھ اس سنگلاخ راہ پہ اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے کسی گھوڑ دوڑ میں شریک ہو۔ اس نے یہ سنگلاخ راہ اس وقت تک ترک نہیں کی جب تک افق عالم پہ سحر کی پہلی کرن پھوٹ نہیں گئی۔ اور اس وقت تک سرقسطہ کی سمت سے جو گیارہ ہزار مشعلیں۔ امیرالمظہر کی قیادت میں دشمن چھاؤنی پر نزول فرما چکی تھیں۔ آدھی چھاؤنی کو نذرِ آتش کرتیں اس چوٹی تک پہنچ گئی تھیں۔ جہاں شاہ فروی نند ملکہ دو جلینا شہزادی ہلینا اور ولی عہد شہزادی میریہ تشریف فرما تھے اور ان کے آگے پیچھے ڈیوک آف اریولہ نے اکہتر ہزار ننگی تلواروں کی چہار طرفہ باڑھ باندھ رکھی تھی۔

نوجوان امیرالمظہر نے یہ چہار طرفہ باڑھ کافی فاصلہ پہ ہی سے دیکھ لی

تھی۔ اس نے اس باڑھ کی آزمائش کے لئے عبدالعلی سے کوئی خاص وقت متعین کر رکھا تھا کہ عین اس لمحہ جب امیر المظہر اپنے گیارہ ہزار سواروں کے ساتھ اس آہنی چمکیلی باڑھ سے آن ٹکرایا۔ عبدالعلی کے گلو سے بلند ہوتی تکبیر فضا میں گونج اٹھی اور فضا کو زیر و زبر کرتے وزنی ہتھوڑے ایک دم گھوڑوں کی ٹاپوں میں بدل گئے۔ اور عبدالعلی اور اس کے ساتھی دشمن چھاؤنی کے عقب میں داخل ہو گئے۔

پھر جو تلوار چلی پھر جو لڑائی ہوئی پھر جو ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہ گئی۔

عبدالعلی کے ساتھ صرف دو ہزار سوار تھے۔ امیر المظہر گیارہ ہزار کی قیادت فرما رہے تھے۔ یوں اسلامی سپاہ کی نفری کل تیرہ ہزار تھی۔ لیکن ان تیرہ ہزار مسلمان سواروں نے سورج طلوع ہونے تک چھتیس ہزار دشمن سپاہی اپنے راستے سے ہٹا دیئے تھے اور جب کوئی دوپہر کے قریب بزرگ عبدالالہ مسلمان پیادہ فوج کو میدانِ جنگ میں لے آیا تو اسلامی پلڑا بہت اوپر کو اٹھ گیا۔ دشمن میسرہ اور میمنہ ایک دوسرے سے کٹ گئے اور عبدالعلی اور عبدالغنی رضیہ کے گھوڑے کو اپنے بیچ میں رکھے اس چوٹی کے قریب آن پہنچے جہاں ملکہ درجلینا شہزادی ہلینا۔ اور ولی عہد شہزادی میریہ بادشاہ فزوی نند کے پہلو بہ پہلو تشریف فرما تھیں۔

رضیہ نے بجلی کی سی رفتار سے بھائی کی رکاب سے اپنی رکاب لڑائی۔ رضیہ کی نگاہ کے ساتھ ساتھ عبدالعلی کی نگاہ ملکہ درجلینا۔ شہزادی ہلینا اور

ولی عہد میریہ پر اٹھی۔ عین اس لمحہ ڈیوک آف اربولہ اور فرونند کی دہری تلواریں عبدالغنی پہ اٹھ گئیں۔ رضیہ ذہنی توازن قائم نہیں رکھ سکی۔ اور آگے کو لپکی۔

عبدالعلی کی کمند پھیل کر جب سمٹی تو اس میں شہزادی ہلینا نہیں، ولی عہد شہزادی میریہ بندھی تھی۔ اور عبدالعلی ایک بازی گر کے سے انداز میں اسے اچھالتا۔ اپنی سواری تک لے آیا تھا۔

فردی نند پہ یہ لمحہ بڑا نازک تھا۔ اس کا فولادی بازو۔ رضیہ کے نازک بازو کے متوازی آن ٹھہرا تھا۔ دونوں کی تلواریں ایک دوسری سے جڑی تھیں۔ عبدالعلی نے ایک لمحہ کے لئے یہ منظر دیکھا۔ پٹی بندھا بازو کمند میں لپٹی شہزادی کے گرد ڈالا۔ اور دوسرے بازو میں پکڑے نیزے سے شاہ فردی نند کے اس بازو کو چھوا۔ جو رضیہ کے نازک بازو سے متوازی تھا۔

ملکہ درجلینا اور شہزادی ہلینا بری طرح چیخ اٹھیں۔ فردی نند کا چہرہ گھوم گیا۔ دوسرے لمحہ عبدالعلی اور عبدالغنی رضیہ کو پہلے ایسے انداز میں اپنے حصار میں لئے اپنے کئی سو ساتھیوں سے آن ملا تھا۔

ملکہ درجلینا اور شہزادی ہلینا کی چیخیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں ڈیوک آف اربولہ۔ فردی نند کے بازو میں پیوست ایک سبزورنی نیزے کو باہر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر نیزہ کچھ اس طرح آرپار ہو گیا تھا کہ آسانی سے نکل نہیں رہا تھا۔

دریا کی تند و تیز موجوں کے سے انداز میں عیسائی صفیں عبدالعلی

پر ہر سمت سے یورش فرما رہی تھیں۔ لیکن عبدالعلی کے دونوں سمت متعین سوار ان تند و تیز موجوں کا رُخ پھیر پھیر دے رہے تھے۔ اور عبدالالہ اور المظہر کی آواز اسے بار بار پکار رہی تھی۔ عبدالعلی راستہ پلٹ لو۔ عبدالعلی نے راستہ پلٹ لیا۔ وہ اب پھر اس سنگلاخ پگڈنڈی پر آن پہنچا تھا۔ جسے اس نے رات کے اندھیرے میں اختیار کیا تھا۔ اس کے ساتھیوں کی تعداد۔ صرف نو سو تھی وہ گیارہ سو جواں مرد سواروں کی قربانی دے کر جس شئے دشمن چھاؤنی سے اپنے ہمراہ لایا تھا۔ وہ اس کے آہنی بازوؤں میں جکڑی بری طرح سسکیاں لے رہی تھی۔ اور رضیہ بڑے اضطراب اور ندامت کے ساتھ بھائی کے بازوؤں کو ہچکولے دیتی اس سے کہہ رہی تھی:

بھیا! تم سے سخت غلطی ہوئی ہے۔ یہ تم ذہبہ کی ممی شہزادی ہلینا کو اپنی کمند میں لپیٹ کر نہیں لائے۔ یہ تو کوئی اور ہے اور ذہبہ کی ہم عمر ہے۔ عبدالعلی نے بڑے غصہ کے ساتھ رضیہ کی سمت دیکھا اور اپنے بازوؤں میں سمٹی سسکیاں بھرتی شہزادی میریہ کو پہلے سے زیادہ جکڑ کر۔ گرج ایسے انداز میں چیخا:

مگر یہ غلط نشان وہی تم ہی نے تو کی۔ تم ہی نے تو میری رکاب سے رکاب لڑائی اور چہرہ اوپر کو اُٹھا کر اس کی سمت اشارہ کیا تھا۔

اس نے سر کو بہت زور سے جھٹکا۔ عبدالغنی کو آواز دی:

عبدالغنی! اپنے ساتھیوں سے کہو ایک بار پھر دشمن چھاؤنی کی راہ لیں۔

ہم سونے کی بجائے پیتل اُٹھا لائے ہیں۔

اور اس پیتل نے اپنی خوبصورت پیشانی اوپر کو اٹھالی جیسے اس اتہام پر احتجاج کر رہا ہو۔ اس کی لانبی لانبی شیریں آنکھیں آنسوؤں کے چشمے بہا رہی تھیں اس نے پیشانی اوپر کو اٹھائی تو عبدالغنی ایک دم بڑبڑایا:

عبدالعلی بھائی۔ آپ جسے پیتل کہہ رہے ہیں یہ تو مجھے خالص سونا دکھ رہا ہے۔ آپ کی نگاہ شائد اس کے چمکیلے لباس پر نہیں گئی۔

عبدالعلی نے اس کی بات کاٹ لی:

اس کے باوجود عبدالغنی ہم اس خالص سونے کی تلاش میں نہیں آئے تھے۔ ہمارا مقصود تو صرف شہزادی ہلینا تھی۔ اعلیٰ حضرت المظہر اور بوڑھے بادشاہ کا حکم یہی تھا کہ ہم شہزادی ہلینا کا اغوا کریں۔ اور میں تو محض سپاہی ہوں۔ ساتھیوں سے کہو راستہ پلٹ لیں۔

عبدالغنی نے اپنے ساتھیوں کو راستہ پلٹنے کا حکم ابھی نہیں دیا تھا کہ بستی میں گرد اٹھی اور بے شمار سوار ہر چہار طرف سے اس سمت یورش کرتے نظر آنے لگے۔

ڈیوک آف اریلہ ان کی کمان کر رہے تھے۔ عبدالغنی نے ایک دم گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔ اپنے سواروں کو راستہ پلٹنے کی بجائے حکم دیا:

آقا کو چاروں طرف سے گھیر لو ساتھیو۔ اور آگے کو بڑھنے لگے۔

اس نے اپنا گھوڑا عبدالعلی کے گھوڑے سے ملا لیا۔ اور دائیں بائیں نظریں اچھالتے ہوئے سرگوشی کی:

جو کچھ بھی ہوا اچھا ہوا آقا۔ میرا خیال ہے آپ شہزادی ہلینا سے کہیں زیادہ قیمتی سرمایہ اپنی جھولی میں بھر لائے ہیں۔ آپ نے شائد نبرہ کے سارے کے سارے قیمتی خزانے سمیٹ لئے ہیں۔

نبرہ کے سارے خزانوں کے ہم پلّہ شہزادی میریہ نے اس عبدالغنی کی سمت دیکھا جو اس کے بارے میں یوں شاعری کر رہا تھا۔ اگر کوئی اور گھڑی ہوتی تو وہ اس کے منہ میں موتی بھر دیتی۔ مگر یہ گھڑی تو بے حد نازک تھی۔ ہر طرف سے یورش کر کے آنے والے عیسائی سواروں اور عبدالعلی کے ساتھیوں کی تلواریں ایک دوسری سے بری طرح کھٹکھٹانے لگی تھیں اور ڈیوک آف اراولہ چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔

یہ چند سوار، تمہاری ولی عہد کو تم سے چھین کر یہاں سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو جائیں تو تمھارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے نبری سپاہیو!

عبدالعلی کو اب احساس ہوا۔ عبدالغنی غلط شاعری نہیں کر رہا تھا وہ نبرہ کے سارے خزانے اپنی جھولی میں بھر لایا تھا۔ لیکن اس کے اس شب خون سے مقصود نبرہ کے خزانے سمیٹنا نہ تھا۔ وہ تو شہزادی ہلینا کی تلاش میں آیا تھا۔ اس کی ذہنی الجھنیں تو صرف شہزادی ہلینا ہی حل کر سکتی تھی۔ عبدالغنی کو اس کی ذہنی الجھنوں کا شائد علم نہیں تھا کہ اس نے اسے رکے پاکر اس کے گھوڑے کی پیٹھ بری طرح سہلائی۔

عبدالعلی نے اپنے اس ساتھی پر بڑے غصہ کی نگاہ کی۔ ساتھی نے ہاتھ میں پکڑا کوڑا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک بار اور اس کے

گھوڑے کی پیٹھ پر پہنچا اور اس کی بجائے ساتھیوں کو پکارا۔
آقا کے گھوڑے کو زبردستی آگے بڑھالو کہ ان کے بازوؤں میں سمٹی دولت چھن نہیں جائے۔ انھیں اس دولت کی قدروقیمت کا اندازہ نہیں ہے۔ انھوں نے یہ دولت اپنے بازوؤں میں بھر کر ملتِ سرقسطہ کا سر بہت اونچا کر دیا ہے اور دشمن کی کمر توڑ دی ہے۔
عبدالعلی نے سر کو کئی بار جھٹکا اور مری مری آواز میں کہنے لگا:
اگر یہ بات ہے عبدالغنی تو اپنا گھوڑا رضیہ کے گھوڑے سے اس طرح ملا لو کہ رضیہ مجھ میں اور تم میں بند ہو جائے۔ یہ بھی بڑا سرمایہ ہے اور تم اس کی قدروقیمت سے اچھی طرح آگاہ ہو۔
اس کی سرگوشی پر سسکیاں بھرتی شہزادی میریہ کی روتی آنکھیں ایک بار پھر اوپر کو اٹھ گئیں اس نے رضیہ کو دیکھا۔ جس کے بارے میں عبدالعلی یہ تعلّی کر رہا تھا اور جس کے گھوڑے کو عبدالعلی اور عبدالغنی نے اپنے حصار میں لے لیا تھا اور ڈھلوان چڑھنے لگے تھے۔
کھٹا کھٹ کی آواز پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی۔ ڈیوک آف اریولہ سے سے زیادہ زور سے چیختا سُنائی دیا:۔
نبر ہو! تم تیس ہزار سے بھی زائد ہو۔ اور یہ تمھارے آگے بھاگتے سوار صرف چند سو ہیں۔
مگر ان چند سو سواروں نے تین طرف سے یورش کر آنے والے بربری سواروں کو اس وقت تک ڈھلوان کے قریب نہیں آنے دیا۔ جب تک

عبدالعلی اور عبدالغنی کی سواریاں رضیہ کی سواری کے پہلو بہ پہلو چلتیں ڈھلوان چڑھ کر چوٹی تک پہنچ نہیں گئیں۔

چوٹی پر پہنچ کر عبدالعلی نے جب نگاہ گھما کر پیچھے کی سمت دیکھا تو صورت حال پہلے سے کہیں زیادہ بدل گئی تھی اور اس کے ساتھی سواروں کے ساتھ امیر المنظہر کی فوج مل چکی تھی۔ امیر المنظہر نے عبدالعلی کو رُکے ہوئے اس سمت دیکھتے پایا تو چلا یا:۔

رُکو نہیں عبدالعلی۔ شاہ بابا بڑی بے چینی سے تمہارے منتظر ہوں گے اگر تم نہیں پہنچے اور شہزادی ہلینا کو ان کے حضور پیش نہیں کیا تو وہ نہ صرف سے کیا ہوا معاہدہ صلح چاک کریں گے اور نہ مذہب کے بارے میں ان کا شبہ دور ہوگا۔

عبدالعلی کی سواری آگے بڑھنے کی بجائے پھر پیچھے کو ہٹنے لگی۔ المنظہر کی گرج ایسی آواز سُنائی دی:

عبدالغنی اپنے سپہ سالار کا رُخ پیچھے کی طرف زبردستی پھیر دو۔ وہ شائد بھول رہا ہے کہ اس نے اور ہم نے یہ شب خون کیوں مارا تھا۔ یہ شب خون کیوں مارا گیا تھا۔ عبدالعلی یہ بھولا نہیں تھا۔ اسے یہی شرمندگی تو آگے بڑھنے نہیں دے رہی تھی کہ اس نے مقصد حاصل نہیں کیا تھا۔ اور شہزادی ہلینا کی بجائے شہزادی میریہ کو اٹھالایا تھا۔ مگر اس کے پہلو میں رُکے عبدالغنی کو شہزادی ہلینا اور شہزادی میریہ کا فرق معلوم نہ تھا اور نہ اسے عبدالعلی کی ذہنی الجھن سے آگاہی تھی۔

اس نے امیر المظہر کے حکم کی فوری تعمیل کی۔ عبدالعلی کی سواری کا رُخ زبردستی آگے کو کر دیا اور کوڑے کی بجائے نیزے کی انی اس کے براق گھوڑے کی پیٹھ میں اس طرح چبھو دی کہ گھوڑا بُری طرح آگے کو اچھلا۔

عبدالعلی نے نگاہ گھمائی۔ لیکن المظہر کی گونجتی آواز سُنائی دی:۔

ضد نہیں کرو عبدالعلی میرے ساتھ کافی سپاہ ہے سارے کے سارے محفوظ دستے میرے ساتھ آن ملے ہیں اور پھر بزرگ عبدالالہ بھی اپنی سپاہ ادھر لے آیا ہے۔ تم سیدھے محل کی راہ لو۔ مجھے ڈر ہے کہ ذہب! تمھارے پہنچتے پہنچتے زہر نہیں کھالے۔ اس نے شاہ بابا کے ظالمانہ انکشاف کو صحیح سمجھ کر اپنے آدھے بال جلا لئے ہیں۔

اس بات نے عبدالعلی کے ذہن پر اُلٹا اثر کیا اس نے گھوڑے کی باگیں پھر پیچھے کو موڑ لیں۔

عبدالغنی چیخا:

آپ مجھے گستاخ بنا رہے ہیں آقا۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں رضیہ کی آبرو پر ہزاروں بادشاہتیں قربان کر سکتا ہوں اور مجھے آپ سے رضیہ کو ساتھ لانے کی وجہ سے سخت اختلاف تھا اور میں آپ کو کسی قیمت پر بھی ایک لمحہ یہاں ٹھہرنے نہیں دوں گا۔

عبدالعلی نے ایک ہی نگاہ میں رضیہ اور عبدالغنی کو دیکھ لیا۔ وہ دونوں کچھ عجیب انداز سے ایک دوسرے پر نگاہ اٹھائے تھے۔ عبدالعلی نے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں اور اس کی ایڑیں آپ ہی آپ گھوڑے کے پیٹ

سے بچتی رہیں۔ اس کا یہ گھوڑا بڑا نازک مزاج تھا۔ اس نے کبھی ایڑ نہیں کھائی
تھی وہ بڑے سخت احتجاج میں آگے کو اُڑا۔

اور اس دن کا سورج ابھی غروب نہیں ہو پایا تھا کہ تینوں سوار یاں
ایک ساتھ دوڑتی اس شاہی محل سرا میں داخل ہو گئیں۔ جس کی دُہری فصیل
گو رات کی خوفناک بمباری کے سبب ابھی تک جوں کی توں قائم تھی۔ لیکن
ایوانِ عام و خاص، اقامت گاہیں اور ساری کی ساری بارہ دریاں، کھنڈرات
میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ ہر سمت دھواں ہی دھواں پھیلا تھا۔ عبدالعلی رضیہ
اور عبدالغنی دھوئیں کی دبیز چادر کو چیرتے جب صحن کے بیچ پہنچے، تو شہزادہ بابا
قطعاً اس کے منتظر نہیں تھے۔

البتہ شہزادی ذہبیہ بے جان نعش کے سے انداز میں باغیچے کے آہنی
دروازے کے ساتھ اس طرح جڑی بیٹھی تھی۔ جیسے وہ ذہبیہ نہ تھی۔ ذہبیہ کا سایہ تھا
عبدالعلی نے دھوئیں کے باوجود ذہبیہ کو پہچان لیا۔ گھوڑے سے کود
پڑا۔ ذہبیہ کے قریب آیا۔ دوزانو ہوا۔ ذہبیہ نے اسے گھور گھور کر دیکھا۔
ایک دم اچھلی اور اس کے گریبان میں پاگلوں کے سے انداز میں ہاتھ ڈال کر
پوچھا:۔

تم میرے سامنے اس طرح کیوں جھکے ہو۔ تمہاری آنکھیں میرے چہرہ
پر اٹھ کیوں نہیں رہیں۔ کیا تم اپنے مقصد میں ناکام رہ گئے ہو۔ کیا میری ماں
تمہارے ہاتھ نہیں لگیں۔

اس کی آواز پر فوزیہ کی کپکپاتی آواز چڑھ گئی:

ذہبیہ ابھی ابھی جو سوار بھاگتے ہوئے آئے ہیں۔ اگر ان میں ولی عہد اور عبدالعلی ہیں تو ان سے کہو شاہ بابا نے اپنے حلق میں خنجر گھونپ لیا ہے اور موت کے سکرات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ شائد تمہاری ماں کا چہرہ دیکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے۔

گو اس انکشاف نے ذہبیہ کے سارے جسم پر لرزا طاری کر دیا تھا۔ اور اس کے وہ ہاتھ جو عبدالعلی کے گریبان سے اُلجھے تھے۔ بُری طرح کانپنے لگے تھے۔ لیکن اس نے عبدالعلی کا گریبان نہیں چھوڑا اور اسے پہلے سے زیادہ سختی کے ساتھ جھنجھوڑتی ہوئی چیخی:

یہ فوزیہ! عبدالعلی تمہاری قسم سراسر جھوٹ بول رہی ہے۔ اس نے میرے تایا ابا کو خود مارا ہے۔ ان سے اپنے بابا اور تمہارے ابا کی موت کا انتقام لیا ہے۔ اور مجھ سے میرا آخری سہارا چھین لیا ہے۔ مجھے ہر طرح بے بس کر دیا ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ عبدالعلی کے گریبان سے نکال لئے اور اس کی آواز کانپ گئی:۔

اگر تم عبدالعلی میری ماں کو لے آئے ہوتے اور میری اصلیت ظاہر ہو جاتی۔ اور میں تم کو اپنا سکتی تو میں ہر صدمہ برداشت کر لیتی۔ لیکن اب عبدالعلی۔ اب۔

وہ اب اب کا تکرار کرنے لگی۔ اور پھر اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرہ پر رکھ کر بری طرح سسکیاں بھرنے لگی۔ عبدالعلی دم بخود تھا۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے سارے اعضا شل ہو گئے ہیں اور اس کا دل ڈوب

جانے کو ہے۔ مگر ابھی اس کا دل ڈوبا نہیں تھا کہ بھاگتی فوزیہ ان دونوں تک پہنچ گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ سسکیاں بھرتی ذہبہ کی کمر کے گرد حمائل کر دیا۔ اور اسے سینے سے لگاتی ہوئی سرگوشی کی:

یقین مانو ذہبہ۔ شاہ بابا کی خودکشی سے مجھے اتنا ہی صدمہ ہوا ہے۔ جتنا کہ اپنے بابا کی موت پر ہوا تھا۔

میں ان کے جھلسے ہوئے بازوؤں اور چہرہ کی پٹی دھونے کے لئے باورچی خانہ میں گئی تھی کہ انھوں نے میرے پیچھے اپنا کام تمام کر لیا۔

ثمینہ اس کی گواہ ہے۔

ذہبہ نے اسے اپنے جسم سے بُری طرح جھٹک دیا اور پاگلوں کی طرح بھاگتی کھنڈرات کو پار کرنے لگی۔ عبدالعلی اس کے پیچھے لپکا۔ اس نے منہ موڑا اور چیخی:

میرا تعاقب نہیں کرو عبدالعلی نہیں تو میں بھی تایا ابا کی طرح خودکشی کر لوں گی۔ تم فوزیہ کے ہوتے مجھے کبھی اپنا نہیں سکو گے۔ یہ ڈائن مجھے کبھی تمھاری بیوی نہیں بننے دے گی۔ اور میں۔ اور میں۔

وہ اور میں۔ اور میں کرتی پیچھے کو ہٹ رہی تھی۔ عبدالعلی چیخا۔

اور پیچھے نہیں ہٹو ذہبہ۔ پیچھے ہر طرف آگ ہی آگ سلگ رہی ہے۔ مگر ذہبہ نے اس کی سنی نہیں۔ پہلے سے زیادہ تیزی سے پیچھے کو ہٹی اور سلگتی آگ کے ڈھیر پر گر پڑی۔ عبدالعلی ہوا کی طرح اڑا۔ فوزیہ اور رضیہ چیخوں پہ چیخیں مارنے لگیں۔ مگر آگے کو بھاگتا عبدالعلی ان کی چیخوں کے باوجود

بابا ابراہیم علیہ السلام کی طرح کافی فاصلہ پہ سے سلگتی آگ کے ڈیرہ پہ کود پڑا۔ اور اپنے بازو بیٹھے کے پل گری ذہبہ کے گرد ڈال دیئے۔ اُسے اُوپر کو اُٹھایا اور اس طرح واپس کودا۔ جیسے اس نے ذہبہ کو آگ کے ڈیرہ پہ سے نہیں۔ پھولوں کی چادر پہ سے اٹھایا تھا۔

فوزیہ اور رضیہ کی چیخیں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ لیکن وہ میرہ جسے عبدالعلی اکہتر ہزار تلواروں کے حصار سے اغوا کر کے لایا تھا۔ کسی چیخ کے بغیر ڈری ہوئی ہرنی کی طرح دوڑتی عبدالعلی کے قریب آن پہنچی اور اس کے جلتے لباس کو اس کے جسم سے اس طرح نوچنے لگی جیسے یہ جلتا لباس اس کے بابا فرذی نند کے جسم کو جھلسا دینے والا تھا۔

آگے کو بھاگتے سپاہی عبدالغنی نے یہ منظر دیکھا۔ جہاں پہنچا تھا وہیں رُک گیا۔ حالانکہ تھوڑی دیر پہلے اسے ہر سو قیامتیں ہی قیامتیں لہراتی نظر آئی تھیں۔ لیکن اس منظر نے اس کے ذہن پہ کچھ اس قدر خوش گوار اثر ڈالا کہ اس کا جی چاہا قہقہے مارے اور قہقہے مار مار کر فوزیہ عالیہ اور رضیہ سے کہے:

حالانکہ تمہارا خون عبدالعلی سے مشترک تھا۔ مگر تم پہ یہ اجنبی لڑکی بازی لے گئی ہے۔

اور اس اجنبی لڑکی نے تو ایک اور عجوبہ اچھالا۔ عبدالعلی کے بازوؤں میں سے ذہبہ کو چھین لیا۔ اور سر کو جھٹکتی ہوئی اس سے کہنے لگی:

آپ عشق کی خاطر آگ میں تو کود گئے۔ لیکن محبوبہ کے سلگتے لباس

پر آپ کی نگاہ نہیں اٹھی۔
پیچھے کو مت موڑ لیجیے کہ آپ عاشق ہونے کے باوجود مرد ہیں۔
میں آپ کی محبوبہ کے جسم سے لپٹا سلگتا لباس اتار رہی ہوں۔
عبدالعلی نے منہ موڑ لیا اور شہزادی میریہ۔ ذہبہ کے جسم سے لپٹا سلگتا لباس نوچنے لگی۔ چیخیں مارتیں اور بھاگتیں فوزیہ اور رضیہ بھی موقعہ پہ آن پہنچیں۔ وہ دونوں عبدالعلی سے ایک جیسی وارفتگی کے ساتھ لپٹ گئی تھیں اور سسکیاں بھر بھر کر پوچھ رہی تھیں۔
یہ تم نے کیا کیا تھا عبدالعلی۔
شہزادی میریہ نے ذہبہ کے جسم سے سلگتا ہوا لباس نوچتے نوچتے۔ منہ گھما کر ان دونوں کی طرف دیکھا اور بڑبڑائی۔
اگر عبدالعلی یہ نہ کرتا تو میں اپنے اغوا کا اس سے ایسا انتقام لیتی کہ تاریخ ہر پچھلا انتقام بھول جاتی۔ لیکن اس نے میری جان سے عزیز پھوپھی کی بیٹی ذہبہ کو یوں بچا کر میرے دل۔
اس نے "میرے" "دل" میرے دل" کے الفاظ کئی بار دہرائے اور اس کی آنکھیں عجیب طرح دمکنے لگیں۔
عبدالعلی کے جسم سے لپٹی فوزیہ نے ایک دم اسے چھوڑ دیا اور جیسے کہ شہزادی میریہ کی دمکتی آنکھوں نے اسے پاگل کر دیا تھا اس نے عبدالعلی کا بازو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ اور دیوانوں کے سے انداز میں چیخی:
معلوم ہوتا ہے عبدالعلی تم۔ شہزادی ہلینا کی بجائے اس خوبصورت

جوان عورت کو اس لئے اُٹھا لائے ہو کہ اس کی خوبصورتی نے تمہیں اندھا کر دیا تھا۔

عبدالغنی نے بڑے ہی گستاخانہ انداز میں اس کی بات کاٹ لی۔

فوزیہ عالیہ اگر تمہاری بجائے۔ عبدالعلی پہ یہ الزام کوئی اور دیتا تو میری تلوار اس کی گستاخ زبان کاٹ لیتی۔

فوزیہ نے عبدالعلی کا بازو چھوڑ دیا۔ عبدالغنی پہ لپکی۔ اور چیخی:

بدبخت عبدالغنی پہلے اس سے کہ میں تمہارے منحوس منہ پہ تھوک دوں اپنا منہ چھپا لو۔

رضیہ کانپ گئی۔ عبدالغنی نے اپنا منہ چھپا لیا۔ اور شہزادی زہبیہ بُری طرح سسکیاں بھرنے لگی۔

فوزیہ نے عبدالعلی کا بازو پھر پکڑ لیا اور اس سے پہلا ہی سوال پھر پوچھا مگر ابھی عبدالعلی کوئی جواب نہیں دے پایا تھا کہ ایک چیختی ڈراؤنی آواز سُنائی پڑی۔ کوئی بھاگتا سوار گھوڑا دوڑاتا چیختا آ رہا تھا:

سپہ سالار عبدالعلی۔ ہماری فوج شکست کھا گئی ہے اور ولی عہد زخمی ہو گئے ہیں۔

اب تو فوزیہ بالکل دیوانی ہو گئی ــ اس نے عبدالعلی کو دونوں کندھوں سے پکڑ لیا۔ اسے خوب جھنجھوڑا۔ اور منہ سے جھاگ چھوڑتی ہوئی چیخی

اوہ تو عبدالعلی۔ اس خوبصورت جوان عورت کو اپنے بازوؤں میں بھر کر اس ملک کے تاجدار کو اپنے پیچھے اس لئے چھوڑ آئے تھے کہ وہ شکست کھا جائے اور یہ ملک اپنے تاجدار سے محروم ہو جائے۔ عبدالعلی رعد کی طرح گرجا:

فوزیہ!

اس نے اپنے کندھے اس سے چھڑا لئے اور اس طرح آگے کو دوڑا جیسے وہ بھوکا شیر تھا۔ رضیہ اس کے پیچھے لپکی اور چیخی بھیا۔ سسکیاں بھرتی ذہبیہ بھی اوپر کو اٹھ بیٹھی۔ اور عبدالعلی۔ عبدالعلی پکارنے لگی۔ مگر عبدالعلی پھٹے ہوئے اور جلے ہوئے لباس کے ساتھ آگے کو دوڑتا اپنے گھوڑے تک جا پہنچا تھا۔ وہ وحشیوں کی طرح اچھلا اور گھوڑے کی پیٹھ پر لد گیا۔ عبدالعلی۔ عبدالعلی اور بھیا بھیا کی چیخوں کے باوجود اس نے نہ پیچھے مڑ کر دیکھا اور نہ گھوڑے کو روکنا ضروری جانا۔

عبدالعلی عبدالعلی۔ بھیا بھیا کا شور پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ رضیہ اور ذہبیہ دیوانوں کی طرح جلتے کھنڈرات پھلانگتی صحن چمن تک آن پہنچی تھیں۔ مگر عبدالعلی شعلہ جوالا کی طرح محل سرا کے بڑے دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ اور شہزادی میرہ اسے آگے کو اڑتے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے عبدالعلی ان میں سے کسی کا کچھ نہیں لگتا تھا۔ تنہا اسی کا تھا۔

باب ۱۳

ڈوبتے سورج کی آخری کرنیں ابھی خانقاہ معلّٰی کے سنہری گنبد سے روکھٹی نہیں تھیں۔ کہ عبدالعلی کی چیختی آواز۔ خانقاہ کے خاموش درودیوار سے سر پٹخنے لگی۔ وہ پوری قوت سے پکار رہا تھا۔

کہاں ہو مولا حسن و حسین کے راہب ساتھیو! ڈوبتے وطن کو اس وقت صرف تم سہارا دے سکتے ہو۔ اس کی ساری فوجیں۔ شکست کھا گئی ہیں۔ میں محاذِ جنگ پہ جارہا ہوں۔ میرے پیچھے لگ جاؤ۔

میں اور عبدالغنی تنہا ہیں۔

وہ چیختا۔ خانقاہ کے درو دیوار کو ہلاتا۔ ہوا کی سی تیزی سے آگے کو اڑا مگر اس کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ وہ اور عبدالغنی اس وقت تنہا نہیں تھے۔

وہ جس انداز سے شاہی محل سے نکل کر خانقاہ تک پہنچا تھا۔ اس نے تو قریب قریب آدھے سرقسطہ میں آگ لگادی تھی۔ جب تک مولا حسن

اور حسین کے ساتھی راہب اپنی راہبانہ عبائیں اُتار کر سپاہیوں کے لباس زیب تن کرتے۔ اور گھوڑوں کی پیٹھوں پہ لدتے کئی سو سرقسطی جوانوں نے اپنے گھوڑے اس کے پیچھے لگا لئے تھے۔ اور یہ سلسلہ لحظہ بہ لحظہ دراز ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے اور عبدالغنی نے جب دریائے ابرہ کا پہلا پل عبور کیا۔ تو اس کے پیچھے دوڑتے سوار سینکڑوں سے ہزاروں میں بدل گئے تھے۔ اور ان کی ٹاپوں سے دریائے ابرہ کا آہنی پل آدھی رات کے گجر کی طرح بجنے لگا تھا۔

عبدالعلی نے بڑی تعلی کے ساتھ اپنا سر پیچھے کو گھمایا۔ اور ڈوبتے سورج کی آخری روشنی میں ان سواروں پہ نگاہ ڈالی۔ جو دریائے ابرہ کے پل پہ سے گزر رہے تھے۔ اس نے گھوڑے کی باگیں ایک لحظہ کے لئے کھینچ لیں۔ رکابوں میں پھنسے پاؤں۔ گھوڑے کی پیٹھ پہ رکھ لئے اور اوپر کو اُٹھ کر اپنے پیچھے آتے سواروں کو آواز دی۔

شاباش سرقسطیو۔ شاباش۔ تم میں ابھی زندگی کی حرارت موجود ہے۔ تم ۔۔۔ آزادی کی قدر و قیمت جانتے ہو۔

اور ان جھگوڑوں کی سبق سکھا سکتے ہو۔ جنھوں نے میدانِ جنگ سے منہ موڑ کر سرقسطہ کی تاریخ دریا بُرد کر دی۔

سرقسطہ کی تاریخ جن بھگوڑوں نے دریا بُرد کر دی تھی۔ ان کا ایک بڑا کارواں آگے کی طرف دوڑتا۔ بہت تھوڑے فاصلہ پہ آن پہنچا تھا۔ ان میں سے اکثر نے عبدالعلی کی گرجتی آواز پہچان لی۔ ایک دوسرے کی

سمت دیکھا اور سرگوشی کی یہ تو امیر عبدالعلی معلوم ہوتے ہیں۔

یہ سرگوشی ابھی۔ اس بھگوڑے کارواں میں رواں دواں تھی کہ عبدالعلی اور اس کے ساتھیوں کی منہ زور سواریاں ان تک آن پہنچیں۔

عبدالعلی نے بڑے غصہ کے ساتھ منہ پھرایا اور رعد کی طرح گرجا:

یوں بھاگنے اور وطن کو رسوا کرنے کا اذن تم نے کس سے پایا تھا کم بختو۔ اگر ایسے ہی بھگوڑے تھے تم تو آزادی کے علمبردار کیوں بنے تھے وطن کے تحفظ کے جھوٹے نعرے کیوں بلند کئے تھے۔ میرے ہاتھ پر جان پر کھیل جانے کی بیعت کیوں کی تھی اور خانقاہ معلیٰ کے سیاہ جھنڈے کو سلامی کیوں دی تھی۔

منہ پیچھے کی طرف موڑ کر۔ سرقسطہ تمھارے وجود پر سخت شرمسار ہے اور تمھاری عورتیں۔ تمھاری بہنیں اور تمھاری مائیں۔ تمھارے چہروں پر تھوکنے کے لئے تمھارے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہیں۔

کئی آوازیں جواب میں آئیں۔

ہم مجبور ہو گئے تھے آقا۔ آپ کے بارے میں ساری فوج میں ایک ہی افواہ پھیلی تھی کہ آپ شہادت پا گئے ہیں۔

عبدالعلی نے بجلی ایسی تیزی سے چقماق رگڑا۔ مشعل جلائی اور اپنے چہرہ سے قریب کرتا ہوا بولا:

میرا چہرہ تم دیکھ سکتے ہو احمقو۔

ان سب نے نگاہیں اوپر کو اٹھائیں اور شرمسار ہو کر معذرت

کی عبدالعلی نے بڑے غصہ سے سر جھٹکا اور گھوڑے کی باگیں آگے کو اٹھالیں۔ ہ گھوڑے اس کے پیچھے لگ گئے۔

گو جلتی مشعل کی روشنی گھوڑے کی انتہائی تیز رفتاری کے سبب شعلہ رواں کی سی شکل اختیار کر گئی تھی اور عبدالعلی کا چہرہ صاف نظر نہیں آرہا تھا۔ مگر اس کے سفید براق گھوڑے کو اس کی سپاہ ہی نہیں رسالے کے سارے سرقسطی خوب خوب پہچانتے تھے اور مشعل کی رواں روشنی میں وہ جدھر سے گزرا۔ اور جس گھوڑے کی نگاہ اس پر اٹھی۔ اس نے اپنی سواری اس کے پیچھے لگالی۔ اور ابھی وہ سرقسط کے تیسرے سنگِ میل تک پہنچا تھا کہ قریب قریب چار ہزار گھوڑے سوار اس کے ہم رکاب ہو گئے۔

تیسرا سنگِ میل جب آیا تو اس نے اپنی سواری روک لی اور چہرہ پیچھے کو گھما کر اپنے پیچھے آتے سواروں کو حکم دیا:

جہاں جہاں پہنچے ہو وہیں وہیں رک جاؤ اور میری طرح تم بھی مشعلیں جلالو۔ تاکہ میں تمھارا شمار کر سکوں۔

اس کے پیچھے آتے سواروں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ جہاں جہاں پہنچے تھے وہیں وہیں رکتے اور مشعلیں جلاتے گئے۔

ابھی پوری مشعلیں جلی نہیں تھیں کہ سڑک کی دائیں سمت پھیلی جھاڑیاں بری طرح سرسرانے لگیں۔ عبدالعلی کی آواز گرجی۔

کمانیں سنبھال لو ساتھیو!

اس کی گرجتی آواز پہ امیرالمظفر کی کانپتی آواز چڑھ گئی:

یہ ہم ہیں عبدالعلی ۔ ہم میں سے قریب قریب ہر شخص زخمی ہے ۔

عبدالعلی نے گھوڑے کی باگیں کچھ اس طرح کھینچ لیں کہ گھوڑے کے اگلے پاؤں اوپر کو اٹھ گئے ۔ اس نے مشعل آگے کو اٹھا دی ۔ المنظہر اور اس کے ساتھی جھاڑیوں سے نکل آئے تھے ۔ وہ سچ مچ زخمی تھے ۔ اور ان میں سے اکثر کے ہاتھوں میں ٹوٹی ہوئی تلواریں تھیں ۔ بعض نے صرف دستے ہی پکڑے تھے ۔

المنظہر کے پاس تو نہ ٹوٹی ہوئی تلوار تھی اور نہ دستہ بھی تھا ۔ جسم پر چیتھڑے لپٹے تھے ۔ خون جگہ جگہ سے برس رہا تھا ۔ عبدالعلی نے گھوڑے کی باگیں پہلے سے زیادہ زور سے کھینچیں ۔ اور ساتھ ساتھ چلتے عبدالغنی کو آواز دی :۔

گھوڑے سے اتر جاؤ عبدالغنی ۔ آقا کو اپنے ساتھ سوار کر لو ۔ انہیں فوزیہ کے حضور پہنچا دو اور اسے مبارک باد دو ۔ یہ ملک اپنے تاجدار سے محروم نہیں ہوا ۔

المنظہر نے اس کی بات کاٹ لی :

اے کاش عبدالعلی ۔ میں میدانِ جنگ میں لڑتا ہوا کام آ جاتا ۔ مگر غدار وزیر اعلیٰ اور اس کے بیٹے سلیمان نے مجھے یہ سعادت حاصل ہونے نہیں دی ۔ مجھے زخمی کر کے چھوڑ دیا ۔

عبدالعلی نے اسے بات پوری کرنے نہیں دی ۔ گھوڑے کو آگے کی سمت اچھال لیا ۔ اور بڑی بے پروائی کے ساتھ بولا :

کوئی بات نہیں ۔ امیر سرقسطہ واپس تشریف لے جائیے ۔ شاہ بابا نے

خودکشی کرلی ہے اور خالی تخت آپ کا منتظر ہے۔

اس کی آواز بہت بلند ہوگئی:

اور فوزیہ کو یقین دلایئے گا آقا کہ عبدالعلی۔ محاذِ جنگ پر پہنچ چکا ہے اب صرف موت اس کا چہرہ دیکھنے کی عزت پائے گی۔

المنظہر کلبلایا:

عبدالعلی ذرا رُک جاؤ۔ میری چند باتیں سن لو۔

مگر عبدالعلی رُکا نہیں گھوڑے کو پوری تیزی سے آگے بڑھا لیا۔ اور اس کی زبان سے نکلے ہوئے خدا حافظ کے الفاظ المنظہر کے دل و دماغ پر وزنی بھالوں کی طرح برسے۔ وہ کئی بار چیخا:

عبدالعلی۔ عبدالعلی۔

مگر بھاگتے گھوڑوں کے سُم پتھریلی سڑک پر اس زور سے بج رہے تھے کہ المنظہر کی آواز ان میں بُری طرح دب کر رہ گئی۔

عبدالغنی بڑا وفادار سپاہی تھا اس نے امیر المنظہر کی چیخ و پکار اور مدافعت کے باوجود، اُسے گھوڑے کی پشت پر سوار کر لیا اور پیچھے کی سمت اڑنے لگا۔

المنظہر۔ عبدالغنی کے بازوؤں میں جکڑے ہونے کے باوجود، بار بار منہ گھما لیتا اور دُور آگے ہی آگے بڑھتی روشن مشعلوں کو دیکھ دیکھ کر دل مسوس لیتا اور اس وقت جب دور آگے کو بھاگتی مشعلیں ایک دم رک گئیں اور فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونجنے لگی تو امیر المنظہر نے عبدالغنی کے بازو

میں بری طرح کاٹ لیا۔ عبدالغنی لہراگیا۔ مگر سواری روکی نہیں۔ محض سر جھٹکا اور سیدھے راستے کو کاٹ کر دریائے ابرہ کی سمت جاتی راہ پر گھوڑے کو ڈال لیا۔ تاکہ امیر المظہر پیچھے کی طرف نگاہ اٹھائے تو اُسے کچھ نظر نہ آئے۔

عبدالغنی نے امیر المظہر کی نظر تو پھیر لی تھی مگر فضا میں ابھرتے نعرے پہلے سے زیادہ پھیل گئے تھے۔ شائد وہ پیادہ سپاہی بھی سواروں سے جا ملے تھے۔ جو سرقسطہ سے پاپیادہ بھاگتے اس طرف آئے تھے۔

روایت کہتی ہے اور بڑے فخر سے کہتی ہے کہ عبدالعلی نے سرقسطہ سے تین میل اور ایک جریب کے فاصلہ پہ وادی سرقسطہ کے تنگ نالہ میں جو لڑائی بادشاہ نبرہ فروی نند سے لڑی۔ وہ تاریخ اندلسیہ کی انوکھی لڑائی تھی۔ یہ لڑائی نماز عشا کے وقت شروع ہوئی۔ پوری رات ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ سورج طلوع کر آیا۔

اور یہ بادشاہ فروی نند تھا۔ یہ ملکہ معظمہ جلینا تھیں اور ڈیوک آف اریلہ تھے جنہوں نے عبدالعلی کے ساتھیوں سے کئی گنا زیادہ فوج رکھنے کے باوجود ایک ساتھ کئی سفید جھنڈیاں لہرا دیں۔ فوج کو لڑائی روک دینے کے احکام جاری فرمائے اور غدار وزیر اعلیٰ اور شہزادی ہلینا کو شاہی رتھ پر سوار کر کے آٹھ زخم کھائے ہوئے عبدالعلی کے حضور سفیر بنا کر بھیجا۔

یہ شاہی رتھ جس وقت عبدالعلی کے سفید براق گھوڑے کے قریب آئی تو گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں زخمی ہو چکے تھے۔ مگر اس نے اپنی پیٹھ سے

عبدالعلی کو اتارا نہیں تھا۔ عبدالعلی نے اپنے اسی تخت پر بیٹھ کر اس شاہی سفارت کو باریابی بخشی۔

وزیر اعلیٰ نے گفتگو کا آغاز کیا۔ مگر عبدالعلی نے اپنا خون ٹپکتا ہاتھ اس کی طرف اٹھا کر اسے روک دیا تھا۔ اور منہ دوسری سمت موڑ کر اپنے پہلو میں کھڑے خانقاہ سرقسط کے سب سے بڑے راہب عبدالالہ سے سرگوشی کی:۔

اس شخص سے کہہ دو یہ گفتگو کا آغاز نہیں کرے۔ یہ ہمارے ملک کا غدار ہے۔ البتہ شہزادی ہلینا اگر چاہیں تو ہم ان کی بات سن لیں گے۔

اور جب شہزادی ہلینا نے رتھ سے باہر آن کر گفتگو چھیڑی تو عبدالعلی اپنے زخمی گھوڑے کے اوپر سے اٹھا۔ آگے کو بڑھا اپنے خون ٹپکاتے ہاتھ سے خون کے چند چھینٹے شہزادی ہلینا کی قبائے زرنگار پہ پھینکے اور آنکھیں ان کے چہرہ پر گاڑتا ہوا بولا:۔

پچھلی سے پچھلی رات جب میں آپ کی چھاؤنی میں داخل ہوا تھا۔ تو مجھے اعلیٰ حضرت امیر المنذر نے آپ کی گرفتاری کے احکام دیئے تھے کہ وہ آپ سے کوئی راز کی بات پوچھنا چاہ رہے تھے۔

اس نے اپنی نگاہ نیچے کو جھکا لی اور نگاہ جھکائے جھکائے بات جاری رکھی:

ان کی اسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے ایک طرف سے میں نے اور دوسری طرف سے امیر المظہر نے شب خون مارا تھا۔ لیکن میری بہن رضیہ نے جسے اعلیٰ حضرت نے بذات خود میرے ساتھ کیا تھا مجھ سے عین نشان دہی کے وقت

بے وفائی کی۔ شائد اس لئے کہ ڈیوک آف اریولہ اور میری بہن کے منسوب عبدالغنی میں لڑائی چھڑ گئی تھی رضیہ ذہنی توازن کھو گئی۔ غلط نشان دہی کردی اور میری پھینکی ہوئی کمند میں آپ کی بجائے شہزادی میریہ لپٹی چلی آئیں۔

شہزادی ہلینا نے ایک دم اپنے منہ پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے اور سسکیاں بھرنے لگی۔ عبدالعلی نے اپنے خون ٹپکاتے بازو کو ایک بار اور جھٹکا اس کے خون کے چند قطرے شہزادی ہلینا کی گردن تک جا پہنچے شہزادی ہلینا نے بجلی ایسی تیزی سے اپنے ہاتھ چہرہ سے ہٹالئے اور چیخی :۔

لڑکے تو اپنے باپ سے ہر لحاظ سے مشابہ ہے۔ اس کا مزاج بھی بالکل تیرے ایسا تھا۔

عبدالعلی نے اس کے چہرہ پہ نگاہ اچھال دی۔

تو پھر اعلیٰ حضرت بہت ٹھیک کہتے تھے کہ آپ میرے باپ سے بہت قریب تھیں۔

شہزادی ہلینا پہلے سے زیادہ زور سے چیخی :۔

تم بہت گستاخ ہو لڑکے اگر تمھارے باپ کو اس گستاخی کا علم ہوا تو وہ تمھیں سخت سزا دیں گے۔

عبدالعلی نے انتہائی غصہ بھری نگاہ رتھ میں بیٹھے ہوئے وزیر اعلیٰ پہ ڈالی اور انتہائی پژمردہ آواز میں جواب دیا :

میرے باپ اگر زندہ ہوتے تو شہزادی محترمہ میری بجائے اسوقت وہ آپ سے مخاطب ہوتے۔

شہزادی نے بری طرح چیخ کر اس کی بات کاٹ لی:

تو وہ کیا زندہ نہیں ہیں۔ کیا کینہ پرور المنذر نے ان سے دس سال پہلے کا انتقام لے لیا ہے۔ اور اپنی بد باطنی کے سبب ہیروں ایسے ان مول وجود سے اس دنیا کو محروم کر دیا ہے۔

انھوں نے مٹھیاں بھینچ لیں اور دیوانی عورت کے سے انداز میں اپنی بھنچی ہوئی مٹھیوں کو فضا میں پٹخنے لگیں۔ عبدالعلی نے ان کی سمت گھرائی گھرائی نگاہ اٹھائی۔ گو اس کا ذہنی توازن بھی بگڑ گیا تھا۔ لیکن اس نے وزیر اعلیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شہزادی کو آگاہ کیا:

میرے باپ کے قاتل اعلیٰ حضرت المنذر نہیں تھے۔ یہ بد بخت وزیر اعلیٰ ہے جسے آپ اپنی رتھ میں بٹھا کر بہ طور سفیر میرے پاس لائی ہیں۔

رتھ میں بیٹھے وزیر اعلیٰ کی آواز ایک دم اس کی آواز پر چڑھ گئی۔

یہ جھوٹ بول رہا ہے شہزادی صاحبہ۔

عبدالعلی نے راہب عبدالالہ کو آواز دی:

راہب عبدالالہ اس بد بخت غدار کو اپنے نیزے کی نوک سے اتنے قدم پیچھے ہٹا دو جتنے قدم یہ آگے بڑھا ہے اور اسے آگاہ کر دو کہ اعلیٰ حضرت المنذر نے خود کشی کر لی ہے اور اپنے آپ کو میرے تایا ابا کے قتل کے جرم میں خود ہی سزا دے لی ہے۔

عبدالالہ نے نیزے کی انی سیدھی کر لی۔ بزدل وزیر اعلیٰ کانپ کر پیچھے کی سمت بھاگا۔ اور ذبح کئے جانے والے بکرے کی طرح چیخا:

اعلیٰ حضرت بادشاہ فرزند۔ اب ہم صلح نہیں کریں گے۔

ادھر سے لاتعداد سوار آگے کو دوڑ پڑے۔ عبدالالہ کے ساتھیوں نے بھی ہتھیار اٹھالئے۔ لیکن عبدالعلی گرجا:

خبردار اگر تم میں سے کوئی اس وقت تک آگے بڑھا جب تک شہزادی ہلینا اپنے رتھ میں سوار نہیں ہو جاتیں۔

البتہ کمانیں سیدھی کر لو تیر چلوں پر چڑھا لو۔ اور اگر دشمن پہل کرے تو اس پر اس طرح تیر برساؤ کہ وہ آگے نہیں آ سکے۔

شہزادی ہلینا ہماری مہمان ہیں۔ وہ ہماری اجازت سے ہمارے پاس آئی ہیں۔ اور ان کی سلامتی ہمارے دین و ایمان کی سلامتی کے برابر ہے۔

ہم ان پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔

اس نے شہزادی کی طرف دیکھا۔ شہزادی جوں کی توں اپنی جگہ پہ کھڑی تھی اس کی مٹھیاں کھنچی تھیں۔ آنکھیں بہ رہی تھیں اور یہ بہتی آنکھیں عبدالعلی پر اس طرح گڑی تھیں۔ جیسے ماں کی آنکھیں ہوں۔

عبدالعلی نے ان آنکھوں کو دیکھا۔ ان آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کی روانی پر نگاہ کی۔ بڑے ادب سے اس کے سامنے جھکا اس کے دامن کو بوسہ دیا۔ اور بہت ہولے سے کہنے لگا:۔

گو آپ کی بہتی آنکھوں نے مجھ سے وہ راز کہہ دیا ہے جو میرے باپ نے مجھ سے ہمیشہ چھپایا اور جس کی سمت بوڑھے بادشاہ المنذر نے اشارہ کیا تھا۔ لیکن اگر آپ۔

شہزادی ہلینا نے اپنی بند مٹھیاں ایک دم کھول کر اپنا چہرہ چھپا لیا۔ رتھ کی طرف بھاگی اور چیخی:۔

تم بالکل غلط سمجھے ہو عبدالعلی۔ بالکل غلط سمجھے ہو۔

اس کی آواز پر شاہ فرونن کی گھرائی گھرائی آواز چڑھ گئی:

کسی اور موضوع میں نہیں اُلجھو ہلینا۔ عبدالعلی سے دو ٹوک بات کرو۔ اگر وہ ولی عہد شہزادی کو تمھارے بدلے میں ہمیں دے سکے تو ہم کل شام سے پہلے پہلے سرقسط کی حدود سے نکل جائیں گے۔

عبدالعلی نے منہ گھمایا اور خانقاہ کے راہب اعظم عبدالالہ سے کہا۔

آواز دو عبدالالہ۔ ہم نے گو شہزادی میریہ کو لڑائی لڑ کر جیتا تھا اس کے باوجود ہمیں یہ سودا سو سو بار منظور ہے۔

مگر شہزادی ہلینا کو یہ سودا منظور نہ تھا۔ وہ ایک دم اپنی رتھ میں سوار ہوگئی۔ اور رتھ کو پیچھے کو دوڑا لیا۔

عبدالعلی اس کے پیچھے لپکا اور پکارا:

آپ اگر مجھ سے صرف اتنا کہہ جائیں کہ امیر المنذر بالکل بچہ نہ تھے تو بھی میں شہزادی میریہ کو واپس کر دوں گا۔

مگر شہزادی ہلینا نے اپنی رتھ نہیں روکی۔ عبدالعلی کے سوال کا جواب نہیں دیا اور زخمی عبدالعلی کتنی دور تک بھاگتا چلا گیا۔ وہ تو صرف اسوقت رکا۔ جب دشمن کی طرف سے ایک اڑتا ہوا تیر اس تک آیا۔ اور اس کے بازو میں عین اسی جگہ آن چبھا جو پہلے سے زخمی تھا اور جس پر پٹی بندھی تھی۔

عبدالعلی کے ساتھیوں نے اس ایک تیر کے جواب میں ہزاروں تیر ایک ساتھ دشمن پر برسا دیئے اور رکی ہوئی لڑائی ایک بار پھر شروع ہو گئی۔

راہب عبدالالہ نے عبدالعلی کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ اسے محاذ جنگ سے پیچھے ہٹا لایا۔ اس کے بازو میں چبھا ہوا تیر اپنے دانتوں سے نوچا۔ خون کا فوارہ چھوٹا۔ عبدالعلی کی آنکھیں قریب قریب بند ہو گئیں۔ مگر راہب عبدالالہ نے جو راہب کے ساتھ ساتھ جراح بھی تھا۔ اس کے زخمی بازو کی کچھ اس طرح مرہم پٹی کی کہ عبدالعلی کی بند آنکھیں چند لمحوں ہی میں کھل گئیں۔

لڑائی اپنے شباب پر پہنچ چکی تھی تیرانداز تلواریں سنبھال چکے تھے اور کافی دور تک دشمن صفوں میں گھس گئے تھے۔ عبدالعلی نے بڑی ندامت کے ساتھ اپنے آپ کو راہب عبدالالہ کے بازوؤں میں سے نکال لیا۔ اور گھوڑے کی پیٹھ پھر سے سنبھال لی۔ عبدالعلی جن صفوں میں بھی پہنچا۔ ان کے حملے پہلے سے کہیں زیادہ شدت اختیار کر گئے۔ اور اس دن کا سورج ابھی مائل بہ غروب ہوا ہی تھا کہ زخمی عبدالعلی دشمن میسرہ و میمنہ کو الٹتا۔ قلب میں جا پہنچا اور یہ قلب بھی بہت تھوڑی دیر میں الٹ ڈالا اور شاہ فرزند اور اس کی بہادر وغیرہ فوجیں کچھ اس طرح منتشر ہوئیں کہ شاہی رتھ تک پیچھے چھوڑ گئیں۔ شاہی خیمے تک اکھیڑنے لازم نہیں جانے۔

٭

باب ۱۴

شہزادی ذہبہ نے اپنے گرد پھیلے رضیہ کے ہاتھ خاصی درشتی کیساتھ جھٹک دیئے اور اوپر کو اٹھنے کی جدوجہد کرتی ہوئی چیخی :

یہ تم نے میرے پاؤں کیا پلنگ سے اس لئے باندھ دیئے ہیں کہ میں فاتح عبدالعلی کو اس کی اتنی بڑی کامیابی پر مبارک باد دینے نہ جا سکوں۔

اس نے رضیہ کے بال نوچ لئے اور بڑبڑائی :

ظالم میرے پاؤں کھول دے۔ میرے پاؤں کھول دے۔

رضیہ نے اس کی باہیں بڑی مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں اور آنکھوں میں آنسو بھر کر معذرت کی :

شہزادی صاحبہ میں نے آپ کے پاؤں نہیں باندھے۔ آپ عبدالعلی کے پیچھے بھاگتیں۔ کھنڈر میں گر پڑی تھیں اور آپ کے دونوں پاؤں بری طرح زخمی ہو گئے تھے۔

ذہبہ نے پاگلوں کی طرح سر اوپر کو اٹھا کر اپنے پاؤں پر نگاہ ڈالنے کی کوشش کی اور بڑبڑائی:۔

تو جھوٹی ہے رضیہ۔ تو بالکل جھوٹی ہے۔ تو میری اور عبدالعلی کی محبت سے جلتی ہے۔ حالانکہ ظالم عبدالعلی تیرا ماں جایا بھائی ہے۔

رضیہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ ذہبہ نے اپنے ہاتھ پھر اس کے ہاتھوں سے چھڑا لئے اور اس کے بال مٹھیوں میں جکڑ لئے۔ رضیہ نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ ذہبہ نے آپ ہی آپ اپنی مٹھیاں کھول لیں، اور ہاتھ پلنگ پر رکھ کر اوپر کو اٹھنے کی کوشش کی۔ اس ناکام کوشش کے سبب اس کے پاؤں کے زخم ہل گئے۔ درد کی لہر میں ایک دم اٹھیں وہ گھبرا گئی۔ اپنے آپ کو سمیٹ لیا۔ اور رضیہ کی طرف دیکھا۔ رضیہ ابھی تک سسکیاں لے رہی تھی۔ ذہبہ نے اپنا جسم رضیہ پر ڈال دیا۔ اور ایک معصوم بچی کے سے انداز میں اس سے معذرت کی:

تو سچی تھی رضیہ میں جھوٹی ہوں۔ میرے منہ پر تھپڑ مارو اور میرے بال اسی طرح نوچ لو جس طرح میں نے تمھارے بال نوچے تھے۔

رضیہ نے اس کے زرد زرد چہرہ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور سرگوشی کی:

آپ شہزادی ہیں اور میں۔ اور میں

اس کی آواز پر فوزیہ کی گھبرائی گھبرائی آواز چڑھ گئی:۔

تم جو کچھ بھی ہو رضیہ۔ عبدالعلی آدھی سیڑھیاں طے کر چکے ہیں۔ وہ

شہزادی صاحب سے مبارک باد وصول کرنے ان کے پاس آ رہے ہیں۔ وہ مجھ
سے پوچھ رہے تھے سارا سر قسط انہیں مبارک باد دینے آیا۔ ایک ایک
بچے اور ایک ایک عورت نے ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ لیکن
شہزادی ذہبہ کیوں نہیں آئیں۔

شہزادی ذہبہ نے اپنی باہیں رضیہ کے گلے سے نکال لیں اور انتہائی
معصومیت کے ساتھ پوچھا:

پھر تم نے ان سے کیا کہا فوزیہ عالیہ!

فوزیہ نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ عبدالعلی کے بھاری قدموں
کی چاپ سنائی دینے لگی۔ فوزیہ نے اپنا منہ بہت آگے کو کر کے خاصی اونچی
آواز میں جواب دیا۔

وہ خود ہی تمھارے پاس پہنچ گئے ہیں۔ تم جو چاہو ان سے کہہ لو۔

شہزادی ذہبہ کے زرد زرد چہرہ پر ایک دم سرخی جھلک آئی اور یہ سرخی
تو اس وقت عجیب رعنائی میں بدل گئی۔ جب عبدالعلی کھلے دروازہ میں آن
پہنچا اور گردن کو خاصا خم دیتے ہوئے حاضری کا اذن مانگا

شہزادی ذہبہ کی نگاہیں پہلی بار اوپر کو اٹھ گئیں مگر آپ ہی آپ
گر گئیں اور پھر آنسو کچھ اس طرح امنڈ امنڈ آئے جیسے ساون بھادوں کی
جھڑی لگ گئی ہو۔ فوزیہ نے بجلی ایسی تیزی سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں
میں لے لئے اور سرگوشی کی!

تاریخ قسط کا سب سے بڑا فاتح عبدالعلی تم سے حاضری اذن مانگ

رہا ہے۔ اور نم آنسو ٹپکانے لگی ہو۔

ذہبہ پہلے صرف آنسو ٹپکا رہی تھی۔ اب سسکیاں بھرنے لگی اور رضیہ کے گریبان میں منہ چھپا لیا۔ فوزیہ نے منہ موڑا۔ اور عبدالعلی کو آواز دی:

عبدالعلی۔ شہزادی ذہبہ شانئہ۔ آپ کی حاضری مناسب نہیں جانتیں۔

ذہبہ کی کانپتی آواز اس کی آواز پر چڑھ گئی:۔

نہیں۔ نہیں فوزیہ نہیں۔ نہیں۔ باندی کی یہ کہاں مجال کہ آقا در وانے پہ آئیں اور وہ ان کی حاضری ناگوار جانے۔

اور وقت کے اس عظیم فاتح کے سارے رونگٹے ایک دم کھڑے ہو گئے۔ اچانک المظہر کا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔ فوزیہ کی چیختی آواز نے اس قہقہے کو کاٹ دیا:

آپ اعلیٰ حضرت یوں قہقہے کیا اس لئے مارنے لگے ہیں کہ عبدالعلی آپ کے بچپن اور جوانی کا ساتھی ہونے کے باوجود آپ کی تیمارداری سے پہلے شہزادی ذہبہ کے حضور حاضر ہوا ہے۔ عورت کی محبت آپ کی محبت اور اس کے تعلق خاطر پر غالب آگئی ہے۔ عبدالعلی کے جسم پر عجیب کپکپی طاری ہو گئی۔

وہ زخمی ہونے کے سبب پورے نو دن اور سات راتیں چھاؤنی میں گزارنے کے بعد۔ آج صبح شہر میں داخل ہوا تھا۔ وہ قدم قدم پہ رکتا اور لاکھوں عوام کی مبارک بادیں وصول کرتا۔ بڑی مشکل سے شاہی محل میں پہنچا تھا۔ وہ نہ جانے المظہر سے کیا کچھ کہنے آیا تھا۔ فوزیہ نے اس پر

اس قسم کی طنز کی تو اس کا جی چاہا پچھلے پاؤں لوٹ جائے مگر المظہر کی محبت اس کے پاؤں کی زنجیر بن گئی۔ اور اس نے اپنا رُخ ایک دم اس کھلی بارہ دری کی طرف پھیر لیا۔ جدھر سے المظہر کا قہقہہ تھوڑی دیر پہلے گونجا تھا۔

یہ کھلی بارہ دری۔ شہزادی ذہبیہ کی خواب گاہ سے صرف بارہ قدم کے فاصلہ پر تھی عبدالعلی نے یہ فاصلہ ابھی طے نہیں کیا تھا کہ ذہبیہ کی کانپتی لرزتی آواز پھر سُنائی پڑی:۔

اپنی ناچیز باندی کے دوارے آن کر آقا شائد روٹھ گئے ہیں رضیہ بھاگ کر انہیں منا لاؤ۔

عبدالعلی کے پاؤں جیسے جم گئے تھے۔ مگر یہ جمے پاؤں اس وقت پھر آگے کو اُٹھنے لگے۔ جب فوزیہ کی آواز پہلے سے زیادہ تمسخر لئے ہوئے سُنائی دی:۔

آقا کو روٹھنا زیب دیتا تھا۔ ذہبیہ۔ انھوں نے تاریخ متوسط کی سب سے بڑی فتح پائی ہے۔

اسی گھمنڈ میں تو وہ برابر نو دن اور سات راتوں کے بعد شہر میں داخل ہوئے ہیں ان کی فاتحانہ مصروفیتیں بہت ہو گئی تھیں شائد۔ المظہر نے ایک بار اور قہقہہ مارا۔ ابھی اس کا قہقہہ جاری تھا کہ عبدالعلی اس تک جا پہنچا اور خاصی تلخی کے ساتھ پوچھا:۔

اعلیٰ حضرت۔ کیا یہ قہقہے آپ اس لئے بلند کر رہے ہیں کہ میری چچیری بہن فوزیہ اپنے اور میرے باپ کی پے درپے موت کے ساتھ ساتھ میرا اور اپنا

خونی رشتہ بھی فراموش کر گئی ہے۔

المظہر قریب قریب کانپنے لگا۔ اور نگاہیں نیچی کئے کئے جواب دیا:

یہ بات نہیں تھی میرے بچپن کے ساتھی۔

اس نے یہ کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ جسم پر ہر سمت لپٹی ہوئی چادر سے باہر نکال لئے اور انھیں آگے بڑھا دیا۔ یہ دونوں ہاتھ کٹے ہوئے تھے ان پر لکڑی کی چپٹیاں بندھی تھیں۔ عبدالعلی نے ان ہاتھوں پر نگاہ کی تو بجلی ایسی تیزی سے اس کے پہلو میں دوزانو ہو کر اپنے تندرست ہاتھ سے اس کے جسم پر لپٹی چادر نوچ ڈالی۔ اس کے ہاتھوں کی طرح اس کی دونوں ٹانگیں بھی لانبی لانبی دو طرفہ چپٹیوں میں لپٹی تھیں۔ اور وہ بھی کٹی ہوئی تھیں۔ عبدالعلی نے بہت زور سے سر جھٹکا۔ اپنے کانپتے تندرست ہاتھ سے نوچی ہوئی چادر المظہر کے جسم پر ڈال دی اور اس کی بالیں پر سر رکھ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔

المظہر نے اپنے پٹی بندھی دونوں ہاتھ بڑی مشکل سے آگے کو سرکا کر عبدالعلی کے سر کو چھو لیا۔ عبدالعلی اب سسکیاں لینے لگا۔ ہولے ہولے چلتی فوزیہ دروازہ میں آن پہنچی۔ عبدالعلی کو سسکیاں لیتے دیکھا تو زور سے پاؤں بجائے۔ اور انتہائی تمرد کے ساتھ گرجی:

اب عورتوں کی طرح رونے لگے ہو عبدالعلی اور نو دن پہلے سرقسطہ کے زخمی تاجدار کو عبدالغنی کے سپرد کرتے وقت اس کے زخم تک چھونے کی تکلیف گوارا نہ کی تھی۔ یہ تک جاننا ضروری نہ سمجھا کہ زخموں کی نوعیت کیا ہے۔ اگر وقت پر مرہم پٹی ہو جاتی تو ان کے ہاتھ کٹتے اور نہ پاؤں۔

المنظہر کی کپکپاتی آواز نے اس کا سلسلۂ کلام توڑ دیا۔
مجھ میں اور میرے دوست میں غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرو فوزیہ! وہ میرا بھی محسن ہے اور اس ملک کا بھی۔

فوزیہ نے اپنی خشمگیں نگاہ اس انداز سے ان دونوں پر ڈالی جیسے ان دونوں کی حکمران ہو۔ عبدالعلی کا روتا چہرہ بالیں سے آٹھ چکا تھا۔ مگر آنسو گالوں پر بہ رہے تھے۔ فوزیہ نے اسے گھور گھور کر دیکھا۔ آگے بڑھی اور عبدالعلی کے زخمی بازو پر بندھی ہوئی دو طرفہ پٹی کو چھوتی ہوئی کہنے لگی۔

کیا یہ مصنوعی پٹی باندھ کر یہاں اس لئے ہو کہ اعلیٰ حضرت کے زخموں کا منہ چڑاؤ۔

اس نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا دیں۔ اسے اوپر کو اٹھایا اور بڑبڑائی۔

بخدا عبدالعلی اگر بیس سال کی یکجائی میں مجھے کبھی محسوس ہوتا کہ تمہارا ظرف اتنا چھوٹا ہے تو میں تم سے اپنا خونی رشتہ تک کاٹ لیتی۔

نقیب کے سے انداز میں پکار نے عبدالغنی کی آواز اس کی آواز پر چڑھ گئی۔

امیر عبدالعلی اسرقسطہ کے عیسائی گرجوں کے بڑے پادری مبارکباد عرض کرنے کے لئے صحن چمن میں آن پہنچے ہیں۔ وہ انجیل مقدس کے کئی نادر نسخے اپنے ساتھ لائے۔ تاکہ آپ کے حضور اس عظیم فتح

پر بطور نذر پیش کریں۔ ان کے ساتھ نیرہ کی ایک سفارت بھی ہے۔
فوزیہ نے اپنی انگلیاں اس کے بالوں سے الگ کر لیں۔ اور پہلے سے زیادہ تلخی کے ساتھ بولی۔
جاؤ عبدالعلی۔ یہ نذرانے قبول کر و لیکن یہ نہ بھولیو کہ اگر اعلیٰ حضرت تمہاری بے وقت واپسی کے سبب شکست نہ کھا جاتے تو تمہارے بجائے یہ نذرانے ان کے حضور پیش ہوتے۔ اور نیرہ کی سفارت ان کے سامنے باریاب ہوتی۔
المنظفر نے اس کی بات کاٹ لی:
بخدا فوزیہ! تم عبدالعلی کو اس کی چچیری بہن ہوتے اور اس کے ساتھ بیس سال بتانے کے باوجود قطعاً نہیں سمجھا۔
اس کا ظرف تمہارے ظرف سے کہیں اونچا اور اس کا دل تمہارے دل سے کہیں وسیع ہے۔
فوزیہ تلخی سے مسکرائی اور اعتراض کیا۔
اگر اعلیٰ حضرت۔ آپ اس ملک کے تاجدار نہ ہوتے تو میں آپ کو اس گستاخی پر سخت سزا دیتی۔
اس نے عبدالعلی کو آگے دھکیلا اور بڑبڑائی:
یہ دہلیز ابھی اسی لمحہ چھوڑ دو بے وفا عبدالعلی۔
ورنہ میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔
عبدالعلی کا ذہن بری طرح شل تھا۔ پاؤں آگے کو نہیں اٹھ رہے

تھے۔ اعضا میں عجیب قسم کا تشنج بھر گیا۔ اس نے پاؤں آگے کو اٹھائے تو
مگر یہ پاؤں من من بھر بوجھل تھے۔ اس نے دیوار کا سہارا لے لیا۔ اور جب
وہ یوں سہارا لیتا آگے بڑھ رہا تھا۔ فوزیہ اپنا منہ اپنے دونوں ہاتھوں میں
چھپائے سسکیاں بھر رہی تھی اور اعلیٰ حضرت اس سے ہولے ہولے کہہ
رہے تھے:

عبدالعلی کی تم نے اس طرح توہین کیوں کی فوزیہ۔ اس نے تو اس ملک
پر عظیم ترین احسان کیا ہے۔ اس نے تو اس ملک کو اغیار کی غلامی سے
نجات دلائی ہے۔ ورنہ میں تو ہاتھ اور پاؤں کٹوانے کے بعد اس ملک کی
غلامی پر مہر لگا چکا تھا۔

ایک نازک سی مہین آواز اس کی آواز پر غالب آگئی۔

آپ کی ہونے والی ملکہ عالیہ کو یہی تو غم ہے عالی جاہ کہ آپ کے
تو ہاتھ اور پاؤں بھی کٹ گئے اور فتح کا سہرا عبدالعلی کے سر بندھ
گیا ہے۔ اگر آپ کی ہونے والی ملکہ عالیہ نے وہ منظر دیکھا ہوتا جب عبدالعلی
اکتیس ہزار سواروں کی صفیں چیر کر میرے باپ کے شاہی چتر تک پہنچا۔
اور مجھ پر کمند پھینکی تھی تو یہ اس سے جلنے کی بجائے اپنی زلفوں کی نمی اور
آنکھوں کی بینائی اس کے راستہ میں بچھا دیتی۔

فوزیہ کی سسکیاں ایک دم رک گئیں۔ چہرے پر رکھے ہاتھ الگ
ہو گئے۔ اس نے اپنا خوبصورت سر کافی اوپر کو اٹھا لیا۔ قیدی شہزادی میرا کے
دونوں ہاتھوں میں پڑی سونے کی ہتھکڑی بجائے جبروکہ سے لگی کھڑی تھی۔

اس کی لانبی لانبی شربتی آنکھیں عجیب نشہ اُبل رہی تھیں۔ فوزیہ نے سر کو جھٹکا اور سخت کھسیانی ہو کر ثمینہ کو آواز دی۔

ثمینہ تو نے اس قیدی شہزادی کو اتنی آزادی کیسے دے دی ہے کہ یہ شاہی جھروکے تک بڑھی چلی آئی ہے۔

شہزادی میریہ کھل کھلا کر ہنس پڑی اور لانبی لانبی آنکھیں جھکائے کہنے لگی۔

میں بے حد شرمندہ ہوں ہونے والی ملکہ عالیہ۔ میں شاہی جھروکے تک کبھی نہ آتی یہ حوصلہ نہ کرتی اگر آپ نے اپنے ملک کے عظیم محسن کے خلاف جنگ چھیڑنے کی دعوت نہ دی ہوتی۔

پاک مریم کی قسم۔ اگر میرے ہاتھ کھلے ہوتے تو میں یہاں آنے کی بجائے اپنی جھولی گلاب کے غنچوں سے بھر لیتی اور اس عظیم فاتح کے راستے میں بچھا دیتی جس نے میرے اس باپ پر فتح پائی ہے جو ڈیڑھ لاکھ سپاہ اپنے ہم رکاب لے کر اس ملک پر چڑھ آیا تھا۔ اس کی ساری منظم فوجیں منتشر کر دی تھیں۔

فوزیہ نے تپائی پر رکھا گلدان علی ایسی تیزی سے اٹھا کر اس پر اچھالا۔ اس نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ گلدان آگے کو نکل گیا اور چھن سے دیوار سے جا ٹکرایا۔ علی حضرت چیخے۔

فوزیہ۔ تم کیا پاگل ہو گئی ہو۔

فوزیہ سچ مچ پاگل ہو گئی تھی۔ وہ آگے کو اچھلی۔ اس نے میریہ کے

دونوں کندھے پکڑ لیے اور اسے بڑی سختی کے ساتھ ڈھکیلتی اس بارہ دری میں لے آئی جو اس کے قید خانہ کے طور پر پچھلے دنوں سے استعمال کی جارہی تھی اور بکریوں کے میمنوں نے کھیلتی ثمینہ کو ڈانٹا۔

ثمینہ تم یہاں میمنوں سے کھیل رہی ہو اور یہ عبدالعلی شہزادی وہاں میرے منہ پر تھوکنے گئی تھی۔

اسے اس وقت تک سنہری زنجیر میں باندھ دو جب تک اس کا فاتح عبدالعلی مفتوح قوم سے نذرانے سمیٹتا ہوا یہاں تک نہیں آتا۔ اور اس کی جھولی میں اپنی فتح کے پھول نہیں ڈال دیتا۔

اس نے دانت پیسے۔

یہ خوب ہے کی طرح عبدالعلی کی خوبصورتی اور اس کے بازووں کی مضبوطی پر شاید ریجھ گئی ہے مگر یہ نہیں جانتی وہ کمبخت بھونرا ہے وہ پھولوں کا رس پینے کا عادی ہے، وفا شعار نہیں ہے

شیفتہ نے ایک سانس دو میمنے اپنی جھولی میں بھر کر اس کی سمت دیکھا، مسکرائی اور بہت ہولے سے جیسے راز کی بات کہہ رہی ہو شکایت کی۔

آپ کی زبانِ مبارک تو ہمیشہ پھول بھیرا کرتی تھی۔ کہیں آپ کے ابا اور چچا میاں کی پے در پے موتیں تو اس تلخی کی موجب نہیں

بن گئیں۔

فوزیہ نے اس کی بھری گود میں رکھے میمنے ہاتھ مار کر نیچے کو گرا دیئے اور اسی کے سے انداز میں کہنے لگی۔

ثمینہ! میں نے تمہاری توجہ کسی اور طرف دلائی تھی۔ تم میرے مزاج کا تجزیہ کرنے پر تل گئیں۔

ثمینہ رکوع کے بل جھکی۔ اس کے دامن کو بوسہ دیا اور بہت ہولے سے معذرت کی۔

سیدہ آپ خوب جانتی ہیں۔ میں آپ کے بابا اعلیٰ حضرت مولا حسن کی اردول میں ایک لمبا وقت گزار چکی ہوں۔ اور آپ سے مجھے وہی عقیدت ہے جو اعلیٰ حضرت شہید سے تھی۔ وہی محبت ہے جو کوئی ماں کسی بچی کو دے سکتی ہے۔

رضیہ نے اچانک اُسے پکار لیا۔

ثمینہ مرہم کہاں رکھی ہے۔ شہزادی ذہبہ نے پاؤں پٹخ پٹخ کر پٹیاں کھول لی ہیں۔ خون بُری طرح رسنے لگا ہے۔

ثمینہ نے فوزیہ کے حضور رکوع میں جھکا سر اوپر کو اٹھایا پوچھا۔

اجازت ہو تو چلی جاؤں اور مرہم دے دوں۔

فوزیہ نے سر جھٹکا اور منہ دوسری طرف پھیر کر باہر کی طرف لپک گئی۔ ثمینہ نے شہزادی میریہ کے ہتھکڑیوں میں بندھے ہاتھ سینہ

پیر رکھ لئے،

اور بہت ہولے سے سرگوشی کی۔

اس کا باپ بادشاہوں کا بادشاہ اور سلطانوں کا سلطان تھا۔ بیس لاکھ قسطی اس کے پاؤں کی دھول سرمہ بنانے کو بڑی سعادت سمجھتے ـــ اس کی اچانک موت سے اس لڑکی کا دماغ اپنا توازن کھو چکا ہے۔ اسے معاف کر دیجئے گا۔

وہ یہ کہتی آگے کو دوڑی اور آواز دی۔

میں آگئی، رضیہ بیٹی!

اس نے طاق میں سے مرہم اٹھائی اور رضیہ بیٹی تک جا پہنچی۔

شہزادی ذہبہ ابھی تک اپنے پاؤں پٹخ رہی تھی ـــ لہولہان پنڈلیاں ادھڑ گئی تھیں اور دونوں پاؤں کے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا۔ ذہبہ تو ہاتھ بھی پٹخ رہی تھی اور سر بھی مگر رضیہ اسے بری طرح اپنے بازوؤں میں جکڑے تھی۔

ثمینہ نے ان دونوں پر نگاہ کی۔ رضیہ کا چہرہ لال سرخ تھا۔ اور شہزادی ہلدی کی طرح زرد پڑی تھی اور آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے چشمے رواں تھے۔

ثمینہ شاید ذہبہ کے چہرے کی زردی اور اس کی آنکھوں سے

بہنے والے راز سے خوب واقف تھی کہ بڑی خاموشی کے ساتھ
بالیں کے قریب جھکی دونوں پاؤں گرفت میں لے لئے اور پٹیاں
باندھنے لگی - لیکن ایک حرف زبان پر نہیں لائی -

باب ۱۵

نبرٹی سفیر کبیر نے اپنا منہ عبدالعلی سے بہت قریب کر لیا۔ اور بہت ہولے سے سرگوشی کی۔

اور یہ تحفہ صرف آپ کی ذات کے لئے شہزادی ہلینا نے عطا کیا تھا اور فرمائش کی تھی کہ آپ اسے تنہائی میں کھولیں۔

اس نے چمکتے موتیوں سے مرصّع ڈبّہ عبدالعلی کے ہاتھ پر رکھ دیا عبدالعلی کا یہ ہاتھ بری طرح کانپنے لگا اور اس کا جی چاہا کہ سفیر کبیر اور اس کے سارے ناگتی ہوا کے جھونکے کی طرح ایوانِ عام سے نکل جائیں اور وہ اس مخصوص ڈبّے کو کھول لے۔

سفیر کبیر نے اس کے ہاتھ پر جو بائی یہ کپکپی محسوس کر لی تھی یا وہ جو کچھ کہنے آیا تھا کہہ چکا تھا کہ جانے کا اذن مانگا۔ عبدالعلی نے رسماً اس کا شکریہ ادا کیا اور عبدالغنی کو حکم دیا۔

انہیں شاہی مہمان خانے تک پہنچا دو۔ ہم شام کا کھانا ان کے ساتھ تناول کریں گے۔

سفیر کبیر نے بڑے تکلف کے ساتھ سر کو جنبش دی اور شاہی مسند خالی کر دی۔

عبدالعلی نے ناروغۂ ایوان کی سمت دیکھا اور اسے اشارہ کیا دروازہ بند کر دے۔ جوں ہی دروازہ بند ہوا عبدالعلی نے بڑی بے تابی کے ساتھ ڈبہ کھول لیا۔ چمکتے موتیوں سے مرصع ایک سنہرے مصنوعی سنبولیا ڈبہ کی تہ میں لپٹا تھا۔ عبدالعلی کی آنکھیں شرارے اُبلنے لگیں اور اس نے بڑے غصہ کے ساتھ یہ ڈبہ سنگ مرمر کے فرش پر دے مارا۔ چمکتے موتیوں سے مرصع سنپولئے کے کتنے ہی موتی اس کی سنہری کھال سے اکھڑ گئے۔ اس کی کھوپڑی دو ٹکڑے ہو گئی اور اس میں چھپا سفید رنگ کا تہ بہ تہ کاغذ باہر کو جھانکنے لگا۔

عبدالعلی کا سارا غصہ جاتا رہا۔ وہ بڑی بے تابی کے ساتھ نیچے کو جھکا۔ بجلی ایسی تیزی سے سنپولئے کی ٹوٹی ہوئی کھوپڑی میں تہ بہ تہ سفید کاغذ نوچ لیا اور اسے کھولا۔

شہزادی نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ عبدالعلی سے خطاب کیا کیا تھا اور لکھا تھا۔

یقین جانو عزیز عبدالعلی۔ تمہارا باپ مجھے دنیا کے ہر رشتے، ہر نعمت اور ہر سرمایہ سے زیادہ عزیز تھا۔ میں اسے کائنات کا حاصل جانتی

اور اس کے لیئے ہر بڑی سے بڑی قربانی کر سکتی تھی۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو میں اس کے ذریعہ تم سے درخواست کرتی۔ نبرہ کی سفارت کو جو تم سے ولی عہد میریہ کی واپسی کا مطالبہ کرنے آئی ہے ناکام واپس کردو۔

تمہیں یاد ہوگا اس دن جب تم نے مجھ پر کمند اچھالی تھی میں بجلی کی طرح پیچھے ہٹ گئی تھی۔ میں نے جان بوجھ کر اڑتی کمند اپنی بجائے میریہ تک پہنچنے دی تھی۔ حالانکہ میں جانتی تھی تم نے مجھے اور صرف مجھے اٹھانے کے لئے اس قدر صعوبتیں اٹھائی تھیں۔ تم نے میری اور وزیر اعلیٰ کی سفارت کے وقت میری واپسی اور میری جگہ میریا کی تبدیلی کا جو مطالبہ کیا تھا اسے میں لازماً قبول کر لیتی کہ میرا جی بہت چاہتا تھا کہ میں اپنی بیٹی ذہبیہ اور تم اور رضیہ کے پاس رہوں اور تمہاری جوانی کو سرخرو ہوتے دیکھوں۔

لیکن اس لمحہ جب تمہاری کمند فضا میں لہرائی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے تمہارے باپ مولا حسین اچانک نمودار ہو گئے ہوں اور کہہ رہے ہوں اپنی ممتا کی قربانی دے دو۔ اور میرے بچے اور اس کے ملک کے مفاد کی خاطر یہ کمند میریا تک پہنچ جانے دو۔ میریہ نبرہ کی ولی عہد ہے اور نبرہ نے میرے ملک کی آزادی دس سال تک چھینے رکھی ہے۔ میرے ملک سے پچاس ہزار اشرفیاں خراج میں لی ہیں۔ اس نے میرے ملک کی جو توہین کی ہے۔ اس کا بدلہ اسی طرح لیا جا سکتا ہے کہ نبرہ کی ولی عہد اغوا ہو جائے اور وہ میرے بیٹے کی اولاد جنے۔

تم نہیں جانتے عبدالعلی تمہارا یہ باپ میری روح کی حیثیت رکھتا

تھا اور اس کی خواہش کی تکمیل کی خاطر میں اپنے بھائی کی اولاد کا ہی نہیں اپنی اولاد کا گلا گھونٹنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہوں۔

عبدالعلی! اپنے باپ کی ایک ناچیز باندی سمجھ کر میری درخواست قبول کرلو۔ میریہ کو اپنالو۔ اسے واپس نہیں کرو۔ یہ اس عورت کا مشورہ ہے جو تمہارے باپ اور تمہارے ناک کی یکساں وفادار اور خیر خواہ ہے اور جسے تمہارے باپ کا بھی اعتماد برابر بارہ حال تک حاصل رہا جس کے باعث اس کا اقتدار آد بار میں بدلا اور جسے اس نے ہمیشہ اپنی شاہ رگ کی اہمیت دی۔

عبدالعلی اس سے آگے کچھ پڑھ نہیں سکا۔ اس کی آنکھوں کے آگے شرارے ہی شرارے دمک گئے۔

اس نے خط اس طرح زمین پر پھینک دیا جیسے اس کے گرد جلتے انگارے لپٹے تھے۔ اور ان جلتے انگاروں کے درمیان سے اریہ کو اٹھتا بوڑھے بادشاہ المنذر کا تصور چیخ چیخ کر عبدالعلی سے کہہ رہا تھا۔

عبدالعلی! ہم نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ ذہبہ کی ماں تمہارے باپ کی شاہ رگ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم تمہیں اس سے بڑے شوق سے بیاہ دیتے۔ لیکن اب ہم بالکل مجبور ہیں۔

عبدالعلی نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے لیکن مرحوم بادشاہ المنذر کی آواز پہلے سے بھی زیادہ بلند ہو گئی تھی۔

ذہبہ کی ماں طینا کو میرے پاس پکڑ لاؤ عبدالعلی۔ میں تمہارے سامنے

اس سے تمہارے باپ اور اس کے مابین تعلق کی بات پوچھوں گا۔

عبدالعلی نے اپنے کان پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ بند کر لیئے۔۔۔ اچانک دروازہ ڈھول کی طرح بجا۔ عبدالعلی کی گھبرائی گھبرائی نگاہ دروازہ کی سمت اٹھ گئی۔ فوزیہ بھوکی شیرنی کے سے انداز میں چلتی اپنے نازک پاؤں سنگ مرمر کے فرش پر بجاتی مسند خاص تک آن پہنچی۔ عبدالعلی کے کانوں پر رکھے ہاتھ ایک دم نیچے کو گر گئے۔ اس کی کانپتی نگاہ خط تک پہنچ گئی۔ اب خط کے گرد انگارے نہیں لپٹے تھے وہ محض سفید رنگ کا صحیفہ بن گیا تھا۔ عبدالعلی نے جلدی سے اپنا پاؤں آگے کو اٹھا لیا اور خط کو ڈھانپ لیا۔ بھوکی شیرنی کی طرح تخت تک آتی فوزیہ نے اس کا اٹھتا پاؤں دیکھ لیا۔ اور اس کے زخمی پٹی بندھے کندھے پر بہت زور سے ہاتھ پٹخ کر اسے پیچھے دھکیلا اور اس کے پاؤں کے نیچے کچلے گئے خط کو اٹھا لیا اور چیخی۔

تو کیا تبریزی سفارت ان چمکتے دمکتے تحائف کے ساتھ ساتھ کوئی خفیہ نوید بھی اپنے ساتھ لائی تھی اور آپ یہ نوید ہم سے چھپانا چاہ رہے تھے۔ شائد اس لیئے کہ کامیابی نے آپ کو پہلے سے بہت بدل دیا ہے۔ اور آپ۔

عبدالعلی نے بجلی ایسی تیزی سے اس کے ہاتھ سے یہ خط چھین لیا اور اسے انتہائی دیوانگی سے پرزے پرزے کرتا ہوا فوزیہ سے کہنے لگا۔

اسے کاش فوزیہ تم اپنے مرحوم باپ کے جانشین عبدالعلی کے سینہ کو چیر سکتیں اور تمہاری نگاہ ان جرکوں تک پہنچ جاتی جو تمہاری زبان نے میرے دل پر لگائے ہیں۔

اس کی آواز بے حد سوگوار ہوگئی۔

بہ خدا فوزیہ اگر میں جانتا، تمہارا دل مجھ سے اس قدر بدگمان ہے تو میں میدانِ جنگ سے کسی اور ملک کی راہ لیتا۔

فوزیہ نے پاؤں بجائے۔

جھوٹ نہیں بولا۔ عبدالعلی تم میدانِ جنگ سے کسی اور ملک کا رخ کیا کرتے۔ فتح کے خمار نے تو تمہیں تو دن تک سرقسطہ آنے کی فرصت نہیں بخشی تھی۔ تم نے اپنی فتح کی شادمانی میں اپنے زخمی تاجدار تک کو بھلا دیا تھا۔

اس نے اپنے پاؤں ایک بار اور بجائے۔

لیکن میں یہاں تم سے کوئی بحث کرنے نہیں آئی۔ صرف اعلیٰ حضرت بادشاہ المنظفر کا پیغام دینے آئی ہوں۔ انھوں نے نبری سفارت کا یہ مطالبہ مان لیا ہے کہ پچاس لاکھ اشرفی کے عوض شہزادی میریہ نبرہ کو واپس دی جائے۔

عبدالعلی نے اسی کے سے انداز میں پاؤں بجائے اور اس کی بات کاٹ لی۔

لیکن نبری سفارت ہمارے حضور حاضر ہوئی تھی اور اس کا یہ مطالبہ

ہمارے حضور پیش ہوا تھا۔

فوزیہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

تبھی تو میں کہہ رہی تھی عبدالعلی تم بہت بدل گئے ہو۔

عبدالعلی گرجا:

ہم بدلے ہوں یا نہ بدلے ہوں لیکن شہزادی میریہ نبرہ واپس نہیں جا سکے گی۔ ہم نے اسے میدانِ جنگ میں لڑائی لڑ کر جیتا ہے اور ہم مال غنیمت فروخت کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ پھر ہماری کچھ مصلحتیں ہیں۔

فوزیہ نے تمسخر اڑایا:

تمہاری مصلحتیں مجھے خوب معلوم ہیں عبدالعلی تم نبرہ کے داماد بن کر اپنے اقتدار کی بنیادیں مضبوط کرنا چاہتے ہو، اس لئے شہزادی ہلینا کی بجائے تم نے میریہ کا انتخاب کیا تھا۔ حالانکہ تمہیں شہزادی ہلینا کو اٹھا لانے کی ہدایت کی گئی تھی۔

عبدالعلی نے ایک جابر فرمانروا کے انداز میں پاؤں بجائے اور دروازہ کی سمت اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

جس دھماکے سے دروازہ کھول کر آئی ہو، اسی دھماکے سے بند کر کے اس مسندِ خاص سے باہر نکل جاؤ۔

اور مجھے اس مسئلہ پر اپنے مشیروں سے مشورہ کرنے دو۔

فوزیہ نے اسے بڑے غصّے کے ساتھ دیکھا اور پہلے سے زیادہ طنزیہ انداز میں بولی:

تو گویا عبدالعلی اعلیٰ حضرت بادشاہ سرقسطہ کے واضح احکام کے ہوتے ہوئے تمہیں اپنے ساتھیوں کے مشورہ کی احتیاج ہے۔

عبدالعلی نے اس کی لانبی لٹ کو اپنے انگوٹھے اور بڑی انگلی میں لیکر بہت زور سے کھینچا لیکن ابھی اس کی زبان سے ایک حرف ادا نہیں ہوا تھا۔ کہ نمثینہ کی کانپتی آواز سنائی۔

امیر عبدالعلی! شہزادی ذہبیہ روتے روتے سسکیاں بھرتے بھرتے بے ہوش ہوگئی ہے۔

فوزیہ نے قہقہہ مارا:

اس بے ہوشی کی کسے خبر دے رہی ہو نمثینہ۔ عبدالعلی تو ولی عہد میریہ کو بیاہنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

انھیں مرجھائے ہوئے پھولوں سے اب کوئی غرض نہیں رہی انہوں نے تو نبرہ کے تر و تازہ پھول کو پسند کر لیا ہے۔

عبدالعلی کے پاؤں ایک بار اور بجے۔ فوزیہ بڑی ادا کے ساتھ آگے بڑھی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بہت ہولے سے کہنے لگی۔

عبدالعلی اگر تم پاؤں بجانا جانتے ہو تو مجھے بھی پاؤں بجانے کی خاصی مشق ہے لیکن تم نے اور میں نے برابر بیس سال ایک چھت تلے صبح بھی کی ہے اور شام بھی۔ رات کی سیاہی کا تماشہ بھی کیا ہے اور دن کا اُجالا بھی دیکھا ہے۔

اس کی آواز اس کے حلق میں پھنس گئی۔ اس نے اپنے نازک سر کو

زور زور سے جھٹکا اور بات جاری رکھی :

اگر بابا زندہ ہوتے تو میں بہ خدا عبدالعلی تمہارا گریبان پکڑ کر کھینچتی ہوئی ان کے حضور لے جاتی اور ان سے پوچھتی کیا آپ نے مجھے المظفر سے اس لئے منسوب کیا تھا کہ عبدالعلی اس کے دونوں پاؤں اور ہاتھ کٹوا دینے کے بعد اس کے اقتدار کو ڈانوا ڈول کر دے اور اس کی جگہ خود لے لے۔

عبدالعلی نے فوزیہ کے چہرے پر بڑی خشمگیں نگاہ ڈالی اور اس طرح آگے کو لپکا جیسے فوزیہ ہسٹیریا کی مریض تھی۔ اور ہسٹیریا کی اس مریضہ نے عبدالعلی کو آواز دی۔

عبدالعلی ابھی میری شکایت پوری نہیں ہوئی۔ ابھی میں تم سے اور بھی بہت کچھ کہنا چاہ رہی ہوں۔

عبدالعلی نے سر کو گھما! اور بہت ہولے سے جواب دیا۔

بہت سی باتیں ایسی ہیں میری چچیری بہن جو دل ہی میں رہیں تو ٹھیک رہتا ہے۔

فوزیہ چیخی :

لیکن عبدالعلی !

عبدالعلی دروازہ سے باہر نکل گیا۔ فوزیہ دروازہ تک بھاگی آئی لیکن ثمینہ نے اسے آگے بڑھنے نہیں دیا اور سرگوشی ایسے انداز میں کہنے لگی۔

فوزیہ بیٹی ! میں نے شہزادی ذہبہ کی بے ہوشی کی بات از خود گھڑی تھی۔ میں نے چاہا تم عبدالعلی سے زیادہ نہیں الجھو۔

تم اگر مولا حسن کی اولاد ہو تو عبدالعلی مولا حسین کا بیٹا ہے اور مولا حسین کی ضد پورے سرقسطہ میں مشہور تھی ۔

اس کی آواز بہت دھیمی ہو گئی ۔

اگر وہ ضدی نہ ہوتے تو ان کا اقتدار کبھی ادبار میں بدلتا ۔

بوڑھے بادشاہ المنذر اور ان میں کبھی دشمنی پیدا نہ ہوتی ۔ نہ شہزادی ذہبیہ کا باپ ہلاک کیا جاتا اور نہ شہزادی ہلینا اس ملک کی باج گزاری کا واسطہ بنتی ۔

فوزیہ نے بڑی حیرت کے ساتھ ثمینہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور بچوں ایسی معصومیت سے ثمینہ سے پوچھا ۔

تو کیا شہزادی ذہبیہ کا باپ ہلاک کیا گیا تھا اور کیا شہزادی ہلینا اس ملک کی باج گزاری کا واسطہ بنی تھی ۔ مجھ سے ثمینہ ایک ایک بات کہہ دو ۔

ثمینہ بڑی تلخی سے مسکرائی ۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور بہت دھیمی آواز میں جواب دیا ۔

میں کچھ زیادہ تفصیل نہیں جانتی فوزیہ بیٹی ۔ ایک دن یوں ہی تمہارے بابا اعلیٰ حضرت مولا حسن اور تمہارے چچا کی سرگوشی میرے کانوں میں پڑ گئی تھی ۔ تمہارے بابا تمہارے چچا کو سمجھا رہے تھے ۔ انھوں نے اتنی ہی بات کہی تھی جتنی کہ میں نے تم سے کہہ دی ہے کہ تمہارے چچا نے اس اس زور زور سے پاؤں بجائے کہ تمہارے بابا سر جھکا کر رہ گئے ۔ انہیں

اپنے اس بھائی سے دیوانہ وار محبت تھی۔ یوں انھوں نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔

تبھی انہوں نے عبدالعلی کو اپنا متبنّیٰ بنا لیا تھا اور تبھی جس دن تم پیدا ہوئی تھیں، اُسی دن تمہیں عبدالعلی سے منسوب کر دیا تھا۔ لیکن تمہارے چچا نے یہ نسبت اسی شب توڑ دی کہ شہزادی ہلینا نے اس نسبت کی مخالفت کی تھی۔ اور شہزادی ہلینا کی مخالفت خداوند بزرگ و برتر کی مخالفت تھی۔ مولا حسین اس عورت کو معبودوں کی حد تک چاہتے تھے۔

وہ بُری طرح دانت پیسنے لگی۔

وہ دن بھی کتنا منحوس دن تھا جب وہ اس عورت کو نبرہ سے اغوا کر کے سرقسطہ لائے تھے۔

اس کی آواز کسی قدر بلند ہو گئی:

اگر یہ عورت نہ آتی تو اس ملک کے سر پر کبھی طوفان نہ منڈلاتے یہ ملک کبھی دوسروں کا غلام نہ ہوتا۔ نہ بوڑھے بادشاہ المنذر اور مولا حسین میں نفرت پیدا ہوتی اور نہ بادشاہ المنذر مولا حسین کو زک دینے کے لئے نبرہ سے مدد مانگتا۔

فوزیہ کی لانبی لانبی شیریں آنکھیں ایک دم اُبھر آئیں۔ اس نے مٹھیاں بھینچ لیں اور بڑبڑائی۔

اوہ! پھر تو یہ بہت اچھا ہوا کہ عبدالعلی اس کم بخت کو اغوا نہ کر سکا اور اس کی جگہ شہزادی میریہ کو اُٹھا لایا۔

ثمینہ نے اس کی بات کاٹ لی۔

اسے کم بخت نہیں کہو فوزیہ بیٹی اور جو چاہو خطاب دے لو۔ اس کا نصیبہ تو بہت روشن تھا۔ وہ حسین جیسے جیالے بہادر کی محبوبہ تھی المشرف جیسا اونچا شہزادہ اس سے دیوانہ وار محبت کرتا رہا۔ اور بوڑھے بادشاہ المنذر نے تو اس کی خاطر اپنی ملکہ اور المظہر کی ماں کو زہر دے کر ہلاک کر ڈالا۔

فوزیہ نے ثمینہ کے دونوں ہاتھ بڑی بے تابی کے ساتھ اپنے سینہ پر رکھ لئے اور بڑبڑائی۔

تو اتنی خوفناک عورت تھی یہ۔

ثمینہ نے اس کی تصحیح کی :

پھر تم نے اسے غلط خطاب دیا۔ وہ خوفناک عورت قطعاً نہیں تھی۔ اس ایسی محبوب شخصیت تو میں نے زندگی بھر نہیں دیکھی۔ اس کی زبان بڑی شیریں، اخلاق بہت پسندیدہ اور مزاج تو بے حد نرم تھا۔

خدام و خادمات تک کو خطاب کرتی تو آپ آپ اور جی جی کہتی۔ کبھی کسی کو جھڑکی تک نہیں دی۔ کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا اور سخاوت تو اس کی بے مثال تھی۔ وہ اپنے سارے کے سارے ملبوسات ایک دم اپنی خادمات میں بانٹ دیتی جو عبا پہنے ہوتی وہ تک بخشش میں دے دیا کرتی۔

محض یہ ہی نہیں اس کا دل بہت پاکیزہ اور ذہن بہت صاف تھا۔ اور طبیعت میں اس قدر نفاست تھی کہ اگر کبھی بو سونگھ لیتی تو ہفتوں بیمار پڑی رہتی۔

اس کی آواز بے حد مدھم ہوگئی۔

اس میں اگر کوئی عیب تھا تو صرف یہ کہ وہ اپنے شوہر سے وفادار نہیں تھی اور وہ بھی شاید اس لئے کہ اُسے تمہارے چچا سے غیر معمولی عشق تھا۔

وہی اسے اس کی بیسویں سالگرہ کی شب نبرہ کے شاہی محل پر شب خون مار کر اغوا کر کے لائے تھے۔

فوزیہ نے بڑی حیرت کے ساتھ اس کی بات کاٹ لی۔

پھر چچا نے اس سے خود کیوں بیاہ نہ کیا۔ ذہبہ کے باپ کے پلّے کیوں باندھ دیا۔

ثمینہ نے بجلی ایسی تیزی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور سرگوشی کی:

بات آہستہ کرو فوزیہ بلیٹی۔ کہیں کوئی خادم ہماری بات سُن نہیں لے اور پھر بات کا بتنگڑ بن جائے۔

اس نے فوزیہ کا منہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

یہ اس شاہی محل کا سب سے بڑا راز ہے' اور اس سے صرف میں تمہارے چچا حسین۔ مرحوم بادشاہ المنذر اور قاضی القضاۃ آگاہ ہیں۔ میں

بھی صرف اس لئے کہ جب تمہارے چچا شہزادی ہلینا کو اپنی محل سرا میں لائے تھے میں ان کی ناظمہ امور تھی۔ اور وہ شب میں کبھی بھول نہیں سکتی۔ جب تمہارے چچا زندگی میں پہلی بار ایک عورت اور وہ بھی اغوا کی ہوئی عورت کے حضور دوزانو ہوئے اس سے کہہ رہے تھے۔

"سل رات کے شب خون کے وقت مجھے ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہوا تھا میں کتنے گراں بہا سرمائے اور کس عجیب دولت کو اپنے دونوں بازوؤں میں بھر کر نبرہ سے نکلا۔

میں اپنے نصیب پر بڑا نازاں اور اپنے مقدر پر بے حد مسرور ہوں۔"

اور وہ عورت بھی مسرور تھی جس کے سامنے دوزانوں ہو کر تمہارے چچا نے یہ قصیدہ پڑھا تھا۔ وہ دن بھر خوشبوؤں میں بسی، اس جیالے سپہ سالار کی راہ دیکھتی رہی تھی جس نے ساٹھ ہزار سپاہ کو شکست دینے کے بعد اسے جیتا اور اپنے بازوؤں میں بھر کر سرقسطہ لایا تھا۔

میں ان باندیوں کی سربراہ تھی جنھوں نے سارا دن اس کے جسم پر اُبٹن ملے۔ اسے خوشبوؤں میں نہلایا۔ اس کے بپوٹوں اس کے چہرہ کے خدو خال اور جسم کے انگ انگ پر زعفران کی مالش کی تھی اور سفر اور اغوا کی صعوبت بھلانے کے لئے اسے ہاردنی کھلاتی رہی تھیں۔

ثمینہ ایک ماہر داستان گو کی حیثیت اختیار کر گئی :

تم فوزیہ بیٹی تصور نہیں کر سکتیں، جب تمہارے چچا شہزادی ہلینا کے سامنے دوزانو ہوئے اور اس سے اظہار محبت کیا۔ اس نوجوان عورت کی لانبی لانبی شیریں آنکھوں میں کیسی تمنا طیبہ بیت بھرگئی تھی، وہ اپنی مست آنکھوں کو بڑے ہی ظالمانہ انداز سے اوپر کو اٹھاتی اور گراتی، مسکرا مسکرا کر مولاحسین کو دیکھتی جا رہی تھی کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔

مولاحسین نے اس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا، اور اپنے خاندان کی رسم کے مطابق اپنی جیتی ہوئی اس عورت کے نازک نازک ہاتھ میں اپنی انگوٹھی پہنانے کے لئے اتار رہے تھے کہ تمہارے بابا کی گرجتی آواز فضا میں گونجی۔ وہ اعلان کر رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت بادشاہ سرقسطہ پہلی سیڑھیاں چڑھ چکے ہیں اور تمہارے چچا سے اسی لمحہ ملنا چاہ رہے ہیں۔ تمہارے چچا نے تمہارے بابا کی گرج ایسی آواز سنی تو اپنے ہاتھ سے اتاری ہوئی انگوٹھی میری طرف اچھال دی اور بڑے غصہ کے ساتھ دروازے کی طرف لپکے۔

شہزادی ہلینا بسمل کی طرح تڑپ گئی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ اس نے اپنا سر اوپر اٹھا لیا تھا۔ وہ اس دروازہ کی طرف بڑی یاس کے ساتھ دیکھ رہی تھی جدھر سے تمہارے چچا آگے کو لپکے تھے۔

تمہارے چچا کافی دیر کے بعد لوٹ کر آئے۔ خاصی رات بیت چکی

تھی۔ وہ بہت ہولے ہولے بوجھل بوجھل پاؤں اُٹھاتے شہزادی ہلینا کی خواب گاہ میں آئے۔ میں مسند سے لگی کھڑی تھی۔ انھوں نے شہزادی ہلینا کے چہرہ پر نظریں اُٹھائے بغیر میرے ہاتھ سے انگوٹھی لے لی اور ایک شرابی کے سے انداز میں مجھے حکم دیا:

شہزادی ہلینا کو تیجے خانقاہ معلّیٰ میں پہنچا دوں۔

تم سوچ نہیں سکتیں فوزیہ بیٹی۔ شہزادی ہلینا کے چہرہ پر اس لمحہ کیسی زردی جھلک آئی تھی۔ اس کے ہاتھ احتجاج میں اوپر کو اُٹھ گئے تھے مگر تمہارے چچا تیز تیز پاؤں اُٹھاتے باہر نکل گئے تھے۔

شہزادی ہلینا کو میں نے اس کے ہزار ہزار احتجاج کے باوجود خانقاہ معلّیٰ میں پہنچا دیا۔ اور ابھی سحر کا نور پھوٹا نہیں تھا کہ نیم مدہوش شہزادی ہلینا کو قاضی القضاۃ ابوالعباس نے تمہارے بابا اور بادشاہ المنذر کی موجودگی میں شہزادہ المشرف سے بیاہ دیا جو سرقسطہ کے ولی عہد تھے۔ یہ نکاح محض دھوکا تھا۔ بادشاہ المنذر نے اپنے بھائی کو شہزادی ہلینا سے محض تصنع کے طور پر بیاہا تھا۔ درحقیقت ان کا اپنا دل شہزادی ہلینا سے اٹک گیا تھا۔

اس کی آواز پر عبدالعلی کی گمبھیر آواز چڑھ گئی۔

ثمینہ ہماری چچیری بہن فوزیہ کو خانقاہ معلّیٰ پہنچا کر اسے دلھن بنا دو۔ ہم تایا ابا کے جانشین کی حیثیت سے اس کا نکاح اعلیٰ حضرت المنظہر سے پڑھا رہے ہیں۔ دیر نہیں کرو ورنہ جمعرات کی نماز عصر و مغرب کے مابین

کی یہ مبارک گھڑیاں بیت جائیں گی اور ہمارے تایا ابا کی رُوح ہمارے لئے بددعا گو ہو گی۔

حالانکہ یہ فوزیہ کے نکاح کی بات تھی۔ حالانکہ فوزیہ اعلیٰ حضرت کے اقتدار کی خاطر عبدالعلی پر کئی بار برس چکی تھی۔ اس کے باوجود جب عبدالعلی نے اسے دُلھن بنانے کا یہ حکم ثمینہ کو عطا کیا تو فوزیہ کی رنگت ایک دم زرد پڑ گئی۔ خوبصورت ہونٹ کانپنے لگے۔ آنکھیں بند ہو گئیں۔

ثمینہ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور بہت ہولے سے سرگوشی کی۔

یہ فوزیہ بیٹی تمہارے چہرے کی رنگت ایک دم زرد کیوں پڑ گئی۔ یہ تمہارے ہونٹ کانپ کیوں رہے ہیں؟

پہلے صرف فوزیہ بیٹی کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اب اس کا سارا جسم کانپنے لگا' اور اس نے اپنا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ عبدالعلی کی آواز پہلے سے زیادہ بلند ہو گئی۔

ثمینہ ہم نے نبرہ پر جو فتح پائی ہے اس میں ہم نے شاہی خزانے بھی جیتے ہیں۔ ملکۂ عالیہ ورجلینا کے ملبوساتِ عالیہ اور انتہائی نادر زیورات کے صندوقچے بھی ہمارے ہاتھ آئے

ہیں۔

یہ صندوقچے اور خزانے ہم نے خانقاہ میں رکھوا دیئے تھے۔ ہم نے عبدالغنی کو حکم دے دیا ہے وہ یہ ساری چیزیں ہماری طرف سے فوزیہ عالیہ حسن کے نذر کر دے۔

فوزیہ سسکیاں لینے لگی۔ مگر عبدالعلی اتنے فاصلے پر تھا کہ اس کی سسکیوں کی آواز اس تک نہیں پہنچی۔ اس نے ثمینہ سے تخاطب جاری رکھا۔

ہم نے اپنی ساری جائدادیں، سارے املاک، تمام قیمتی نوادر بھی اس کے نام منتقل کر دیئے ہیں۔ اور نکاح کے بعد ہم سپہ سالاریٔ اعلیٰ کا اعزاز و منصب بھی اس کے حضور واپس کر دیں گے اور آج کی شب ختم ہونے سے پہلے پہلے اس کے تاجدار شوہر اور اس کا ملک چھوڑ دیں گے تاکہ اسے کبھی یہ گمان نہ ہو کہ ہم اس کے شوہر کا اقتدار اس سے چھین لیں گے۔

اس کی آواز پر شہزادی ذہبیہ کی کپکپاتی آواز چڑھ گئی۔

ہم اس رضاکارانہ جلاوطنی میں آپ کا ساتھ دیں گی۔ اور اگر آپ پسند فرمائیں گے تو اپنے سارے ملبوسات اپنے آئینہ خانے اور زیورات بھی بہن فوزیہ کے حضور نذر کر جائیں گی۔

عبدالعلی نے سر بہت زور سے جھٹکا۔ اس سمت دیکھا جدھر سے یہ آواز آ رہی تھی۔ شہزادی ذہبیہ ہیروں والی مسند پر لیٹی تھی، اور

رضیہ اس مسند کو دھکیلتی یہاں تک لے آئی تھی۔

فوزیہ کی سسکیاں بہت اونچی ہو گئیں۔ وہ چیخیں مارنے لگی۔ عبدالعلی نے گو اس کی چیخیں سن لی تھیں لیکن لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس طرح سیڑھیوں کی طرف بڑھا جیسے یہ چیخیں محض مصنوعی تھیں۔

باب ۱۶

اور یہ مصنوعی چیخیں تو اس وقت ہسٹیریا کی مریضہ کی چیخوں میں تبدیل ہو گئی تھیں، جب عصر و مغرب کی نماز کے مابین عبد العلی نے مولا حسن کے جانشین اعلیٰ کی حیثیت سے فوزیہ کا خطبۂ نکاح پڑھنے کے بعد راہب عبدالالہ کے ساتھ مل کر فوزیہ کو شاہی رتھ میں سوار کیا۔ اور رتھ کا جوا گھوڑے کی بجائے اپنی گردن پر رکھ کر رتھ کو کھینچتا خانقاہ کے بڑے دروازے پر لایا۔ خانقاہ معلیٰ کے وسیع صحن میں دُور دُور تک جمع سر فسطلی سوچ رہے تھے شائد دلہن صاحبزادی گھر سے رخصت ہوتے وقت یہ چیخیں عام رواج کے مطابق بلند کر رہی ہے۔

لیکن یہ تو دلہن صاحبزادی جانتی تھی کہ اس کی چیخوں کا سبب کیا تھا' یا اس راز سے کچھ کچھ ثمینہ آگاہ تھی جو اس کو سنبھالے اپنے سینہ سے لگائے تھی۔ اور رم سے ہولے ہولے کہہ رہی تھی۔

بے وقوف نہیں بنو فوزیہ بیٹی۔ اب ہر بات ختم ہو چکی ہے۔

یہ فوزیہ بھی جانتی تھی کہ بیس برس پہلے اس کی اور عبدالعلی کی پیدائش کے بعد اس کی کتاب زندگی کا جو باب شروع ہوا تھا وہ آج بند ہو گیا ہے۔ عبدالعلی نے اس کو بند کر کے اس پر آخری مہر لگا دی ہے۔

فوزیہ اس کھلے باب کو کھلا رکھنا چاہتی تھی یا بند کرنا۔ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ اس نے کبھی کسی کو اپنا رازدار نہیں بنایا تھا۔ کبھی اپنے دل کا صحیح تاثر کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔

دوپہر کے وقت اس نے عبدالعلی جو باتیں کی تھیں اس سے بھی اس کا عندیہ نہیں کھلا تھا۔ اس نے سسکیاں ضرور بھری تھیں، چیخی بھی تھی چلائی بھی تھی لیکن عبدالعلی پر اس نے اپنے دل کے احساسات پھر بھی ظاہر نہیں کئے تھے۔ البتہ عبدالعلی نے اسے اپنے حتمی فیصلہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ اگر وہ چاہتی تو عبدالعلی کے فیصلہ میں ترمیم کی درخواست پیش کر دیتی۔ مگر وہ محض روئی تھی۔ سسکیاں بھری تھیں ترمیم پیش نہیں کی تھی۔

اور عبدالعلی بڑا ضدی تھا۔ جیسے ہی فوزیہ کی شاہی رتھ اسے اپنے دامن میں پھولوں کی طرح لئے لئے اس کی نظر سے اوجھل ہو گئی اور خانقاہ میں جمع ہجوم رتھ کے پیچھے پیچھے دوڑ پڑا کہ شاہی محل تک کے سفر میں اس کی اردل میں رہنے کا شرف پائے۔ کہ عبدالعلی نے اپنے پہلو میں کھڑے بوڑھے راہب عبدالاد کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بہت ہولے سے پوچھا۔

بزرگ راہب کیا تم نے میری ہدایات اپنے ساتھیوں تک پہنچا دی ہیں اور کیا انھیں متنبہ کر دیا ہے کہ اپنے راہبانہ جاموں میں اپنی تلواریں اور

دوسرے ہتھیاروں اور سواریوں کے سوائے کوئی اور سامان یہاں سے نہیں لیں۔ اور آج شب ختم ہونے سے پہلے میرے ساتھ سرقسطہ کی حدود پار کرلیں۔ تاکہ ہم نے مولاحسن کی بیٹی فوزیہ سے جو عہد کیا تھا وہ جھوٹا نہ ہو۔

بوڑھے عبدالالہ نے جو اس کے باپ کا انتہائی وفادار ساتھی تھا جس نے اس کے ساتھ انیس سال کا لمبا عرصہ گزارا تھا۔ اقتدار کی چادر پر آویزاں کامیابی کے نگینے بھی چنے تھے۔ دس سالہ جبری نظربندیوں کی صعوبتوں میں بھی شرکت کی تھی محض سر جھکایا۔ سینہ پر ہاتھ رکھا، کوئی جواب عرض نہیں کیا۔ عبدالعلی نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور شائد اس مختصر سی نگاہ میں بوڑھے راہب کے جذبات پڑھ لئے تھے کہ اس کی بجائے عبدالغنی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اور اس سے کہنے لگا:

عبدالغنی! شائد بزرگ راہب عبدالالہ کو میری تجویز سے اتفاق نہیں ہے وہ اس جگہ کو چھوڑ نہیں سکتا جہاں اس نے اور اس کے ساتھیوں نے لمبی عمریں بتائی ہیں۔

عبدالالہ نے ایک دم اس کی بات کاٹ لی۔

میری خاموشی کی یہ وجہ نہیں تھی آقا۔ میں تو سوچ رہا تھا۔ دس سال کے بعد آپ کے والد محترم اور ان کے ساتھیوں کا جو خواب صرف اس ہفتہ شرمندۂ تعبیر ہوا کہیں اس کے تار آپ کے اور ہمارے یہاں سے رخصت ہونے کے بعد منتشر نہ ہو جائیں۔ اور نبرہ اور دوسری عیسائی ریاستیں یکجا ہو کر اس ملک پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔

اس کی آواز کسی قدر بلند ہو گئی۔

آپ نے شاہ نبرہ کے ان سفیروں سے کھل کر باتیں نہیں کیں جو سرقسطہ کے عیسائی راہبوں کے توسط سے آپ کے حضور آج صبح حاضر ہوئے تھے۔

وہ اپنے ساتھ تحائف بھی لائے تھے اور خفیہ دھمکیاں بھی۔ انہوں نے بڑی صفائی برتی اور مجھ سے کسی جھجک کے بغیر کہہ دیا ہے کہ اگر ان کی سفارت ناکام رہی تو وہ پوری مغربی ریاستوں کو اپنے ساتھ ملا کر سرقسطہ پر چڑھائی کر دیں گے۔ اور اگر انھوں نے چڑھائی کی تو سرقسطہ کے لوگ کس کی راہ نمائی میں ان کا راستہ روکیں گے۔

میں صرف یہ سوچ رہا تھا۔

عبدالعلی لحمی سے مسکرایا اور پوچھا۔

کیا تمہارا خیال ہے اعلیٰ حضرت بادشاہ المظہر یہ راہ نمائی نہیں کر سکیں گے اور فوذیہ ایسی خطیبہ اور عوام کی ممدوحہ ان کی قیادت اچھی طرح انجام نہیں دے گی۔

وہ عوام میں بے حد ممدوح ہے۔ اس کے شوہر المظہر اسی کی طرح ہر دل عزیز ہیں اور اسی مکتب کے فارغ التحصیل اور ان ہی معلموں کے شاگرد ہیں جنھوں نے مجھے تربیت دی ہے۔

اس کی آواز کسی قدر دھیمی ہو گئی:

اور پھر میں نے تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لئے جو جگہ پناہ کے لئے تجویز کی ہے وہ گو سرقسطہ کی حدود سے خارج ہے لیکن سرقسطہ

نبرہ اور دوسری عیسائی ریاستوں کی فوجیں اسے پار کئے بغیر سرقسطہ تک رسائی نہیں پاسکتیں۔

دریائے ابرہ کا یہ دامن جو ہم سب کا نیا مسکن ہوگا۔ بچپن میں تمہارا چہرہ خوب خوب دیکھ چکا ہے۔

بوڑھے عبدالالہ نے عبدالعلی کے ہاتھ ایک دم اپنے ہاتھوں لے لئے

تو گویا آپ دریائے ابرہ کے کنارے کنارے پھیلے زیتون کے جنگل اور تطیلہ کے عقبی پہاڑ کوہ سلیمان کے دامن میں پناہ لیں گے اور میری قوم آپ کی میزبانی کا شرف پائے گی۔

عبدالعلی مسکرایا:

ہم کسی پر اپنا بوجھ نہیں ڈالیں گے۔ عبدالالہ یہ بوجھ ناقابل برداشت ہوگا۔ سات ہزار افراد کی رزق رسانی جوئے شیر لانے کے برابر ہوگی۔

عبدالالہ نے اس کی بات کاٹ لی۔

آپ نے میرے قبیلے کا ظرف آقا شاید کبھی ناپا نہیں ہے۔ وہ بڑا وسیع ہے۔

عبدالعلی مسکرایا اور تصریح کی:

میں نے اس کی وسعتوں کو تنگی کا الزام نہیں دیا بزرگ راہب۔

میں نے صرف اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بازوؤں پر اعتماد کیا ہے

میں نے چاہا ہے کہ ہم تمہارے قبیلہ کے ہمسائے میں آباد ان عیسائی

بستیوں اور عیسائی علاقہ پر تسلط قائم کریں۔ جو مملکتِ فرانس کی باج گزار ہیں۔

اس کی آواز خاصی اونچی ہو گئی:

وہاں کے کارخانے تلواریں ڈھالنے اور نیزوں کی انیاں تیار کرنے میں شہرہ آفاق ہیں۔ ہم ان میں ڈھلی ہوئی تلواروں اور نیزوں کی انیوں کی آزمائش کرنا چاہتے ہیں۔

عبدالالہ رکوع کے بل جھکا اور سینہ پر ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔

تو پھر عالی جاہ آج کی شب ابھی ختم نہیں ہو پائی تھی کہ میں اور میرے ساتھی سرقسطہ کی حدود پار کریں گے۔

عبدالعلی نے اپنے سامنے جھکے عبدالالہ کے دونوں کندھے پکڑ لیئے اسے اپنے سینہ سے لگا لیا اور اس کی پیشانی چومتا ہوا بولا:

راہب عبدالالہ! میرے باپ نے تمہاری اور اپنی زندگی کے دس بہترین سال خانقاہِ سرقسطہ میں ضائع کر دیئے اور جبری نظر بندی کا جامہ اوڑھ لیا۔ اگر وہ سرقسطہ کے حدود سے نکل جاتے تو آج میں یہ گفتگو تم سے نبرہ کے شاہی محل میں کر سکتا۔ اور میری اکیسویں سالگرہ دریائے ابرہ کے کنارے منائی جاتی۔

اس نے عبدالغنی کی سمت دیکھا:

عبدالغنی آپ کو یاد ہے ہم اور آپ اگلے ماہ محرم میں پورے اکیس سال کے ہو جائیں گے۔

اس کی آواز پہ رضیہ کی آواز چڑھ گئی۔ جو شاہی رتھ میں بیٹھی دروازے

تک پہنچ چکی تھی اور کہہ رہی تھی:

ملکہ عالیہ فوزیہ شاہی محل میں پہنچ چکی ہیں اور انہوں نے آپ کو فوری طلب کیا ہے۔

عبدالعلی مسکرایا اور ہاتھ کا اشارہ کر کے اسے وہیں روک دیا۔ جہاں وہ بھاگتی جاگتی پہنچی تھی اور عبداللہ کے منہ سے اپنا منہ ملاتا ہوا کہنے لگا:

خیال رہے بزرگ عبداللہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ہر صورت میں یہ خانقاہ عشا کی نماز سے پہلے پہلے خالی کر دینی ہوگی۔

میں اور عبدالغنی اور ہمارے چند رفقا آپ سے صبح ہونے سے پہلے پہلے مل جائیں گے۔

عبداللہ نے اس کے دونوں ہاتھ چوم لئے اور اطمینان دلایا:

آپ یقین رکھئے۔ آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہوگی۔

عبدالعلی نے اس کے بوڑھے چہرہ پر نگاہ اٹھائی ایک سپاہی کے سے انداز میں اسے سلامی دی اور عبدالغنی کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا۔ رضیہ تک جا پہنچا۔ پہلے عبدالغنی کو سوار کیا۔ پھر آپ بیٹھا اور کوچوان کی سمت اشارہ کیا۔ شاہی گاڑی کو ہانک لے۔

شاہی گاڑی جس وقت شاہی محل سرا کے حصار میں داخل ہوئی تو سر قسط کے عوام اور شاہی سپاہ اس کے استقبال میں دو رویہ کھڑی تھی۔ جوں جوں اس کی سواری۔ عوام صفوں کے اندر سے گزرتی۔ عوامی صفیں اس کی سربلندی کے نعرے مارتیں اور سپاہ ہتھیار بجا بجا کر اسے سلامی دیتی۔

صحنِ چمن میں نصب سرخ شامیانے کے سامنے پہنچ کر اس کی سواری رک گئی۔ پہلے رضیہ اتری پھر وہ اترا پھر عبد الغنی نیچے آیا۔ سرخ شامیانے کے آگے خدام و خادمات اس کے آگے رکوع کے بل جھکے ایسے جیسے یہ سرخ شامیانہ اس کے اجلال و احترام میں نصب ہوا ہے اور جیسے وہی اس ملک کا اصل تاجدار ہے اور المظہر دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھوں پر لانبی لانبی پٹیاں باندھے ایک زخمی مورتی کے سے انداز میں تختِ شاہی پر جلوہ افروز تھا۔ اس کے پہلو میں بچھی ہوئی سونے کی کرسی پر ملکہ عالیہ فوزیہ رونق افروز تھیں۔ ثمینہ نے ان کی لانبی عبا کے حاشئے اٹھا رکھے تھے۔

رضیہ نے خیمہ کے دروازہ پر پہنچ کر ایک نقیب کے سے انداز میں سپہ سالار اعلیٰ فوج سرقسطہ کی آمد کا اعلان کیا۔ تو عبد العلی نے سر کو جھٹکا۔ لیکن ابھی وہ کچھ کہہ نہیں پایا تھا۔ کہ فوزیہ عالیہ کی آواز سنائی دی :

مرحبہ سپہ سالار اعلیٰ مرحبا۔ قدم رنجہ فرمایئے۔ ہم اور بادشاہِ معظم آپ کی راہ کبھی سے دیکھ رہے ہیں کہ آج کی مبارک تقریب کی آخری رسم ادا فرمائیں اور آپ کو سپہ سالار اعلیٰ کے منصب کے ساتھ ساتھ وزیر اعظم حاجب اور وکیلِ مختار کی سند بھی بخشیں۔

آگے بڑھتے عبد العلی نے نگاہ اوپر کو اٹھائی۔ اس کی نگاہ فوزیہ کی نگاہ سے کیا دوچار ہوئی۔ اس کا دل بری طرح لرز اٹھا۔ فوزیہ کی نگاہ میں وہی اضطراب تھا جو اس نے شہزادی ہلینا کی نگاہ میں اس وقت دیکھا تھا جب وہ میدان جنگ میں سفیر بن کر اس کے پاس آئی تھی اور اس سے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

عبدالعلی کی نگاہ ایک دم جھک گئی۔ ملکہ عالیہ مسکرائی اور اس کی آواز سنائی دی:

ہم نے اور بادشاہ معظم نے آپ کی غیر معمولی فتح کی خوشی شہزادی میریہ کو آپ کے سپرد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے سپہ سالارِ اعلیٰ۔ اور وہ پچاس لاکھ اشرفی رد کر دی ہے جو سفارتِ بنرہ۔ شہزادی میریہ کے عوض ہمیں پیش کر رہی تھی۔

اس کی آواز بلند ہو گئی:

اگر آپ چاہیں تو شہزادی میریہ۔ اس شب آپ سے بیاہی جا سکتی ہیں۔

عبدالعلی نے بڑے غصہ کے ساتھ پاؤں بجائے۔ نگاہ اوپر کو اٹھائی فوزیہ کی سمت دیکھا اور احتجاج کیا:

آپ نے مولا حسین کے بیٹے اور اپنے باپ کے وارث کی توہین کی ہے ملکہ عالیہ اور وہ اپنی توہین برداشت کرنے کا عادی نہیں ہے۔

فوزیہ کی رنگت ایک دم زرد پڑ گئی۔ اعلیٰ حضرت المظہر نے جن کی اپنی رنگت زرد تھی۔ فوزیہ پر کپکپاتی ہوئی نگاہ اٹھائی اور سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے بڑے سکون کے ساتھ معذرت کی:

ہم اپنی بیوی کی طرف سے اس ملک کے وزیر اعظم اور سپہ سالارِ اعلیٰ سے سخت شرمندہ ہیں اور بہت بہت نادم ہیں۔

عبدالعلی کی گھمبیر آواز ان کی آواز پر غالب آ گئی:

ہم دوست کی حیثیت سے ہر ندامت قبول کر سکتے ہیں، منصب دار کی حیثیت سے نہیں۔

اس نے یہ کہہ کر بجلی ایسی تیزی سے اپنے سر سے سپہ سالاری کی پگڑی

نوجی اور ایک قدم آگے بڑھ کر اسے فوزیہ عالیہ کے پاؤں میں رکھتے ہوئے بات جاری رکھی:۔

ہم نے اپنا منصب آپ کے حضور پیش کر دیا ہے۔ اس وقت سے ہم آپ کے منصب دار نہیں رہے۔ آج شب ختم ہونے سے پہلے پہلے ہم آپ کی حدودِ مملکت سے نکل جائیں گے۔

اس کی آواز بہت بلند ہو گئی کہ:

دو تلواریں ایک نیام میں سما نہیں سکتیں۔ اقتدارِ اعلیٰ کا جامہ زرِ لحیون پر پورا نہیں اُتر سکتا۔

اس نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دیا اور بات جاری رکھی:

یقین رکھئے میں نے آپ کے ہاں سے ایک کوڑی نہیں لی۔ نہ خانقاہ کے خزانوں کو چھیڑا ہے۔ اور نہ چند دن پہلے کی جیتی ہوئی غنیمتوں سے مٹھی بھری ہے۔ البتہ ایک تلوار اور ایک گھوڑا ضرور مستعار لوں گا۔

اس کی آواز بھرا گئی:

اس کے باوجود ملکہ عالیہ آپ کے ملک کو جب بھی کبھی میرے ایسے سپاہی کی رضاکارانہ خدمات کی ضرورت ہوئی۔ جب بھی آپ کے شوہر کے اقتدار کے قرار کا مسئلہ پیش آیا تو یہ غلام خدمت بجا لانے کو اپنی سعادت سمجھے گا۔

اس نے ایک سپاہی کے سے انداز میں اپنے دونوں پاؤں بجائے۔ منہ پیچھے کی طرف موڑا۔ المظہر کی ڈوبی ڈوبی آواز سُنائی دی:

عبدالعلی۔ تم اگر فوزیہ عالیہ کا قصور معاف کر دو۔ تو میں اپنی بادشاہت

تمھارے قدموں میں ڈال دینے پر آمادہ ہوں۔

تم کو ہمیشہ میری روح کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اور تمھارے بغیر میری حیثیت جسدِ بے روح کی ہوگی۔

مگر عبدالعلی نے منہ نہیں موڑا۔ دروازے پر کھڑے عبدالغنی کو آواز دی:

عبدالغنی! رضیہ سے پوچھو۔ وہ ہمارے ساتھ اگر جلاوطنی کے مصائب برداشت کر سکے تو خانقاہ معلیٰ تک آجائے۔

فوزیہ عالیہ کی رنگت بالکل سفید پڑ گئی۔ اعلیٰ حضرت المظہر شاہ ابھی مایوس نہیں ہوئے تھے۔ ان کی کپکپاتی آواز ایک بار اور سنائی دی:

عبدالعلی! اگر تم چاہو تو میں فوزیہ کو طلاق دے کر اس کی گستاخی کی اسے سزا بھی دے سکتا ہوں۔

عبدالعلی کے آگے بڑھتے پاؤں رک گئے۔ اس نے منہ پیچھے کی سمت موڑا اور احتجاج کیا:

اگر آپ نے عالی جاہ! یہ ناپاک خیال کبھی اپنے دل میں پالا تو سپاہی عبدالعلی آپ سے اپنی دوستی کا رشتہ کاٹ لے گا۔

اس نے پھر سلامی دی اور آگے کو بڑھا۔ اعلیٰ حضرت کی آواز ایک بار اور سنائی دی:

مجھ سے روٹھ کر جانے والے سپاہی عبدالعلی۔ جانے سے پہلے ایک بات کا فیصلہ اور کردو۔ شہزادی میریہ کو اس کے وطن واپس کردیا جائے اور شہزادی

ذہبہ اس کے ہم رکاب ہونے کی سعادت پالے تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔

عبدالعلی ایک بار اور رکا۔ مگر منہ نہیں موڑا۔ اور ایک نقیب کے سے انداز میں پکارا،

شہزادی میریہ کی واپسی یا عدم واپسی کا تعلق معاملاتِ خسروی سے ہے آپ خود مختار ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں! البتہ شہزادی ذہبہ اس ملک کا ناموس ہیں اُن سے اس ملک کی آبرو وابستہ ہے

اور اس ملک کا ناموس اور آبرو مجروح ہو۔ سپاہی کی غیرت اسے گوارا نہیں کرے گی۔

اس کے پاؤں پھر آگے کو اٹھ گئے۔ المظہر کی آواز تیسری بار سُنائی دی:

سپاہی عبدالعلی۔ اگر اتنے ہی غیرت مند ہو تو اپنی اس آبرو کو اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ شائد ہم اس کی حفاظت نہ کر سکیں۔

عبدالعلی کا رُخ نہیں پھرا۔ گو شہزادی ذہبہ کی چیخیں بری طرح فضا میں پھیل گئیں لیکن عبدالعلی نے اپنے کان بند کر لئے اور آگے کو بڑھتا صحنِ چمن تک جا پہنچا۔ باغیچہ کی سمت سے بھاگتی آتی شہزادی ولی عہد میریہ نے اچانک اس کی راہ روک لی۔ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ایک ماہر رقاصہ کے سے انداز میں اس کے سامنے رکوع کے بل جھک گئی اور بہت ہولے سے کہنے لگی:

آپ نے مجھے سبزہ واپس کرنے کی اجازت دے کر جہاں عمِ محترم کی خواہش رد کر دی ہے۔ وہاں میرے دل کو بھی توڑ دیا ہے۔

آپ کو ایسا کرتے وقت یہ خیال نہیں رہا کہ میں نے اپنے اغوا کے دن آپ کی پھینکی ہوئی کمند جان بوجھ کر اپنے جسم سے لپیٹی تھی۔ میں نے آپ کے انداز سپہ گری کے سبب آپ کو اپنے مستقبل کا ساتھی چن لیا تھا۔

عبدالعلی نے اس کے چہرہ پر نگاہ کی۔ اس کا چہرہ اس ہر عورت سے زیادہ رعنا و دل نشین تھا۔ جس پر عبدالعلی کی نگاہ بیس سال تک اٹھی تھی۔

مگر شہزادی ذہبیہ کی چیخیں ابھی تک سنائی دے رہی تھیں۔ عبدالعلی نے شہزادی میریہ کی ہر رعنائی کو اپنی نگاہ میں بھر لی۔ لیکن بہت ہولے سے درخواست کی:

میرا راستہ چھوڑ دیجئے شہزادی عالیہ۔ اپنے وطن لوٹ جائیے۔ اگر آپ کا جذبۂ دل صادق ثابت ہوا تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کے وطن پہنچ کر آپ کو جیت لاؤں گا۔ ٹھیک اس طرح جس طرح میرے باپ آپ کی عمۂ محترمہ کو زبرہ سے جیت کر لائے تھے اس میں آپ کی آبرو بھی رہ جائے گی اور میری بھی۔

مجھ پر یہ الزام نہیں آئے گا کہ میں نے آپ کی خاطر سارے مغرب کی تلواریں سرقسطہ کی سرحد پر جمع کر دی ہیں اور ساری عیسائی ریاستوں کو شرط کی راہ دکھا دی ہے۔

شہزادی میریہ نے اس کی بات کاٹ لی:

لیکن یوں عمۂ محترمہ کی خواہش پوری نہیں کر رہے آپ۔ انھوں نے آپ کے نام مھنوزعی سنیولئے کے ذریعے جو خط بھیجا ہے۔ اس کی ایک نقل اسی طرح کے سنیو لئے کے واسطے سے مجھ تک بھی پہنچی ہے۔

عبدالعلی نے سر کو بہت زور سے جھٹکا اور اسے ٹوکا:
مجھے آپ کی عمہ محترمہ کا بے حد احترام ملحوظ ہے۔ ان کے پاس جاؤ گا تو انھیں میرا اسلام پہنچایئے گا اور ان سے کہیئے گا۔ مولا حسین کا بیٹا عبدالعلی انھیں اپنی ماں کے برابر جانتا ہے۔ اے کاش انھوں نے اس کی خواہش کا احترام کیا ہوتا اور اسے اس پریشانی سے نجات بخش دی ہوتی جس کا اظہار اس نے میدان جنگ میں ان پر کیا۔ اور جس کی خاطر اس نے "شب خون" مارا۔

اس نے اسے بھی ایک سپاہی کے سے انداز میں سلامی دی اور آگے کو چلا۔
میریہ اس کے پیچھے لپکی اس کا دامن پکڑ لیا۔ اور گڑگڑائی:
میں آپ کی خاطر ہر قربانی کر سکتی ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو اپنا مذہب بھی تبدیل کر لوں گی۔

عبدالعلی مسکرایا۔ سرگوشی کی۔

میں یہ سب باتیں یزہ آن کر آپ کی زبان سے سنوں گا۔ اور اسی وقت جواب دوں گا۔
میریہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور پوچھا:
کیا آپ سچ کہتے ہیں۔
عبدالعلی مسکرایا:
میرے جیسا سپاہی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا آپ نبرہ میں میرے منتظر رہیئے۔ اور عمہ محترمہ سے کہیئے۔ میرے سوال کا جواب تیار رکھیں۔

یہ کہکر تیزی سے آگے کو بڑھا۔ اور شاہی رتھ میں جتے ایک گھوڑے کو گاڑی سے کھول لیا۔ اس کی پیٹھ پر بیٹھا اور اسے آگے کو دوڑا لیا۔ عبدالغنی نے بھی اس کی پیروی کی۔ رضیہ بھی گاڑی تک آئی۔ لیکن ابھی گھوڑا کھول نہیں سکی تھی کہ ملکہ عالیہ فوزیہ نے اسے پکڑ لیا اور بچوں کی طرح منّت کی :

تم نہیں جاؤ رضیہ۔ تم چلی گئیں تو میں کس کے سہارے جیئوں گی۔ تم یہاں ہوگی تو تمہارے بھائی شائد کبھی لوٹ آئیں اور میرے گناہ معاف کردیں۔

اس کی آواز بری طرح بھرّا گئی۔ اور اس نے اپنی باہیں رضیہ کے گلے میں ڈال دیں۔

عبدالغنی نے بڑے اضطراب کے ساتھ پیچھے مڑکر دیکھا۔ مگر وہ دونوں ایک دوسری سے اس طرح لپٹی تھیں۔ جیسے ان کے سوا۔ یہاں کوئی اور موجود نہیں تھا۔

⁂

باب ۱۷

ملکہ عالیہ درجلینا نے پاگلوں کی طرح بال نوچتی نند کے دونوں ہاتھ
بڑی مضبوطی کے ساتھ اپنے پنجوں میں جکڑ لیے اور خاصی تلخی کے ساتھ بڑبڑائی:
اگر تمھیں سرزمین سرقسطہ سے اس قدر لگاؤ تھا اور تم اپنی بیٹی ذہبہ
کو دیکھنے کے لیے اس درجہ مشتاق تھیں تو تم اسلامی چھاؤنی سے لوٹ کر
کیوں آئیں۔ کیوں اپنا آپ مخالف سپہ سالار عبدالعلی کے حوالے نہیں کر دیا۔
شہزادی طلیبا بچوں کی طرح سسکیاں بھرنے لگی۔ اور سسکیاں
بھرتے بھرتے اعتراض کیا:
خدا کے لئے درجلینا میرے دل کے زخموں پر نمک نہیں چھڑکو اور مجھے
میرے حال پر چھوڑ دو۔

ملکہ عالیہ درجلینا نے اسے اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اور اس کی پیشانی چومتی ہوئی بولی :۔

تم جانتی ہو۔ میں تمھارے زخموں پر نمک نہیں چھڑک رہی۔ مجھے تم سے پوری پوری ہمدردی ہے۔ اگر ہمدردی نہیں ہوتی تو میں تم میں اور عالی جاہ میں حائل نہیں ہوتی۔

تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ عالی جاہ تم سے کس درجہ ناراض ہیں۔ وہ رات کوئی دس بار تلوار ہاتھ میں لے کر تمھاری خواب گاہ کی طرف لپکے۔ لیکن میں نے ہر بار انہیں روک لیا۔ اور شراب کی صراحی ان کے منہ سے لگا دی۔

ہلینا بڑبڑائی :

تم نے درجلینا ایسا کیوں کیا۔ انھیں میری خواب گاہ تک بڑھ آنے دیا ہوتا تاکہ وہ میری ناکام و نامراد زندگی کا خاتمہ کر دیتے۔

وہ پہلے سے زیادہ زور سے سسکیاں لینے لگی۔ درجلینا گھبرا گئی ہلینا کو سینہ سے لگائے لگائے میز پر رکھی شراب کی صراحی اٹھالی۔ اور اسے ہلینا کے منہ کے قریب کرتے ہوئے فرمائش کی :

اسے ایک ہی سانس میں خالی کر دو ہلینا۔ تمھارا غم ہلکا ہو جائے گا۔

شہزادی ہلینا نے درجلینا کے ہاتھ میں پکڑی صراحی کچھ اس غصہ سے پرے ہٹائی کہ صراحی دیوار سے جا ٹکرائی۔ اس نے اپنے آپ کو درجلینا کی گرفت سے چھڑا لیا اور بڑبڑائی :

اب میں اس منزل میں داخل ہو گئی ہوں بھابی جہاں شراب غم

کو بڑھاتی ہے کم نہیں کرتی۔ اب میرے دل پر سے تصنع کا ہر خول اُتر گیا ہے۔

اس کی آواز بُری طرح کانپ گئی:

اے کاش۔ تم مجھے میدانِ جنگ ہی میں چھوڑ آتیں کہ بھاگتے گھوڑے میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

درجلینا نے اسے ایک بار اور اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور اس کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھتی ہوئی بولی:۔

یہ کیسے ممکن تھا ہلینا۔ میں تو رات اس بات پر تیار ہو گئی تھی کہ تمھاری بجائے عالی جاہ کی تلوار کا نشانہ بن جاؤں۔ میں نے ان کی تلوار دوبارہ اپنے ننگے سینہ پر رکھ بھی لی۔ عالی جاہ سخت گھبرا گئے میرے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ تم سے باز پرس نہیں کریں گے۔

درجلینا نے ہلینا کا سر دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور اس کی روتی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی کہنے لگی:

تمھیں خوب معلوم ہے۔ جانِ گرامی۔ تمھاری زندگی میری زندگی ہے اور تمھاری موت میری موت۔ تم اگر زندہ نہیں ہو گی تو میں بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

اس نے اس کا روتا چہرہ اوپر کو اٹھا لیا۔ اور اپنے چہرہ سے بہت قریب کرتے ہوئے بات جاری رکھی:

اور پھر ڈیوک آف اریول تو چھاؤنی کے سب سے اونچے برج سے گر کر خودکشی کرے گا۔ وہ جس وقت میرے پاس آیا ہے تو اس کی آنکھیں بُری طرح سوجی ہوئی تھیں۔ وہ تو میں نے اسے تسلّی دی۔ ورنہ اس احمق نے تمہاری خواب گاہ کے باہر کھڑے ہو کر ہی اپنے سینہ میں خنجر گھونپ لیا ہوتا۔

اس کی آواز شہد کی مکھی ایسی بھنبھناہٹ میں تبدیل ہو گئی:

میری مان لو۔ ڈیوک سے بیاہ کر لو۔ اس طرح تمہارا غم بھی ہلکا ہو جائے گا اور اعلیٰ حضرت بھی خوش ہو جائیں۔

اس کی آواز پر بھاگتے گھوڑوں کے سموں سے پیدا ہونے والا شور غالب آگیا اس نے اپنا نازک سر اوپر کو اٹھا لیا۔ بڑی سرخوشی کے ساتھ بڑبڑائی،

شائد ہماری سفارت واپس آگئی ہے۔ گھوڑوں کے بھاگنے کے انداز سے خیال ہوتا ہے۔ وہ کامیاب رہی ہے۔

ہلینا کی رنگت ایک دم زرد پڑ گئی۔ درجلینا نے اسے اپنے سینہ سے لگا لیا اور پوچھا:

یہ تمہاری رنگت یک بیک زرد کیوں پڑ گئی ہے۔

ہلینا نے جھوٹ بولا:

میں سوچ رہی ہوں۔ اگر ہماری سفارت شہزادی ذہبہ کی واپسی کا مطالبہ بھی لے کر جاتی تو مطالبہ بھی مان لیا جاتا۔

گھوڑوں کے سموں سے پیدا ہونے والا شور پہلے سے بھی کہیں

بڑھ گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بھاگتے گھوڑے صحن چمن کی حد پار کر کے شاہی محل تک رسائی پا گئے ہیں۔

پھر ہر سو ناقوس بجنے لگے۔ اور پورے محل میں کچھ عجیب کہرام کے سے انداز میں یہ خوشخبری پھیل گئی کہ ولی عہد شہزادی میریہ واپس تشریف لے آئی ہیں۔

شہزادی میریہ واقعتاً تشریف لے آئی تھیں۔ اور پورے محل کے ساکنوں کی حیران حیران آنکھیں کے سامنے زخمی بادشاہ فروی نند اپنی اس اکلوتی بیٹی کے سینہ سے لگا۔ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ باپ بیٹی کے اس ملاپ نے گو ایک ایک آنکھ اشکبار کر دی تھی۔ لیکن یہ اشک مسرت کے اشک تھے۔ محل کے باہر آتش بازی چھٹنے لگی۔ اور ناقوسوں کی جگہ بینڈ باجے نے لے لی۔ اس شور وہنگامے کے اندر سے راہ بناتی ملکہ درجلبنا اور شہزادی جلینا شاہی جھروکہ تک آئیں۔ باپ کے بازوؤں میں بھنچی ولی عہد میریہ نے باپ کے بازو اپنے گرد سے بجلی ایسی تیزی سے ہٹا دیئے۔ تین چار سالہ بچے ایسے انداز میں آگے کو اچھل کر پھوپھی کے سینہ سے لگ گئی۔

شاہ فروی نند نے بڑی خشمگیں نگاہ بہن پہ اچھالی لیکن میریہ پھوپھی کے سینہ سے لگ کر جس انداز سے سسکیاں بھر رہی تھی۔ اس سے اس کی خشمگیں نگاہ نے اپنا انداز بدل لیا۔ وہ ہولے ہولے چلتا ان دونوں کے قریب آیا۔ اور اس طرح جیسے اپنی اس بیٹی سے بہن کے خلاف

شکوہ کر رہا ہو۔ کہنے لگا :

جان پدر۔ تم جس پھوپھی کے سینہ سے لگ کر سسکیاں بھر رہی ہو اس کو تم سے قطعاً محبت نہیں ہے۔ یہ تمھارے لئے ذراسی قربانی بھی نہیں کرسکتی تھی۔

ہم نے اس سے فرمائش کی تھی۔ تمھاری جگہ سرقسطہ رہنے پر آمادہ ہو جائے۔ لیکن یہ۔ لیکن یہ

سسکیاں بھرتی میریہ نے اپنا روتا منہ ایک دم باپ کی سمت کرلیا اور بڑبڑائی :۔

تو گویا آپ مجھے پھوپھی جان پر ترجیح دے رہے تھے اور وہ بیڑیاں جو میرے پاؤں کی زینت تھیں پھوپھی جان کو بخشنا چاہ رہے تھے حالانکہ پھوپھی جان۔ آپ کے باپ کی تنہا بیٹی اور آپ کی اکلوتی بہن ہیں۔

فروی نند نے بڑی شرمندگی کے ساتھ لقمہ دیا:

تمھاری پھوپھی جان کی اور بات ہے بیٹی۔ وہ پہلے بھی دس سال سرقسطہ میں گزار آئی ہیں۔ ان کی ایک بچی بھی وہاں ہیا۔ ان کے لئے سرقسطہ قیدخانہ نہیں تھا۔ سسرال تھا۔

ان کی آواز پر ملکہ عالیہ درجلینا کی طنزیہ آواز چڑھ گئی :

اگر یہ بات تھی عالی جاہ تو آپ نے دس سال پہلے سرقسطہ پر چڑھائی کیوں نہ کی تھی۔ اور میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر یہ قسم کیوں کھائی

تھی کہ آپ جب تک شہزادی ہلینا کو نبرہ واپس نہیں لے آئیں گے۔
نہ پلنگ پر سوئیں گے اور نہ شراب پئیں گے۔

ڈیوک آف اریولہ نے بھری بزم میں آگے بڑھ کر ملکہ عالیہ درجلینا کی
تائید کی :-

میں نہ صرف اس بات کا گواہ ہوں علیا حضرت۔ یہ قسم میں نے بھی
اور میرے ایک لاکھ سپاہیوں نے بھی کھائی تھی۔

اعلیٰ حضرت بادشاہ فروی نند نے گرینڈ ڈیوک آف اریولہ پر
ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی ۔ اور الجھے الجھے بالوں اور سوجی سوجی آنکھوں
والا گرینڈ ڈیوک آف اریولہ بالکل شہزادی میریہ کے قریب آن رکا۔
اس نے ایک ہاتھ میریہ کی پشت پر رکھ دیا اور پہلے ایسے انداز
ہی میں بڑبڑایا :

آپ کی ہر رعنائی کی قسم ولی عہد شہزادی دس دن سے برابر
صبح۔ شام اور رات کی ہر گھڑی اور ہر دن ۔ ہم یہی قسم بار بار دہرا
رہے تھے۔

اس کی آواز پھٹ گئی :

آپ اندازہ نہیں فرما سکتیں ۔ پورے نبرہ پر اس کے ایک
ایک بچے اور ایک ایک بوڑھے پر۔ آپ کی قید کس درجہ گراں تھی۔
ہر جگہ ماتم برپا تھا۔ ہر خوشی ماند پڑی تھی۔ ہر آرزو دم توڑ
گئی تھی۔

شہزادی میسریہ نے پھوپھی کے سینہ سے لگے لگے۔ اس ڈیوک کی سمت دیکھا۔ اس کی آواز میں کس قدر سوز اور کتنا گہرائی تھی وہ اپنا ہاتھ سلام کے لئے اپنی خوبصورت پیشانی پر لے گئی اور سر جھکتی اور خود پر قابو پاتی ہوئی بولی:

ہم بزرگ سپہ سالارِ اعلیٰ آپ کے جذبات سے بہت متاثر ہوئی ہیں اور آپ کی بہت بہت ممنون ہیں۔

پھر پھوپھی کے گریبان سے کھیلتی ہوئی کہنے لگی:۔

آپ بھی پھوپی جان! بزرگ سپہ سالارِ اعلیٰ کا شکریہ ادا کیجئے۔

شہزادی ہلینا نے اپنی آنسو بھری آنکھیں اس ڈیوک آف اریولے پر اُٹھا دیں [illegible] کی [illegible] آوارہ گردی کی نذر کرکے اپنے آدھے بالوں میں سفیدی بھر لی تھی اور جس کے چہرہ پر اس وقت خوفناک زردی چھائی تھی۔ شہزادی ہلینا نے بھتیجی کی پیشانی پر اپنی ٹھوڑی رکھتے ہوئے اس کی خواہش کی تعمیل کی:

ہم بھی ڈیوک آف اریولہ! آپ کی بہت بہت شکر گزار ہیں۔

ڈیوک کے چہرہ کی زردی کسی نے ایک دم اُچک لی۔ وہ بے اختیار دو زانو ہوا۔ اور شہزادی ہلینا کی لانبی عبا کا دامن آنکھوں سے لگاتا ہوا بڑبڑایا:۔

غلاموں کے شکریے اگر آقا ادا کرنے لگیں تو یہ ان کی توہین

ہے۔ وہ تو پیدا ہی اس لئے ہوتے ہیں کہ مالکوں پر اپنا آپ نچھاور کریں۔

بینڈ ماسٹر شاید ڈیوک کا کوئی ہم راز تھا۔ کہ اس نے اس مضمون کا ایک دوہا بینڈ کی ٹیون پر چڑھا لیا۔ اور وہ کس قدر ماہر فن کار تھا کہ اس کی بدلی ہوئی ٹیون نے محل کی لانبی غلام گردش میں جمع ہزاروں سپاہیوں کے پاؤں کبھی اٹھانے اور کبھی گرانے شروع کر دیئے رسالے کے سارے سپاہی۔ سارے کے سارے خدام۔ خادمائیں۔ یہی دوہا گانے لگیں۔

اعلیٰ حضرت فروی ننند نے آگے بڑھ کر اس نیاز مند ڈیوک کو بہن اور بیٹی کے آگے سے ہٹایا۔ ڈیوک کی حرماں نصیب زندگی میں خوشی کا یہ انوکھا موقعہ صرف پہلی بار آیا تھا صرف پہلی بار اس کی زندگی کی حاصل محبوبۂ عالیہ نے اپنی زبانِ مبارک سے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ ورنہ یہ محبوبہ تو بڑی ہی ستم گر اور بڑی ہی جفا پیشہ تھی۔ وہ شکریہ ادا کرنا تو کہیں رہا۔ کبھی ہنس کر اس ڈیوک سے بولی نہ تھی۔ جو اسے آج سے نہیں دس سال سے نہیں۔ بیس سال سے نہیں۔ پورے پینتیس سال سے جبکہ یہ محبوبہ عالیہ صرف پانچ سال کی تھی۔ انتہائی دیوانگی کی محبت کرتا چلا آیا تھا۔ اس کی زبان پر شکریے کے الفاظ آئے تو اسے ایسا لگا جیسے ساری کائنات خوشی سے ناچ اٹھی ہے۔

ساری کائنات خوشی سے ناچی یا نہیں ناچی تھی۔ پورا محل ضرور

ناچنے لگا تھا۔ ظالم بینڈ ماسٹر نے بڑی شوخ دھن بجانی شروع کر دی تھی۔

شہزادی میریہ کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو خشک ہو گئے تھے۔ وہ اپنا ایک ہاتھ پھوپھی کے گریبان میں اور دوسرا اپنی سوتیلی ماں ملکہ عالیہ درحلینا کی جیب میں ڈالے اس سارے منظر کو اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے معصوم بچی ہو۔

یہ معصوم بچی اس وقت تو بے طرح مسکرانے لگی۔ جب گرینڈ ڈیوک آف اربولہ اعلیٰ حضرت شاہ فردی نندکا گرامی قدر ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محل کے خدام اور خادمات کے سے انداز میں رقص فرمانے لگا۔

ملکہ درحلینا بھی مسکرا پڑیں۔ اور بہت ہو سے جیسے وہ صرف ہلینا سے مخاطب تخفیں، کہنے لگیں:

کتنے عظیم دل کا مالک ہے۔ ہلینا۔ یہ ڈیوک آف اربول۔

اسے کاش اس کی زندگی میں بھی کبھی کوئی خوشی آئی ہوتی۔

حالانکہ ملکہ عالیہ درحلینا نے اس ڈیوک کی کوئی واضح سفارش نہیں کی تھی۔ لیکن ہلینا کی پیشانی پر شکنیں ہی شکنیں پڑ گئیں۔ اس کی رنگت بری طرح زرد پڑ گئی اور اس نے میریہ کو اپنے بازوؤں میں لے کر یہ محفل چھوڑ دی۔

ڈیوک نے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ اپنے ہاتھ سے نکال دیئے۔ اس کے رقصاں پاؤں جہاں تھے وہیں تھم گئے۔

وہ کیا تھا۔ پورا ہال تھم گیا۔ ایک ایک سپاہی کے پاؤں جم کر رہ

گئے۔ ظالم بینڈ ماسٹر نے شوخ دھن کی بجائے بڑی ہی المیہ دھن بجانی شروع کردی۔ اور ایک لمحہ کے لئے ایسا محسوس ہونے لگا۔ جیسے ساری کائنات رونے لگی ہے۔ اعلیٰ حضرت فردی ننڈ نے بڑے غصے سے پاؤں بجائے اور ان کی گرج بینڈ کی آواز پر چڑھ گئی:

احمق آدمی۔ یہ خوشی کی گھڑی تھی یا ماتم کا لمحہ۔

اس ملک کی ولی عہد۔ اسے واپس ملی تھی۔ تم اس کا استقبال کرتے کرتے یہ کیا دھن بجانے لگے ہو۔

بینڈ ماسٹر سنبھلا۔ دھن بدل ڈالی۔ آگے بڑھتی سر جھٹکتی شہزادی میریہ نے پھوپی جان کے گریبان میں دونوں ہاتھ ڈال لئے اور خوشامد کی:

رک جائیے پھوپھی جان۔ آپ کے اور ہمارے اُٹھنے سے بات بہت غلط ہو گئی ہے۔

پھوپھی کو اس کا ہوش نہیں تھا۔ اس کا چہرہ پہلے ہی کی طرح زرد پڑا تھا۔ وہ اپنی اس بھتیجی کو آخری جھروکے کے قریب لے آئی اور بہت ہولے سے پوچھا:

کیا تمھیں میرا خط نہیں ملا تھا۔ اور کیا عبدالعلی نے تم سے تمہاری رائے نہیں پوچھی تھی۔

شہزادی میریہ کی رنگت اس سوال نے زرد کردی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بینڈ ماسٹر اور اس کے ساتھی ناچیہ دُھن

گانے لگے تھے۔

سپاہیوں اور محل کے خدام و خادمات کے پاؤں پھر اٹھنے اور گرنے لگے تھے۔ گو ان سب کی نگاہیں ان ہی پر تھیں ۔ مگر درمیانی فاصلہ خاصا تھا۔ شہزادی میریہ نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑا کر، پھوپھی کے اس اچانک سوال کا جواب دیا:۔

آپ کا خط مجھے مل گیا تھا ۔ میں نے اس سے بات کی تھی۔ آپ کی مرضی اور اپنی خواہش اس سے کہہ دی تھی۔ لیکن وہ سخت اضطراب میں تھا اس نے سرقسطہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے اور جلاوطنی اختیار کر لی ہے۔

شہزادی ہلینا نے بڑی گھبراہٹ کے ساتھ اس کی بات کاٹ لی:

یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ عبدالعلی سرقسطہ کو چھوڑ جائے اور جلاوطنی اختیار کر لے یہ ناممکن ہے۔

شہزادی میریہ نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور ہولے سے سرگوشی کی:

یہ ناممکن ہے یا ممکن۔ میں اس کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ البتہ میں نے جو دیکھا وہی عرض کیا ہے ۔ عبدالعلی اور نئی نویلی ملکہ عالیہ فوزیہ آپس میں لڑ پڑتے تھے۔ ملکہ عالیہ کو دکھ تھا کہ اس کے شوہر کی بجائے فتح عبدالعلی کے حصہ میں کیوں آئی۔ سفارتیں۔ بادشاہ کی بجائے اس کے حضور کیوں حاضر ہوئیں۔ اسے شائد خطرہ پیدا ہو کہ کہیں عبدالعلی

کا بڑھتا ہوا اقتدار اس کے شوہر کو تاج و تخت سے محروم نہ کر دے۔
پھوپھی نے بھتیجی کا ہاتھ اپنے منہ سے جھٹک دیا اور پاگلوں ایسے انداز میں بڑبڑائی :۔
یہ تو بہت بُرا ہوا۔ یہ تو بہت بُرا ہوا۔
وہ یہی بات کتنی دیر تک بڑبڑاتی رہی اور فضا میں اس طرح تکنے لگی جیسے آسمان سے شکوہ کر رہی ہو۔

٭

باب ۱۸

بوڑھا عبدالالہ۔ نوجوان عبدالعلی کے آگے آگے چلتا۔ اسے اپنے قبیلہ کے ایک ایک سربراہ سے ملاتا جب آخری صف میں پہنچا تو اس نے اپنی بوڑھی گردن بڑے فخر کے ساتھ دائیں طرف پھیری اور بڑی تعلی کے ساتھ کہنے لگا:

سولہ ہزاران بوڑھے اور جوان مردوں کے ساتھ ساتھ۔ امیر یہ تیس ہزار بنات عامر بھی آپ کو خوش آمدید کہتی ہیں۔

اس نے اپنا ہاتھ خاصا آگے کو بڑھا دیا اور بات جاری رکھی:

ان کے لباسوں پر نہ جائیے گا۔ یہ ساری کی ساری کسان عورتیں ہیں۔ یہ کڑکتے جاڑوں اور چلچلاتی دھوپوں میں اپنے شوہروں' اپنے بھائیوں اور اپنے بیٹوں کے ساتھ مل کر دن بھر مشقت کرنے کی عادی

ہیں۔ یہ زمین کو کھودتیں۔ ہل چلاتیں۔ کھیتوں کو پانی دیتی اور فصلوں کو کاٹتی ہیں۔ اگر آپ نے ان کے سارے مرد اپنے ساتھ مشغول کر لئے تو بھی عامر بستیاں ویرانوں میں تبدیل نہیں ہوں گی۔ ان کے لہلہلاتے کھیت جوں کے توں لہراتے رہیں گے۔ ان کے مرغزار سبزہ سے محروم نہیں ہوں گے۔

بوڑھے عبدالالہ کی آواز پر ایک بہت سی مہین مگر بڑی ہی شیریں اور متوازن آواز چڑھ گئی :

آپ نے حرف حرف ٹھیک فرمایا عم محترم !

عبدالعلی کی نگاہ اس سمت اٹھ گئی۔ یہ ایک جوان کسان لڑکی تھی۔ اس کا لباس بہت سادہ مگر شکل بڑی حسین تھی۔ وہ عبدالعلی کے چہرہ پر دیکھتی ہوئی کہنے لگی :۔

ہم یقیناً اپنے باپوں اپنے شوہروں۔ اپنے بھائیوں اور بیٹیوں کی غیر موجودگی میں اپنی بستیوں کو آباد رکھ سکتی اور کھیتوں کو ویران ہونے سے بچا سکتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ہمارا ایک اور وصف بیان نہیں کیا۔

اس کی آواز خاصی بلند ہو گئی اور اس نے اپنے لانبے جامے کے اندر چھپی میان سے ایک نوکیلی چمکیلی تلوار نکال لی۔ اور اسے فضا میں لہراتے ہوئے بات جاری رکھی :

ہم بہ وقت ضرورت آپ کے ساتھ ہتھیار رکھی اٹھا

سکتی ہیں۔ اور آپ کے دوش بہ دوش لڑ بھی سکتی ہیں۔

اس نے اپنی نگاہ بوڑھے عبداللہ پر ڈالی:

میرے بابا۔ عم محترم آپ کی راہ تکتے تکتے اس دنیا سے رخصت ہوگئے انھوں نے مرتے وقت یہ تلوار میرے سپرد کی تھی اور مجھ کو وصیت کی تھی کہ جب کبھی آپ عامر بستیوں میں لوٹ کر آئیں تو آپ سے ان کی طرف سے کہوں۔

تمھارے جھنڈے تلے لڑنے کی آرزو مجھے آخر وقت تک رہی عبداللہ۔ میں ہر صبح اور ہر شام تمھارا منتظر رہا۔ اور اپنے ساتھیوں کو امید دلاتا رہا کہ تم ایک دن ضرور آؤ گے۔ اور محمد بن ابی عامر کی اولاد کو جو مملکتِ بنرہ کی غلامی کا جوا پہنے پہنے حرارتِ ایمانی تک سے محروم ہو جانے کو ہے۔ آزادی کا عملی سبق دو گے۔

لڑکی نے تلوار پھر نیام میں ڈال لی۔ اس کی آواز گر گئی۔

بابا نے برابر دس سال آپ کی راہ دیکھی اور ہر سال جب سر قسطہ کی سفارت پانچ لاکھ اشرفی تیز رفتار خچروں کی پیٹھوں پر لادے۔ زور زور سے گھنٹیاں بجاتی۔ ہماری بستی کے سامنے سے گزرتی تو بابا اپنی داڑھی کے بال نوچ لیتے اور مجھ سے کہتے۔ اس سال بھی تمھارے چچا نے اپنی بستی کی راہ نہیں لی۔

اس کی آواز پھر اونچی ہوگئی۔ اور وہ کافی آگے بڑھ کر بالکل بوڑھے عبداللہ کے پہلو میں پہنچ گئی۔ اور اس کی کھردری عبا کا دامن اپنے ہاتھ میں لے کر بات جاری رکھی:

میرے بابا کی موت کو ابھی سولہ دن ہوئے ہیں۔ وہ ٹھیک اس شب

اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ جب بادشاہ فردی نند کی جرار فوجیں زمین و آسمان کے کلابے ملاتیں۔ ہماری بستی کے آگے سے گزریں۔

اس نے عبدالالہ کا دامن اپنے ہونٹوں سے لگالیا۔ اور آنکھیں جھکاتی ہوئی بولی:

آپ نے شائد عم محترم مجھے پہچانا نہیں ہے۔ میں آپ کے چھوٹے بھائی عبدالسمیع کی اکلوتی بیٹی ہوں۔

عبدالالہ نے ایک دم اپنے بازو پھیلا کر اسے اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اور اس کے سر پر منہ رکھ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ وہ بھی رونے لگی۔ عورتوں کی پہلی صف میں کھڑی ایک بوڑھی عورت نے اپنے بوڑھے سر کو کئی بار جھٹکا۔ اور عبدالالہ کو آواز دی۔

تم یہ بدشگونی کر رہے ہو عبدالالہ ایسے وقت۔ بچوں کی طرح رونے لگے ہو۔

جب ہماری لڑکیاں تمھارے آقازادے کے احترام میں استقبالیہ گیت گانے کو تھیں۔

اس نے عبدالالہ کی روتی آواز رکنے کا انتظار کئے بغیر استقبالیہ گیت گانا شروع کر دیا۔

ساری کی ساری عورتیں اس سے ہم نوا ہوگئیں۔ بچے بھی وہی گیت گانے لگے۔ پھر مردوں نے بھی اس میں شرکت کی۔ اور ان کی یہ گاتی آواز فضا میں پھیلتی ہوا کی لہروں پر جھولا جھولتی دریائے ابرہ کی نیرلی سپرہ کی تک رسائی

پاگئی۔ چوکی کے سپہ دار نے اپنے ہاتھ میں پکڑا کوڑا بڑے غصہ کے ساتھ اپنے قریب کھڑے عامری سپاہی کی پیٹھ پر برسایا اور شیطان کی طرح گرجا:

عامری! یہ تمھاری بستیاں یکایک اس گستاخانہ لے میں کیا اس لئے شور مچا رہی ہیں کہ ہماری بھاگتی فوجوں سے ان کے ذہن پراگندہ ہو گئے ہیں اپنے ساتھ بارہ سپاہی لے لو۔ اُڑتے ہوئے جاؤ۔ اور ان کی گستاخ زبانوں کو لگام دو۔

نہیں تو ہم کل سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے ان بستیوں میں آگ لگا دیں گے۔

پیٹھ کو سہلاتا عامری سپاہی بڑے ادب سے اپنے سپہ دار کے حضور جھکا۔ بھاگتا ہوا سیڑھیاں اترا۔ اور اپنے ساتھی عامری سپاہیوں کو سوار کراکے عامری بستیوں کی سمت اُڑا۔

وہ جوں جوں عامری بستیوں سے قریب ہوتا گیا۔ گاتی آوازیں پہلے سے زیادہ بلند ہوتی گئیں۔ ان میں ڈھولوں کی تھپ تھپ بھی مل گئی تھی۔ ہر طرف الاؤ ہی الاؤ جل رہے تھے اور ان جلتے الاؤوں کے وسیع پھیلاؤ میں عورتیں اور مرد اس طرح ناچ اور گا رہے تھے جیسے اس رات گائے تھے۔ جب گیارہ سال پیچھے مولا حسین نبرئی سرحا کو بُری طرح پائمال کرنے کے بعد ان بستیوں کے قریب سے گزرا تھا۔ اور اس کی فاتح سپاہ کے گھوڑوں کی ٹاپیں کتنی دیر رات گئے تک فضا میں گونجتی رہی تھیں۔ یہ سپاہی نبرئی چوکی کے تنخواہ دار ملازم ضرور تھے۔ مگر عامری تھے اور مردوں میں جو ناچ بھی رہے

تھے اور گاہبھی۔ ان کے بھائی اور بھتیجے اور بھانجیاں نہیں شریک تھیں۔ ان کی حیران حیران نگاہوں کے سامنے سب سے بڑے الاؤ پر بھنتی ایک بھیڑ کے پیٹ میں عامری قبیلہ کے سربراہ شیخ شہاب نے ہاتھ میں پکڑے لانبے نیزے کی انی چبھوئی اور پوری کی پوری بھیڑ کو اپنے ہاتھ کے دباؤ سے گھماتا مہمانِ اعلیٰ تک لے آیا۔ اور بہت ادب کے ساتھ درخواست کی :

اعلیٰ حضرت آپ کے والدِ گرامی قدر مولا حسین آج سے پورے گیارہ برس پہلے جب ایسی ہی ایک روشن شب میں اپنی خون ٹپکاتی تلوار کو فضا میں لہراتے ہماری اس چراگاہ سے گزر رہے تھے۔ میں نے ان کی راہ روک لی تھی۔ اور آج ہی کی طرح ان کے اعزاز میں الاؤ روشن کئے اور اسی طرح ایک بھیڑ بھنوا کر ان کے حضور پیش کی تھی۔

بارہ کے بارہ سپاہی گھوڑوں سے اتر آئے اور جادو میں بندھے ہوئے ہولے ہولے چلتے اس الاؤ تک آن پہنچے۔ نوجوان عبدالعلی نے اپنی تلوار سے، بھنی ہوئی بھیڑ کا ایک بازو کاٹ لیا۔ شیخ شہاب نے بڑی تعلّی کے ساتھ نیزہ پکڑے ہاتھ کو گھمایا اور بھیڑ عبدالغنی کے سامنے کر دی۔ عبدالغنی نے بھی ایک بازو کاٹ لیا تو بھیڑ عبدالالہ کے سامنے آگئی اور شیخ شہاب کی آواز سنائی دی :۔

ابنِ عم عبدالالہ۔ تمھیں وہ وقت ضرور یاد ہوگا۔ جب تم اپنے آقا مولا حسین کے ساتھ بنرہ کی سمت بڑھ رہے تھے۔ تمھاری سواری دم توڑ گئی تھی میں نے اپنا گھوڑا تمھاری نذر کیا تھا اور تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ اس گھوڑے کے بدلے میں ایک سو ایک گھوڑے مجھے دوگے۔

وہ بے اختیار ہنسا:

گو وہ وعدہ تم نے آج تک پورا نہیں کیا۔ اس نے باوجود ہم تمھیں اور تمھارے آقازادے کو بائیس سو گھوڑے نذر کریں گے۔ اور کوئی صلہ نہیں چاہیں گے۔

اس نے بچھڑے کو ہلایا:

اس کا اگلا دستہ تم کاٹ لو عبدالالہ۔ آج تم بھی ہمارے مہمان ہو۔ پورے گیارہ سال بعد ہماری بستیوں کی سمت آئے ہو۔

اس نے بہت زور کا قہقہہ لگایا عبدالالہ نے اس قہقہے کی گونج میں اگلا پا زد کاٹا:

ہر الاؤ کے گرد جمع مہمانوں کی اسی طرح خاطر تواضع ہوئی۔

خاطر تواضع کی یہ محفل تو اس وقت ختم ہوئی جب سپیدہ صبح نمودار ہو چکا تھا اور بھاری بھاری آنکھوں کو کبھی بند کرتی اور کبھی کھولتی مرجانہ اپنے بزرگ چچا کے کھردرے گریبان سے کھیلتی۔ شرمائی شرمائی۔ اس سے اور اس کے ذریعہ نوجوان عبدالعلی سے کہہ رہی تھی۔

مرغ سحر اذان دینے لگے ہیں چچا جان۔ آپ کے اور ہمارے مہمان کی آنکھیں نیند سے بہت بوجھل ہو گئی ہیں۔

میں نے قریب ہی خیمہ نصب کر دیا ہے ان سے درخواست کیجئے تھوڑی دیر آرام فرمالیں۔ پھر نماز فجر کا وقت ہو جائے گا۔

عبدالعلی نے بوجھل نگاہ اس پر اُٹھائی۔ بوڑھے عبدالا نے اس کا

بازو پکڑا اور مسکراتا ہوا اوپر کو اٹھا۔ لڑکی آگے آگے چلی اور راہ دکھاتی ایک مختصر سے خیمہ کے دروازے پر لے آئی اور بولی:

بابا۔ یہاں میں نے صرف ایک مسند بچھائی ہے۔ آپ کی مسند پہلو کی چھولداری میں ہے۔

بڈھے عبدالالہ نے اپنی بھتیجی کی پیٹھ ٹھونکی۔ ہنسا۔ لڑکی رکوع کے بل جھک گئی اور درخواست کی:

اونٹ کے بالوں سے بنے ہوئے کھُردرے کپڑے کا یہ خیمہ گو آپ کے شایانِ شان نہیں امیر۔ لیکن اس پر نگاہ نہیں کیجیئے۔

وہ تسلیم بجالائی اور عبدالعلی بہت کھویا کھویا۔ اندر بڑھا پھوس کی یہ مسند بہت صاف تھی وہ اس پر بیٹھ گیا۔ لڑکی کی آواز آئی:

سو جایئے۔

اور وہ لیٹ گیا۔ لڑکی نے خیمہ کا پردہ گرادیا اور ہاسر آن پہنچی۔ چچا اب تک دروازہ پر رکا تھا مرجانہ اس کے گریبان سے کھیلنے لگی اور کھیلتے کھیلتے شکایت کی۔

چچا آپ نے ہمیں دیکھتے ہی کیوں نہ پہچان لیا۔ ہم نے اپنا تعارف آپ سے کرایا تو پھر آپ نے ہمیں پہچانا۔ کیا ہماری صورت ممی سے ملتی جلتی نہیں ہے۔

اس کی آواز پر اس کی ممی کی آواز چڑھ گئی:

تم سے میری صورت ضرور ملتی ہے مرجانہ۔ مگر تمہارے چچا ہماری صورتیں

تو اس وقت یاد رکھتے جب انھیں سرقسطہ کی دلچسپیوں سے فرصت ملتی۔

وہ تیز تیز چلتی دیور کے پاس آگئی دیور نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا اور سرگوشی کی:

لولو۔ میں سرقسطہ کی دلچسپیوں میں نہیں الجھا تھا۔ میرے آقا مجھے ایک لمحے کے لئے تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔ انھوں نے اقتدار کے دنوں میں بھی میرا بازو تھاما۔ اور ادبار کے دنوں میں بھی میری انگلی پکڑے رکھی۔

اس نے ہھابی کو اپنے ہاتھ کے سہارے جھولا جھولاتے ہوئے بات پوری کی:-

وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ تو میں تم تک آن پہنچا ہوں۔ اور اپنے آقازادے کو ساتھ لے آیا ہوں کہ نئی زندگی کا آغاز کروں۔ نئی صبح کو طلوع ہوتے دیکھوں۔ اور نیا سورج چڑھاؤں۔

اس کی آواز خاصی بلند ہوگئی:

ہر شئے کا ایک وقت متعین ہوتا ہے۔ لولو ہھابی۔ شائد پروردگار کو یہی بات پسند تھی کہ میں اس وقت یہاں آؤں جب تیرا سہاگ لٹ چکا ہو۔ اور جب تیری بیٹی جوان ہو چکی ہو۔

اس نے مرجانہ کی سمت دیکھا اور ہھابی کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتا ہوئے کہنے لگا:-

عبدالغنی بھی ساتھ آیا ہے۔

یہ کہتے کہتے بوڑھے عبدالالہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اس نے عبدالغنی کو آواز دی:

عبدالغنی!

عبدالغنی وہاں نہیں تھا۔ اسے اس کی ماں۔ بہنیں اور خاندان کی دوسری عورتیں اپنی بستی میں لے گئی تھیں۔ عبدالغنی کے ایک ساتھی نے بوڑھے عبدالالہ کو اس بات سے خبردار کیا تو بوڑھے نے بڑی سرخوشی کے ساتھ عبدالغنی کا ذکر اپنی بھاوج سے چھیڑا:

عبدالغنی اکیس سال کا ہو چکا ہے بھابی۔ اور اس کی جوانی بالکل میری جوانی سے مشابہ ہے۔

اور بھابی نے آنسو بھری آنکھیں نیچے جھکا لیں۔

❖

باب ۱۹

اشارے کی دیر تھی کہ چھم چھم کرتی اکیس رقاصائیں تہنیت و مبارک کے بول الاپتی شاہی خیمہ میں داخل ہو گئیں۔ سسکیاں بھرتی فوزیہ نے بجلی ایسی تیزی سے رضیہ کے سینہ سے اپنا سر اٹھا لیا۔ اپنی لانبی لانبی کمخوابی کفنوں سے آنسو پونچھ لئے اور ذہبہ اور ثمینہ کی طرف دیکھا۔ دونوں ایک ہی جیسے انداز سے مسکرا رہی تھیں۔ فوزیہ عالیہ نے گوا پنے نازک سر کو کئی بار جھٹکا مگر نہ تہنیت و مبارک بادی کا رقص رکا اور نہ نغمہ ہی بند ہوا۔ اور شہزادی ذہبہ نے وزیر تقریبات کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت کے سر مبارک پر ان کے بابا کا تاج پہنا دیا۔ اور اس طرح جیسے وہ اعلیٰ حضرت کی چچیری بہن نہیں۔ ان کی ایک باندی کنفی رکوع کے بل جھک کر ان کے دامن کو آنکھوں سے لگاتے ہوئے درخواست کی :۔

تخت پر قدم رنجہ فرمائیے عالی جاہ ! باندی عمائدینِ سلطنت کو باری باری باریابی کا اذن دے رہی ہے۔

فوزیہ نے اپنے سر کو ایک بار اور جھٹکا جیسے احتجاج کر رہی ہو لیکن شہزادی نے اس کے اس احتجاج کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کی۔ اعلیٰ حضرت کو اپنے نازک جسم کا سہارہ دیتی تخت تک لائی۔ اعلیٰ حضرت کو تخت پر بٹھایا۔ اور تخت کے پیچھے لٹکتی سنہری چلمن گرا دی۔ اور ایک نقیب کے سے انداز میں پکاری :

حاجب المطرف حضرت قاضی القضاۃ ابو العباس اور دوسرے عمائدینِ سلطنت کو اندر بڑھا لاؤ۔ اعلیٰ حضرت تخت پر جلوہ فرما ہو گئے ہیں۔

حاجب المطرف نے حضرت قاضی القضاۃ ابو العباس اور دوسرے عمائدینِ سلطنت کو آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ اعلیٰ حضرت قاضی القضاۃ کی تشریف آوری نے رقص و نغمہ کو موت بخش دی۔ رقصاں و لرزاں اور نغمہ سرا باندیوں نے بجلی ایسی تیزی سے جھک جھک کر اپنے چھم چھم کرتے پاؤں پر ہاتھ رکھ لئے۔ اور لنگڑاتی ہوئی چلمن کے پیچھے چھپ گئیں۔

قاضی القضاۃ اعلیٰ حضرت کے دائیں پہلو پر بیٹھ گئے تو شہزادی ذہبہ نے رسماً نذر گزاری۔ پھر نذریں ہی نذریں گزرنے لگیں۔ عمائدینِ سلطنت اور دوسرے عہدیداروں نے جو نذریں گزاریں اور جو تحائف پیش کئے ان کے انباروں میں تختِ شاہی قریب قریب چھپ گیا۔ لیکن

پھر بھی نذرانوں کی رسم اختتام کو نہیں پہنچی۔

یہ کوئی آدھی رات کا وقت تھا۔ جب بنو۔ ارغونہ اور قشتلونہ کی مشترکہ سفارت نذر گزارنے آئی۔ وہ اپنے ساتھ انمول موتی۔ مرصع اور جڑاؤ زیورات اور پانچ لاکھ اشرفیاں نقد لائی تھی۔ ان کے سربراہ نے جو ڈیوک آف اریولہ کے سوائے کوئی دوسرا نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت المظہر کے حضور یہ سارے قیمتی تحائف نذر کئے اور بادشاہ فردی ننند بنو۔ بادشاہ از نونش قشتالیہ اور بادشاہ سانجہ ارغونہ کی طرف سے ایک مشترکہ عرضداشت پیش کرتے ہوئے بولا:

آپ کی ہمسایہ عیسائی ریاستوں کے فرمانرواؤں نے عالی جاہ! ایک ایسی مسرت کے ساتھ آپ کی صحت یابی پر آپ کو مبارک باد عرض کی ہے۔ اور یہ خواہش کی ہے کہ آج کی مبارک تقریب کے وقت ان تینوں اور آپ میں دوستی کا ایک مضبوط معاہدہ قائم ہو جائے آپ کی ریاست کے حدود کا احترام یہ تینوں کریں اور آپ اپنے اوپر ان تینوں کے حدود کا احترام لازم جان لیں۔

چالاک ڈیوک آف اریولہ نے اپنی موٹی گردن کو ملکا سا خم دیا اور بات جاری رکھی:۔

نہ صرف یہ کہ آپ ہماری حدود کا احترام کریں اور ہم آپ کی حدود کا۔ آپ کی رعایا اور ہماری رعایا بھی ان حدود کی پابندی لازم جان لے۔

قاضی القضاۃ ابوالعباس الشاطبی نے ڈیوک کی بات کاٹی:

معاہدہ کی پہلی شکل پر تو عمل ممکن ہے۔ محترم سفیر۔ لیکن آخری حصہ قابلِ عمل نہیں ہوگا۔ کہ ہماری۔ آپ کی سرحدوں کی آبادی قریب قریب ساری کی ساری مسلمان ہے اور ان پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنا آسان نہیں ہے اور پھر قریب قریب یہ ساری کی ساری سرحدی بستیاں نیم خود مختار ہی ہیں۔

ڈیوک نے لقمہ دیا :۔

آپ نے شاید ان کو خود مختاری دے رکھی ہو۔ لیکن ہماری سرحدی بستیوں کی خود مختاری کبھی تسلیم نہیں کی گئی۔

خصوصیت سے عامری بستیاں تو ہمیشہ نبرہ۔ قشتالیہ اور ارغونہ کی باج گزار اور پوری کی پوری ماتحت رہی ہیں۔

اس کی آواز پر شہزادی زہبہ کی آواز چڑھ گئی :

آپ ڈیوک آف اریولہ کسل کر بات نہیں کر رہے۔ اگر ہمارے جاسوسوں کی یہ اطلاع درست ہے تو آپ اس ملک کے جلاوطن امیر عبدالعلی اور ان کے سات ہزار ساتھیوں کے خلاف استغاثہ کرتے آئے ہیں۔ جنہوں نے دریائے ابرہ کے قریب قریب ستر میل لمبے دونوں کناروں پر ایک نئی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی ہے۔

اعلیٰ حضرت بادشاہ المنظہر نے اس کی بات کاٹ لی :

تم نے جانِ برادر۔ امیر عبدالعلی کو جلاوطن امیر کا خطاب کیسے دے دیا ہے۔ ہم نے انہیں قطعاً جلاوطن نہیں کیا۔ انھوں نے ہماری مرضی اور

ہماری اجازت کے بغیر یہ ملک چھوڑا ہے۔ اور ہم ہر وقت انھیں لبیک کہنے کو تیار ہیں۔ ان کے مناصبِ اعلیٰ ان کے لئے چشم براہ ہیں۔

فوزیہ نے سنہری چلمن کے ساتھ منہ لگا کر انہیں ٹوک دیا:۔

لیکن عالی جاہ! آپ امیر عبد العلی کا موضوع کیوں زیر بحث لے آئے ہیں۔ ان سے اس ریاست کا سر دست کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ یہ ریاست ان کے کسی معاملہ میں دخیل ہونا پسند کرے گی۔

ڈیوک نے گردن کو خاصا خم دیا:

مگر مجھے آپ کے دربار میں بھیجنے والے عیسائی بادشاہوں کی خواہش ہے کہ آپ اس معاملہ میں داخل ہوں اور اپنے سابق سپہ سالار پر زور ڈالیں کہ ہمارے حدود مملکت کی امن پسند مسلمان آبادی کو باغیانہ تربیت نہیں دے۔

فوزیہ فرعونہ مصر کے سے انداز میں گرجی!

ہم کسی اس آدمی کی کسی بات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ جس نے ہم سے قطع تعلق کر لیا ہو۔

چالاک ڈیوک آف اریول نے گردن کو پہلے سے زیادہ خم دیا:

غلام یہی یقین حاصل کرنا چاہ رہا تھا کہ اگر ہماری حکومتیں۔ اس شخص کے خلاف کوئی متحدہ کارروائی کریں تو آپ اس کا ساتھ تو نہیں دیں گے۔

شہزادی ذہبہ نے اپنے پاؤں تخت کے نازک فرش پہ بجائے اور ڈیوک کو ڈانٹا:

آپ نے ڈیوک۔ اس ملک کے عظیم ترین فرد اور اس کے سب سے بڑے محسن کا نام بہت حقارت سے لیا ہے۔ ہم یہ گستاخی قطعاً برداشت نہیں کر سکتے۔

اس نے ناظم امور ثمینہ کو اسی سانس میں پکارا:

ڈیوک اور ان کے ساتھیوں کو شامیانہ سے باہر کردو اور انہیں سمجھا دو۔ آئندہ ان کے ملکوں کی طرف سے کوئی سفارت اس موضوع پر دربار سرقسطہ میں حاضر ہونے کا حوصلہ نہیں کرے۔

فوزیہ کی آواز اس کی آواز پر چڑھ گئی:

شہزادی ذہبہ۔

شہزادی ذہبہ نے اپنے پاؤں پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ تخت کے فرش پر بجائے:

تم نے ثمینہ ہمارے حکم کی تعمیل ابھی تک نہیں کی۔ ورنہ ہم سفارت کے بین الاقوامی قانون کو توڑنے پر مجبور ہو جائیں گے اور ڈیوک آف اریولہ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کا حکم جاری کر دیں گے۔

اس نے بھائی کی سمت دیکھا

اور شاہ بھائی اس حکم پر اپنی مہر ثبت فرما دیں گے۔

اعلیٰ حضرت المظہر کی گھمبیر آواز سنائی دی:

یقیناً۔ ہم اپنے وزیر اعلیٰ اور وکیلِ مختار کے ہر حکم کی تصدیق

کریں گے۔ اور خصوصاً یہ حکم دے کر تو انہوں نے ہمارے جذبات کی پوری پوری ترجمانی کی ہے۔

انھوں نے ثمینہ کی طرف دیکھا اور حکم دیا:

عیسائی ریاستوں کی اس مشترکہ سفارت کے تمام تحائف اسے واپس دے دو۔ اور اسے حکم دو۔ یہ رات ختم ہونے سے پہلے پہلے سرقسطہ خالی کردے۔ فوزیہ نے چلمن اٹھا دی۔ آگے بڑھ آئی اور بولی:

مگر ہم اس حد تک جانے کے حق میں نہ تھیں اعلیٰ حضرت۔ ہمارے سیاسی حالات اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔

اعلیٰ حضرت نے بڑی خشمگیں نگاہ اپنی اس ملکہ عالیہ پر اچھالی اور ثمینہ سے دوبارہ خطاب کیا:۔

ثمینہ حکم کی فوری تعمیل ہو۔ اور در بار برخواست کر دو۔

پھر اپنا بازو شاہزادی ذہبہ کی طرف بڑھا دیا اور درخواست کی:

خواہر محترمہ ہمیں سہارا دیجئے۔

خواہر محترمہ نے انہیں سہارا دیا۔ اور اعلیٰ حضرت اس کے سہارے چلتے خلوت میں آن پہنچے اور مسندِ شاہی پر خود کو گراتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے کٹے ہوئے بازوؤں میں سنبھالتے ہوئے قریب قریب روتی ہوئی آواز میں اس کا شکریہ ادا کیا:۔

ہم خواہرِ محترم آپ کے بے حد شکرگزار ہیں کہ آپ نے بروقت مداخلت کر کے ہمیں اس ذلت سے بچا لیا جو ہماری ملکہ عالیہ ہمارے

نصیب میں لکھ دینا چاہ رہی تھیں۔

ان کی آواز پر فوزیہ عالیہ کی غصہ بھری آواز چڑھ گئی:۔

ہم آپ کو کوئی ذلت نہیں بخش رہی تھیں۔ ہم نے وہی طریقِ کار اختیار کیا تھا۔ جس کی سیاست متقاضی تھی۔ ہمیں اس وقت اپنی کسی ہمسائی عیسائی ریاست سے دشمنی مول لینا موزوں نہ تھی۔

شہزادی ذہبیہ نے اس کی بات کاٹ لی:

تو گویا آپ کی خواہش تھی دربار سرقسط عیسائی ریاستوں کی اس مشترکہ سفارت کا مطالبہ مان لیتا اور ان سے دوستی کا معاہدہ کر لیتا تاکہ وہ عبدالعلی کے خلاف متحدہ محاذ قائم کر لیتیں اور اس پر ہر طرف سے حملہ آور ہو کر اس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل ڈالتیں۔

ملکہ عالیہ فوزیہ اسی کے سے انداز میں بولیں:

اگر عبدالعلی نے اپنی طاقت بڑھاتے اور اپنے پاؤں پھیلاتے وقت اپنی چادر کا خیال نہیں رکھا تو اس کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ ہم اس کی خاطر اپنی ہمسایہ ریاستوں سے لڑائی مول لے لیں۔

اس نے شہزادی ذہبیہ کا گریبان اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا:

تم نے شہزادی ذہبیہ محض نادان دوستی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

تم سمجھ رہی ہو تم نے ڈیوک اریولہ اور اس کے ساتھیوں کو ناکام لوٹا کر عبدالعلی کے ساتھ کوئی مہربانی کی ہے۔

وہ اپنے سر کو بڑے غصہ کے ساتھ جھٹکنے لگی۔ اور بڑبڑائی۔

اے کاش میں نے تمہیں وزارت عظمیٰ اور وکیل مختار کے مناصب سونپنے کی تجویز کرتے وقت تمہاری عقل کے حدود اربعہ ناپ لئے ہوتے۔

اس نے شہزادی ذہبیہ کا گریبان چھوڑ دیا۔ اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور بات جاری رکھی۔

آپ نے عالی جاہ۔ شہزادی ذہبیہ سے زیادہ حماقت کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ اور اس مشترکہ سفارت کو یقین دلا دیا ہے کہ امیر عبدالعلی کو ہماری پشت پناہی حاصل ہے۔ وہ ہمارے اشاروں اور مشوروں پر دریائے ابرہ کے ساتھ ساتھ پھیلی آبادیوں میں اپنی قوت بڑھا رہا ہے۔

حالانکہ یہ بات حقیقت کے بھی خلاف ہے اور مصلحت وقت کا تقاضا بھی یہ نہ تھا۔ ہمیں تو اس سفارت کو باور کرا دینا چاہیئے تھا کہ عبدالعلی سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

شہزادی ذہبیہ نے اپنے پاؤں ایک بار پھر بجائے۔ مگر اس نے کوئی بات زبان سے ادا نہیں کی تھی کہ فوزیہ نے اس کا گریبان پوری قوت سے پکڑ لیا اور اسے جھنجوڑتی ہوئی گرجی۔

خدا کی قسم شہزادی ذہبیہ تم جتنی خوبصورت ہو اتنی ہی احمق ہو۔ تم مجھے عبدالعلی کا دشمن سمجھ رہی ہو کہ بار بار پاؤں بجاتی ہو۔

پاؤں بجانا میں بھی جانتی ہوں لیکن تمہاری طرح احمق نہیں ہوں۔ عبدالعلی کے لئے اس وقت یہی مفید تھا کہ ہم اس سے بے تعلقی

کا اظہار کرتے، اور عیسائی سفارت یہ یقین لے کر سرقسطہ سے لوٹتی کہ ہم اس سے قطعاً تعلق ہیں۔

اول تو وہ ہمارا محتاج نہیں ہے۔ اس کی منظم سپاہ بائیس ہزار سے بھی متجاوز ہوگئی ہے۔ وہ دریائے ابرہ کے کنارے بڑھتا ایک طرف جبل البرانس تک کے علاقہ پر قابض ہوگیا ہے اور دوسری سمت سے نبرہ اور ارغونہ تک اندر پہنچ گیا ہے۔

اور اس لمحہ ضرورت اس بات کی تھی کہ ہم خفیہ طور پر اسے روپے اور آدمیوں سے جتنی مدد چاہے دیتے۔ لیکن اس کا اظہار نہ ہونے دیتے بہ ظاہر ہماری ہمدردیاں عیسائی ریاستوں سے ہوتیں، تاکہ وہ عبدالعلی کے خلاف اقدام کرتے وقت ہم پر براہ راست حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنا سکتیں۔ اور ہم اندر ہی اندر عبدالعلی کی قوت بڑھاتے جاتے۔

شہزادی ذہبہ نے آنکھیں جھکالیں، جیسے فوزیہ کی بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اعلیٰ حضرت المظہر بھی اس کی گفتگو کی تہ تک پہنچ گئے تھے۔ وہ بھی کچھ کچھ شرمندہ تھے۔ فوزیہ نے ان دونوں کے چہروں پر نگاہ ڈالی۔ کھڑکی کے قریب آئی۔ ثمینہ کو آواز دی۔

عیسائی سفارت کو اگر ٹرکو اسکو تو ٹرکوالو اور اس کے تمام ارکان کو بڑے احترام کے ساتھ شاہی مہمان خانہ میں ٹھیرالو۔ اور صبح اسے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کرو۔ اعلیٰ حضرت اس سے دوستی کا معاہدہ تحریر کرنے

آمادہ ہو گئے ہیں۔

وہ یہ حکم دے کر اعلیٰ حضرت کے قریب آئی۔ شہزادی ذہبہ کو سنہری چوکی پر بٹھائے آگے کو جھکے اپنے ٹنڈے ہاتھوں سے اس کے خون آلود پاؤں پر بندھی پٹی کھول رہے تھے اور گھبرائی گھبرائی آواز میں معذرت کر رہے تھے۔

بہ خدا خواہر محترمہ ہمیں آپ کے زخمی پاؤں کا خیال نہ رہا، ورنہ ہم آپ کا سہارا نہ لیتے۔

اور خواہر محترمہ نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا:

یہ آپ کو سہارا دینے کے سبب خون آلود نہیں ہوئے۔ ہم نے بار بار انھیں فرش پر بجایا تھا۔ ہم خود ہی قصوروار ہیں۔

فوزیہ اس کے اوپر جھک گئی اور اس کا منہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور بالکل اسی کے سے انداز میں اس سے کہنے لگی۔

بہ خدا شہزادی محترمہ! ہمیں بھی معلوم نہیں تھا کہ آپ کے پاؤں کے زخم ابھی تک بھرے نہیں ہیں۔ ورنہ ہم آپ کو بار بار پاؤں بجانے کی تکلیف نہ دیتیں۔

اس کی آواز پر رضیہ کی گھبرائی گھبرائی آواز پر چڑھ گئی۔

آپ شہزادی ذہبہ کے زخمی پاؤں کو بار بار بجنے دیتیں یا نہ دیتیں لیکن آپ نے یہ کیا زیادتی کی ہے کہ عیسائی سفارت کو رکوا لیا ہے۔ اور اس سے دوستی کا معاہدہ کرنے کی یقین دہانی فرمائی ہے۔

بھائی عبدالعلی کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہیں کس قدر رنج پہنچے گا۔
اس کی آواز پہلے سے زیادہ بلند ہو گئی۔
آپ نے پہلے ہی بھائی عبدالعلی کے دل پر کوئی کم چرکے نہیں لگائے تھے کہ مزید ظلم ڈھانا ضروری جاتا۔
فوزیہ نے سر گھمایا اور بڑے غصّے کے ساتھ رضیہ کی سمت دیکھا اور بڑبڑائی۔
رضیہ اگر تمہاری بجائے یہ بات کوئی اور کہتا۔
رضیہ نے اسی کے سے انداز میں اسے لقمہ دیا۔
تو آپ اس کی زبان کاٹ لیتیں۔
اس نے یہ کہکر زبان کھول دی اور بڑبڑائی :
لیجئے اسے بھی کاٹ لیجئے تاکہ آپ کا جی ٹھنڈا ہو جائے۔
فوزیہ کانپ گئی۔ رضیہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی :
رضیہ اے کاش تم مجھے سمجھ سکتیں۔
رضیہ چیخی :
آپ تو اپنے کو خود سمجھ نہیں سکیں دوسرے آپ کو کیسے سمجھ لیں۔ اس نے منہ موڑا اپنے ہاتھ فوزیہ کے ہاتھوں سے نکال لئے اور دروازہ کی سمت لپکتے ہوئے ایک اور نشتر اُچھالا۔
آپ اپنے آپ کو فوزیہ بڑے دھوکے دے رہی ہیں۔ آپ کی

روش آپ کے لئے بھی نقصان رساں ہے اور اس سے ملک اور قوم بھی بھی تباہ ہو رہی ہے۔ آپ سمجھ رہی ہیں آپ عقلِ کل ہیں۔ آپ کی ذہانت ہر چیز پر حاوی ہے۔ حالانکہ آپ ہم سب سے زیادہ بے وقوف ہیں۔ اور آپ کے فیصلے سرتاپا غلط ہیں۔

وہ یہ کہتی کہتی پاؤں مارتی باہر کو لپک گئی اور اس کی آواز آدھی چلی اور آدھی سلامت محل سرا میں بُری طرح گونجی۔

عبدالرب۔ دو تیز رفتار گھوڑوں پر زینیں کس لو۔ ہم اپنے بھائی کے پاس پہنچنا چاہ رہی ہیں۔ تاکہ انہیں بتا سکیں کہ ان کے باپ کی منہ بولی بیٹی اور ان کے تایا ابا کی لاڈلی صاحبزادی اور اس ملک کی ملکہ عالیہ نے ان کے دُشمنوں سے معاہدہ دوستی پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔

فوزیہ بھاگی بھاگی اس تک پہنچ گئی۔ اسے پکڑ لیا اور منّت کی۔

یوں روٹھ کر نہیں جاؤ رضیہ۔ تم نہیں جانتیں میرے پیشِ نظر کیا مصلحتیں ہیں۔

رضیہ نے اپنا آپ اس سے چھڑا لیا اور باہر کو لپکی۔ فوزیہ اس کے پیچھے بھاگی۔ بار بار اسے پکارا مگر رضیہ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتر گئی۔

شہزادی ذہبہ کی آواز نے آگے کو بھاگتی رضیہ کی رفتار کسی قدر نرم کر دی۔ شہزادی ذہبہ اسے پکارتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

رضیہ ذرا رُک جاؤ۔ ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گی۔

رضیہ رُک تو گئی لیکن شہزادی ذہبہ سیڑھیوں پر نمودار نہیں ہوئی

فوزیہ نے اپنی دونوں باہیں اس کے گرد لپیٹ رکھی تھیں اور اس سے رو رو کر
شہزادی ذہبہ! اس کا خون تو مجھ سے مشترک ہے اور میری طرح گرم
ہے۔ تم تو بڑے ٹھنڈے مزاج اور بہت نرم روخون رکھنے والے خاندان
سے ہو۔ تم تو مجھے اتنی بڑی سزا نہیں دو۔ تم اس محل سرا سے نہیں روٹھو
یہ محل سرا بڑے طوفانوں کی گزرگاہ بننے والی ہے۔ عبدالعلی نے دشمن
حدود میں آگے ہی آگے بڑھ کر اس محل سرا کو بڑی خوفناک آندھیوں کی زد
پر لاکھڑا کیا ہے۔
اس کی حفاظت کے وقت ہمیں تمہاری ضرورت ہوگی۔ اور شائد
تمہارے سبب عبدالعلی کو کبھی ہم پر رحم آجائے اور وہ اس محل سرا کی سمت
اُمنڈ آنے والے طوفانوں اور آندھیوں کی شدت کچھ کم کر دے۔
اس کی آواز کانپ گئی۔ اس نے شہزادی ذہبہ کو اپنے سینہ
سے بہت زور سے بھینچ لیا۔ اور سیڑھیوں کے قریب کھڑی رضنیہ ذہبہ
کی آمد سے مایوس ہو کر عبدالرب کے مہیا کیئے ہوئے گھوڑوں میں سے
ایک پر چڑھ گئی۔ دوسرے پر عبدالرب سوار ہوا۔
یہ عبدالرب تو یحیٰی بوڑھے عبدالالہ کا معتمد شاگرد اور عبدالغنی کا دوست
تھا۔ وہ ہر لحہ اور ہر آن اس بات کا منتظر رہتا کہ رضنیہ اسے آواز دے
اور وہ اسے سوار کرا کر سرقسطہ کی حدود پار کر کے عام بستیوں تک رسائی
پالے اور عبدالغنی کو آواز دے۔
عبدالغنی میں تمہاری روح تم تک واپس لے آیا ہوں۔

اور یہ روح جو اس کے ساتھ ساتھ گھوڑا دوڑا رہی تھی بہت اُلجھی اُلجھی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی بہ رہی تھیں اور دل بھی رو رہا تھا اور شائد اس کے روتے دل سے ساری کی ساری فضا بھی متاثر ہو گئی تھی کہ آسمان کے چہرہ پر چھائے گھنے بادل زور زور سے برسنے لگے۔

باب ۲۰

طوفان نے پہلے سے کہیں زیادہ شدت اختیار کر لی تھی۔ ہوا زور زور سے چلنے لگی تھی۔ اور بارش کے ریلے اندر آنے لگے تھے۔ سوتی شہزادی ہلینا سخت بھیگ گئی۔ گھبرا کر اوپر کو اٹھی۔ اپنی بھتیجی میریا کو کھڑکی کے آگے کھڑے دیکھا تو اسے پوری قوت سے پیچھے ہٹا کر کھڑکی بند کر دی اور سامنے غصہ کے ساتھ ڈانٹا۔

یہ تو نے احمق کھڑکی کیوں کھول رکھی تھی۔

اور اس احمق نے جس کے الجھے الجھے بال بارش نے بھگو دیئے تھے پھوپھی کے چہرے پر چھٹی پھٹی الجھی الجھی آنکھیں گاڑھ کر جواب دیا۔

پھوپھی جان مجھے سوتے میں کچھ ایسے لگا جیسے بدالعلی نے کھڑکی پر کمند پھینک دی اور مجھے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا ہے۔

میں نبرہ آن پہنچا ہوں۔

پھوپھی نے اپنی اس احمق بھتیجی کو سینے سے بھینچ لیا اور اس کے بھیگے بالوں کو اپنی کف سے خشک کرتی ہوئی بڑبڑائی۔

تم نے بے وقوف بالکل غلط خواب دیکھا تھا اس ہولناک طوفان میں عبدالعلی یہاں کیسے پہنچ سکتا ہے۔

اور یہ طوفان جس کی سمت شہزادی ہلینا نے اشارہ کیا تھا واقعتاً سخت ہولناک شکل اختیار کرتا جارہا تھا۔ کھڑکیاں تو خیر کھڑکیاں تھیں چھتیں تک بجنے لگی تھیں۔ پھوپھی بھتیجی ایک دوسری سے چپٹ چپٹ گئیں۔ مگر طوفان کی شدّت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی گئی اور ان دونوں کو ایسے محسوس ہوا جیسے طوفان زلزلے میں بدل گیا ہے۔ دونوں ایک دوسری سے لپٹیں، باہر کی سمت لپکیں لیکن ابھی دروازے تک نہیں پہنچ پائی تھیں کہ دفعتاً کھٹا کھٹ اور دھن دھن کے دھماکے سُنائی دیئے۔

وہ پہلے سے زیادہ بدحواس ہوگئیں۔ بڑی مشکلوں سے دروازہ کھولا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور منہ کھُلے کے کھُلے۔ دُور سامنے ایوانِ عام کی کھُلی غلام گردشوں میں کچھ عجیب خوفناک خونیں ڈرامہ کھیلا جارہا تھا۔ لاتعداد بھوتوں اور دیوؤں کی صفیں ایک دوسری پر چڑھی جارہی تھیں۔ تلواریں تلواروں سے ٹکرا رہی تھیں اور نیزے نیزوں سے اور بھاری بھاری گرز ڈھالوں اور خودوں پر اس طرح برس رہے تھے جیسا کہ ہتھوڑے۔

میریہ نے ڈر اور سہم کر اپنا آپ پھوپھی کی کھلی عبا میں چھپالیا۔ پھوپھی خود بُری طرح سہم گئی تھی۔ لیکن اس کے ذہن کی تختی پر

اکیس برس پہلے وہ نبرہ سے اغوا کی گئی تھی۔ اسی طرح کے دیوؤں اور بھوتوں کی کمان کرتا، مولا حسین نبرہ کے اس ایوانِ عام میں آن داخل ہوا تھا لیکن وہ رات طوفانی نہ تھی۔ نہ بارش ہو رہی تھی اور نہ ہوا چل رہی تھی۔ وہ تو بڑی ہی سہانی شب تھی۔ اس شب تو شہزادی ہلینا کی سالگرہ منائی جا رہی تھی۔ وہ جواہرات میں تُلی تھی اور اس کے اعزاز و اجلال میں پورے نبرہ کی حسین خواتین اِسی ایوانِ عام میں جمع ہو کر باہم ناچ رہی تھیں۔

شہزادی ہلینا کے سینہ سے لگی اور عبا میں چھُپی شہزادی میریہ بہت زور سے چیخ اُٹھی۔ شہزادی ہلینا کا تصور ٹوٹ گیا۔ اور اس کی نگاہ سامنے کی طرف اُٹھ گئی دیوؤں اور بھوتوں کی صفیں اب اِنسانوں کی صفیں بن گئی تھیں۔ اور ان میں اور خوابگاہ عالیہ میں بہت تھوڑا فاصلہ رہ گیا تھا۔

شہزادی ہلینا نے اپنے سینہ سے لگی میریہ کو ایک دم پیچھے کھینچ لیا۔ لیکن ابھی دروازہ بند نہیں کر نے پائی تھی کہ سیاہ رنگ کے چمکیلے خود میں اپنے حسین سر اور آدھے چہرے کو چھُپائے عبد العلی خون ٹپکاتی تلوار کو فضا میں لہراتا ان سے چند قدم کے فاصلے پر آن پہنچا اور بالکل اس طرح جیسے وہ آدھی رات کے وقت خون کی ندیاں طے کرتا محض سفیر کے فرائض انجام دینے آیا تھا۔ ان دونوں کے سامنے رکوع کے بل جھکا اور بہت ہولے سے پوچھا۔

کیا آپ دونوں میرے ساتھ اس وقت چلنا چاہیں گی۔ یا میں باقی ماندہ آدھی رات شاہی فوج کی ہر سمت سے یورش کر آنے والی صفوں کو اُلٹنے میں گزار دوں۔ اور طلوعِ سحر کے بعد آپ کے دروازے پر دستک دوں۔ میں نے یہ ساری مصیبتیں صرف آپ دونوں تک رسائی پانے کے لئے اٹھائی ہیں۔

اس کی آواز پر کھٹا کھٹ کا شور چڑھ گیا۔ شاہی محافظ سپاہ اپنے سربراہ ڈیوک نبرہ کی قیادت میں عبدالعلی کے ساتھیوں سے برور آزما ہو چکی تھی۔ اور آگے بڑھنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔
عبدالعلی نے نگاہ گھمائی۔ کسی قدر مسکرایا۔ خود پہنے سر کو ہلکی سی جنبش دی پھر اوپر کو اچھلا اور اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔
پھر لڑائی کچھ اس طرح جمی، تلواریں کچھ اس طرح چمکیں۔ اس طرح برسیں کہ میریا اور ہلینا دونوں کی دونوں سکتے میں آگئیں۔ اعضا شل ہو گئے۔ آنکھیں جمی کی جمی رہ گئیں اور ان کی ہی جمی آنکھوں کے سامنے شاہ فروی نند ہوئے ہوئے آگے بڑھتا دہری تلواریں لہراتا۔ ڈیوک نبرہ سے آن ملا۔ شہزادی میریہ ایک دم چیخ اٹھی۔
شاہ بابا۔
شاہ بابا نے نگاہ گھمائی۔ سر کو زور سے جھٹکا اور اپنے ایک ہاتھ میں پکڑی تلوار ڈیوک نبرہ کی زرہ بکتر سے بجلی ایسی تیزی کے ساتھ بجائی اور اسے اشارہ سے کچھ کہا۔
ڈیوک نبرہ اپنے بارہ ساتھیوں کے ساتھ لڑتی صف میں سے پیچھے ہٹا اور ان دونوں تک آن پہنچا۔ اور ان دونوں کو زبردستی اندر کی طرف دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔ ان کے احتجاج کے باوجود رسیوں سے باندھا اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے باری باری کھڑکی میں سے عقبی چمن میں اتارا۔ وہ چیخ رہی تھیں مگر ان کی چیخیں گرجتی تلواروں اور برستے نیزوں کے شور میں دب گئیں۔
لڑائی پہلے سے بھی فزوں ہو گئی۔ بادشاہ فروی نند نے خوب خوب دادِ شجاعت دی۔ اس کے ہاتھوں میں پکڑی دہری تلواریں کئی بار لوٹیں اور اس نے

نئی تلواریں بدلیں۔ اس کے ساتھیوں نے بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مگر شب جب سمئی تاریکی کی جگہ سحر کی روشنی نے جب لی تو شاہی محل ہر لڑاکے سے خالی ہو چکا تھا۔ اور عبد العلی اور اس کے ساتھی خونیں تلواریں اور نیزے لہراتے ایک ایک جھروکے، ایک ایک خوابگاہ اور ایک ایک تہہ خانے میں ادھم مچاتے پھر رہے تھے۔

ملکہ عالیہ ورجلینا بھی ان کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ نبرہ کی کتنی اور شہزادیاں اور امیرزادیاں ان کے پلے پڑ گئی تھیں۔ مگر نہ میریا ملی تھی اور نہ ہلینا ہتھے چڑھی تھی اور نہ ڈیوک نبرہ ہی کہیں دستیاب ہو سکا تھا۔

عبد العلی نے صبح کی نماز عبد الالہ کی امامت میں خون میں نہائے ہوئے ایوان عام ہی میں ادا کی اور پھر ایک کھوجی کی طرح قلعہ معلیٰ کی ایک ایک سرنگ ایک ایک کوٹھری تک رسائی پائی مگر عبد العلی کو دوسری شام تک اس کھوج میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

اس نے غصے میں آ کر نبرہ شہر پر چڑھائی کر دی۔ خوب خوب خونریزی کی، گھر گھر کو الٹ ڈالا۔ باغات اجاڑ دیئے۔ کھیتوں میں ادھم مچایا۔ بازاروں میں خاک دھول اڑا دی لیکن میریا اور ہلینا نہ ملنا تھیں نہ ملیں۔

حالانکہ یہ اس کی بہت بڑی فتح تھی۔ اس نے نبرہ پہنچ کر اس عیسائی بادشاہ کی فوج کے خون سے ہولی کھیلی تھی جس نے دس سال تک سرقسطہ سے خراج وصول کیا تھا۔ اس نے نبرہ کے طول و عرض میں طوفان ہی طوفان لہرا دیئے تھے۔

لیکن اس کے باوجود عبد العلی جب پانچویں دن دریائے ابرہ کے کنارے

آباد عامری بستیوں میں پہنچا تو اس کے دل کی کلی بُری طرح مرجھائی ہوئی تھی۔
عامری بستیاں دلہنوں کی طرح سجی تھیں۔ عورتیں اور بچے اس کے احترام و اجلال میں استقبالیہ گیت گا رہے تھے۔ آتش بازیاں چھوٹ رہی تھیں مگر اس کا چہرہ سخت ملول تھا۔ دل ہر لحظہ بیٹھا جا رہا تھا۔ اور یہ دل تو اس وقت بُری طرح چیخ اُٹھا جب وہ اپنی خیمہ گاہ کے قریب آیا اور اس کی بہن رمنیہ نے دیوانوں کی طرح بھاگ کر اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔
بھیّا اگر ذہبیہ کو اپنی حقیقت معلوم ہو جاتی تو وہ بھی میرے ساتھ ہوتی۔
عبدالعلی نے بہن کے کندھے پر اپنا فاتح سر رکھ دیا اور جیسے وہ جیت کر نہیں ہار کر آیا تھا۔ اس سے مری مری آواز میں سرگوشی کی۔
میں نے بربری خون کی نہریں بہا دیں رمنیہ مگر شہزادی بلینا ہمارے ہاتھ نہیں لگی۔ خدا بہتر جانے وہ ہم سے کیوں چھپ رہی ہے۔ کہیں وہ سچ مچ ہماری ماں تو نہیں ہے اور ہم سے ہمارے بابا کا انتقام تو نہیں لینا چاہ رہی ہے۔
رمنیہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اسی کے سے انداز میں سرگوشی کی۔
بزرگ عبدالالہ قریب ہی کھڑے ہیں۔ کہیں وہ یہ بات سُن نہ لیں۔
بزرگ عبدالالہ نے یہ بات سُن لی تھی اور وہ بہن بھائی کو اس طرح آنسو بہاتے دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔ بجلی ایسی تیزی سے آگے بڑھے اور نگاہ ادھر اُدھر گھماتے ہوئے کہنے لگے۔

آقا آپ کے باپ کا دل تو سمندروں ایسا گہرا تھا۔ وہ مرتے مر گئے مگر ان کے پوشیدہ رازوں کو جان لینے کی سعادت ہوا تک کو میسر نہ آئی۔ انہوں نے کبھی اونچی سانس نہ لی تھی۔ آہ تک نہ کھینچی۔ اور میں جو ان کی امرد دل میں پورے انیس سال تک رہا۔ یہ جان نہ سکا کہ ان کے چہرے کی زردی کیوں دن پر دن بڑھتی جا رہی تھی۔

بہن نے بھائی کو چھوڑ دیا اور بھائی نے بہن کو۔ بوڑھا بڑے انداز کے ساتھ آگے بڑھا۔ رضیہ کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھا اور پیچھے کی سمت منہ پھیر کر کہنے لگا۔

رضیہ بیٹی! یہ تم دیکھ رہی ہو حدِ نظر تک پھیلی جو سیاہ آگے کی سمت بڑھ رہی ہے یہ تمہارے بھائی کی انتہائی وفادار ہے اور یہ جو مال غنیمت اپنے ساتھ لادے چلی آ رہی ہے اتنا مال غنیمت ہمارے بزرگ دادا عامر کو بھی شائد کسی ایک فتح میں حاصل نہ ہوا تھا۔

اس کی آواز بہت بلند ہو گئی۔ یہ ہم آدھے نبرہ کو زیر و زبر کر آئے ہیں اور اس کے شاہی محلات میں جو دھول اڑائی ہے وہ اسے دس سال تک سنبھلنے نہیں دے گی۔

ہم نے نبرہ سے اپنی جبری غلامی کا بدلہ خوب خوب لیا ہے اور تمہارے بادشاہ اور ملکہ عالیہ کے حضور نذر کرنے کے لئے بڑے ہی قیمتی تحائف جمع کئے ہیں۔

رضیہ نے اسی کے سے انداز میں اس کی بات کاٹ لی۔

مگر بادشاہ سرقسطہ اور ملکۂ عالیہ نے تو بزرگ عبدالالہ دشمن ہمسایہ پاسٹون سے دوستی کا معاہدہ کرلیا ہے اور آپ سے ہر طرح کی بے تعلقی ظاہر کر دی ہے۔

عبدالا نے بہت زور سے پاؤں بجائے۔ اور احتجاج کیا۔

کیا کہہ رہی ہیں آپ بیٹی ؟

رضیہ نے بہت سکون کے ساتھ جواب دیا۔

وہی کہہ رہی ہوں جو دیکھ کر آئی ہوں۔

اس نے عبدالرب کی طرف دیکھا اور بات جاری رکھی۔

میری بات کا اعتبار نہ ہو تو عبدالرب سے پوچھ لیجئے۔

مگر کسی نے عبدالرب سے کچھ نہیں پوچھا۔ نہ عبدالعلی نے اور نہ عبدالالہ نے۔ البتہ اپنے پیچھے آتے سواروں پر سخت خشمگیں نگاہ ڈالی جیسے وہ سب کے سب بھی دشمن سے مل گئے تھے۔

باب ۲۱

شہزادی ذہبہ نے المظہر کی سمت بڑھاتے ہوئے کاغذ کو فوزیہ کے ہاتھ سے چھین لیا اور دیوانوں کی طرح چیخی۔

نہیں نہیں ملکہ عالیہ نہیں یہ معاہدہ قطعاً اس قابل نہیں ہے کہ بادشاہ سرقسطہ اس پر مہر ثبت کریں۔

فوزیہ نے اسی کے سے انداز میں اس کی بات کاٹ لی۔

تو پھر تینوں عیسائی ریاستیں تین طرف سے سرقسطہ میں داخل ہو جائیں گی۔

ذہبہ نے اسے بات پوری کرنے نہیں دی۔

تینوں عیسائی ریاستیں نہیں۔ ساری عیسائی دنیا سرقسطہ کے حدود میں در آئے، ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔

فوزیہ نے ذہبہ کو پوری قوت کے ساتھ پرے دھکیلا اور اس کے ہاتھ میں سے معاہدہ چھین کر المظہر کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

یہ تو بالکل احمق ہے عالی جاہ! کسی بات کو نہیں سمجھتی لیکن ہماری خواہش ہے آپ اس پر مہر ثبت فرماویں۔

ذہبہ نے اپنا ہاتھ بجلی ایسی تیزی سے اپنے گریبان میں ڈالا۔ اور ایک چمکتا ہوا خنجر نکال کر کچھ اس انداز سے معاہدہ کے خریطہ پر اُچھالا کہ خنجر خریطے کو اپنی چمکتی نوک میں چھوتا فرش پر بچھے دبیز قالین میں جا پہنچا۔

فوزیہ غصّہ سے پاگل ہوگئی۔ ذہبہ کے خوبصورت سنہرے بال اپنے پنجوں میں لے لئے اور دروازہ پر کھڑی پہرہ دار باندیوں کی سمت دیکھ کر حکم دیا۔

شہزادی ذہبہ کو اسی لمحہ ان کی خواب گاہ میں نظر بند کردو۔

بادشاہ المنظہر کی آواز اس کی آواز پر چڑھ گئی۔

اگر کوئی باندی آگے بڑھی تو یہ اس محل کی بھی توہین ہوگی اور اس تاج کی بھی۔

اس نے اپنے دونوں ٹھنڈے ہاتھ آگے کو بڑھا دیئے اور فوزیہ کی کلائی بڑی سختی سے جھٹکی اور بہت رُک رُک کر کہنے لگا۔

اے کاش مجھے آپ کے دل کی اس گہرائی سے پہلے واقفیت ہوگئی ہوتی۔

گو فوزیہ کے پنجے شہزادی ذہبہ کے بالوں سے نکل آئے تھے لیکن اس نے بڑے غصّے کی نگاہ المنظہر پر ڈالی اور اسی کے سے انداز میں بولی۔

اگر آپ نے میرے دل کی اس گہرائی سے پہلے واقفیت حاصل کرلی ہوتی۔ تو شاید آپ میری بجائے شہزادی ذہبہ کا انتخاب کرلیتے۔ یوں گھر کی

دولت گھر رہ جاتی اور بے چارے آپ کے شاہ بابا کو خودکشی نہ کرنی پڑتی اور آپ کے بچپن اور جوانی کا ساتھی عبدالعلی بھی اپنے اس ذہنی اضطراب سے نکل آتا جس میں مبتلا ہو کر اس غریب کو یہ وطن چھوڑنا پڑا۔

المنظہر چیخا۔

فوزیہ عالیہ تم حد سے بڑھتی جا رہی ہو۔

فوزیہ چیخی:

ہم نے ابھی تک کوئی حد پار نہیں کی۔ ابھی تو ہمیں اسی الجھن سے فرصت نہیں ملی کہ آپ برابر تیرہ سال صبح و شام ہمارے ساتھ گزارنے کے باوجود ہمارے ظرف کی گہرائی سے کیوں آشنا نہ ہو سکے۔

اس کی آواز بہت اونچی ہو گئی۔

اے کاش! آپ ہمارے دل کی گہرائیاں پہلے ناپ لیتے تو نہ آپ کے لئے ہم وجۂ اضطراب بنتیں اور نہ ہمیں آپ سے اُلجھنے کی کوئی ضرورت ہوتی۔ بہ ہر حال ہم آپ کی بے حد شکر گزار ہیں عالی جاہ۔

اس نے بہت زور کا قہقہہ مارا اور حیران و پریشان ثمینہ کی سمت بڑھتے ہوئے اگلی بات کہی۔

ثمینہ! اس شاہی محل میں آن کر ہم اپنے آپ کو بھول گئی تھیں۔ ہمیں اپنی حیثیت یاد نہیں رہی تھی۔ ہم فراموش کر گئی تھیں کہ اس شاہی محل اور ہماری خانقاہ میں دس سال پہلے جو دشمنی پروان چڑھی تھی اس کی جڑیں پاتال تک گہری ہیں۔ حالانکہ ہمارے بابا اور ہمارے چچا ہماری آنکھوں کے سامنے اس

دشمنی کا شکار ہوئے تھے۔ اس کے باوجود ہماری بصیرت ہماری راہ نما نہیں بنی۔

المنطہر نے پہلے ہی کی طرح اسے ٹوکا۔ مگر فوزیہ رکی نہیں۔ کہتی گئی۔
ثمینہ! کسی باندی کو خانقاہ بھیج کر، خانقاہ کی سواری یہاں منگوالو۔
ہم خانقاہ واپس جائیں گی۔ اعلیٰ حضرت بھی ہمیں پہچان گئے ہیں۔ اور ہم بھی اپنے آپ کو جان گئی ہیں۔

المنطہر نے بڑے اضطراب کے ساتھ شہزادی ذہبہ کی طرف دیکھا اس کی نگاہ میں جو یاس وقت بھری تھی۔ اس سے ذہبہ لرز گئی۔ ہولے ہولے آگے بڑھی اور فوزیہ کو پکارا۔

یہ آپ کا طریق کار آپ کے پہلے طرز عمل سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ ملکہ عالیہ آپ اس کے رسم و رواج سے شائد آگاہ نہیں ہیں۔ یہاں جو جوان عورت ایک بار شاہی حرم کی زینت بن گئی وہ مر کر یہاں سے نکلی ہے، زندہ نہیں گئی۔

فوزیہ نے پہلے ایسا قہقہہ پھر بلند کیا اور طنز کی۔
آپ یہ کہتے وقت قطعاً بھول گئی ہیں۔ شہزادی ذہبہ کہ آپ کی والدہ اب تک بہ قید حیات ہیں۔ حالانکہ وہ بھی میری طرح اس محل کے شاہی حرم کی زینت بنی تھیں۔

اگر اس محل کی یہی رسم ہوتی تو وہ دس سال پہلے اس محل کو جیتے جی چھوڑ کر نہیں جاتیں۔

میں تو صرف خانقاہ کی راہ لے رہی ہوں۔ وہ تو سر قسطہ کی حدود سے ہی نکل گئی تھیں۔

شہزادی ذہبیہ نے لقمہ دیا۔

ان کی اور بات تھی ملکہ عالیہ۔ وہ اپنی خوشی سے یہاں نہیں آئی تھیں انہیں جبراً یہاں لایا گیا تھا۔ آپ اپنی خوشی سے یہاں آئیں۔ آپ نے اپنی خوشی سے شاہ بھائی کی دی ہوئی انگوٹھی اپنی انگلی میں پہنی اور نکاح کی اجازت دی۔

اس کی آواز بھرا گئی۔

اے کاش میں آپ کو آئینہ دکھا سکتی۔

فوزیہ نے اس کی بات کاٹ لی۔

حالانکہ تم خود آئینہ دیکھنے کی عادی نہیں ہو اور تم اپنے چہرہ کے خدوخال تک پہچان نہیں سکیں۔

فوزیہ نے بہت سخت چوٹ کی تھی۔ لیکن شہزادی ذہبیہ نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ اس تک پہنچ گئی۔ بڑے ادب سے دوزانو ہو گئی اور بالکل اس طرح جیسے وہ کوئی باندی تھی درخواست کی۔

ملکۂ عالیہ! آپ سے اس محل کی زینت ہے۔ آپ اس کے تاج کا گوہر آبدار ہیں، اس کے تخت کی چمک دمک ہیں۔ آپ اس محل سے نہیں جس سے چاہیئے معاہدۂ دوستی کیجئے اور جس سے چاہیئے دشمنی مول لیجئے۔

اس کی آواز بری طرح کانپ گئی۔

ہم آپ کے اور آپ کے رموزِ سلطنت میں قطعاً حائل نہیں ہوں گی۔
آپ کی بجائے ہم اس محل سے نکل جائیں گی۔
اس کی آواز پر دارو غہ محل کی آواز چڑھ گئی۔

امیر عبدالعلی کی سفارت باریاب ہونا چاہ رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت وہ اپنے ساتھ نویدِ فتح لائی ہے۔ امیر عبدالعلی نے نبرہ کے شاہی محل کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے اور اس بادشاہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ جس نے دس سال برابر سرقسطہ کو باج گزاری کی ذلّت بخشی تھی۔

اعلیٰ حضرت ایک دم سید ھے کھڑے ہو گئے۔ ان کی آنکھیں عجیب طرح دمکنے لگیں۔ وہ انتہائی سرخوشی کے ساتھ چیخے:
تو پھر اس محل میں گھی کے چراغ جلاؤ۔ عبدالرحمٰن۔ اس کی ساری توپوں کو ایک سو ایک بار داغو۔ اور سرقسطہ کے گلی کوچوں میں منا کرادو۔ کہ سرقسطہ کا ایک ایک شہریِ عبدالعلی کی فتح کی خوشی میں ہمارا مہمان ہوگا۔ ہم ہر بچے۔ بوڑھے' جوان اور عورت کے حضور ایک ایک اشرفی نذر کریں گے۔ اور پورا ایک ہفتہ جشن منائیں گے۔
عبدالعلی نے یہ فتح پاکر اس ملک کے چہرہ کی وہ کالک دُور کردی ہے جس نے برابر دس سال تک اسے گھناؤنے رکھا تھا۔
وہ یہ کہتے کہتے جھروکے سے آن لگے۔ اور ان کی آواز پہلے سے بھی بلند ہوگئی۔

عبدالرحمٰن۔ عیسائی سفارت کو پورا ایک ہفتہ روک لو۔ اس کے سفر

اجازت نامے منسوخ کردو۔ تاکہ وہ اس جشنِ ہفت روزہ کی تماشائی بن سکے۔ اور اس کا آنکھوں دیکھا حال اپنے بادشاہوں کے گوش گزار کر سکے۔ ان کی آواز میں رعشہ پیدا ہوا۔

عبدالرحمٰن۔ عبدالعلی کی سفارت کو یہیں حجلۂ خاص میں بٹھالاؤ تاکہ وہ جو تحائف اپنے ساتھ لائی ہے اپنے ہاتھوں سے ملکۂ عالیہ کے حضور نذر کر سکے کہ یہ فتح ملکۂ عالیہ کے چچیرے بھائی عبدالعلی کی فتح ہے۔

ان کی آواز پر شہزادی ذہبہ کی کپکپاتی آواز چڑھ گئی۔

عبدالرحمٰن ملکہ عالیہ فوزیہ اس فتح پر سفارت کے ایک ایک رکن کو سونے کے برابر تولیں گی۔ ان میں سے ایک ایک کا منہ موتیوں سے بھریں گی۔

اس نے یہ کہتے کہتے فوزیہ کی سمت دیکھا۔ سر کو ہلکا سا خم دیا اور سرگوشی ایسے انداز میں بات جاری رکھی۔

ملکۂ عالیہ ہماری طرف سے اس کامیابی پر دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔

فوزیہ نے زور زور سے پاؤں بجائے۔ اعلیٰ حضرت مسکرا پڑے اور رکوع کے بل جھکی ذہبہ نے اپنا بازو فوزیہ کی کمر کے گرد ڈال دیا اور بہت ہولے سے سرگوشی کی۔

بخدا ملکۂ عالیہ ہم اس خوشی میں آپ کی زبان سے نکلے ہوئے ہر حرف کی تلخی فراموش کر دی ہے۔ آپ بھی ہر تلخی بھول جائیے۔

وہ ایک شاطر سیاستدان کے سے انداز میں فوزیہ کے حضور دو زانو ہو گئی۔ اس کی عبا کا سنہری دامن اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اسے آنکھوں سے لگایا

اور پہلے سے زیادہ عجز کے ساتھ کہنے لگی۔

آپ بڑی خوش نصیب ہیں ملکۂ عالیہ کہ اس ملک کے چہرے سے غلامی کی کالک دور کرنے اور جابر فردی نند کو اس کے پایۂ تخت میں پہنچ کر ہلاک کرنے والا فاتح آپ کا چچیرا بھائی اور آپ کے باپ کا وارث عبدالعلی ہے۔

اس کی آواز میں رعشہ بھر گیا۔

اے کاش اس کے باپ مولا حسین اس وقت زندہ ہوتے۔

فوزیہ نے اپنا دامن اس سے چھڑا لیا اور فضا میں گھورتی ہوئی بڑبڑائی۔

تاکہ تم عبدالعلی کی اس فتح کا واسطہ دے کر ان کی زندگی کے انتہائی سنگین راز پر سے پردہ اٹھانے کی التجا کر سکتیں۔

اس کی آواز پر بوڑھے عبدالالہ کی آواز پڑھ گئی

غلام کو اجازت دیجئے ملکہ عالیہ فوزیہ کہ آپ کے بھائی عبدالعلی نے تبرہ ریاست کو بری طرح پامال کرنے کے بعد شاہی دفینوں سے جو قیمتی تحائف آپ کے لئے انتخاب کئے ہیں، انہیں آپ کے حضور پیش کر سکوں۔

شہزادی فوزیہ ایک دم اوپر کو اٹھ گئی۔ اور بوڑھے عبدالالہ کی سمت دیکھا۔ جو ایک سفیر کا سا جامہ پہنے محل کے دروازہ میں آن پہنچا تھا اور اس کی آواز میں یاس انگیز ایسی لوچ پیدا ہو گئی تھی۔

ملکہ عالیہ سر قسطہ میرے آقا نے یہ تحائف میرے سپرد کرتے وقت مجھ سے خواہش کی تھی کہ میں آپ کے حضور دوزانوں ہو کر آپ کی سنہری عبا کا دامن تھام لوں اور ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے آپ کو یقین دلاؤں کہ عبدالعلی کی یہ فتح آپ کی رعایا کے ایک معمولی آدمی کی فتح ہے اس نے اس فتح میں جو مالِ غنیمت حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ آپ کے حضور بھجوا دیا ہے۔ باقی چار حصے سپاہ میں تقسیم کر دیئے ہیں۔ اپنے لئے ایک

جسم تک مخصوص نہیں کیا۔ ایک چادر تک پہننے کی ذلت گوارہ نہیں کی۔

یہ کہتے کہتے بزرگ عبدالالہ نے اپنے گھٹنے فرش پر ٹیک دیئے۔ اور اپنا بوڑھا ہاتھ آگے کو بڑھا کر۔ فوزیہ کا دامن اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہا۔ مگر فوزیہ نے جس کا ذہن ابھی متوازن نہیں ہوا تھا۔ اپنا دامن پیچھے کو سمیٹ لیا۔ شہزادی ذہبیہ نے اس کا سمٹا ہوا دامن بجلی ایسی تیزی سے اپنے ہاتھوں میں لے کر آگے کو بڑھا دیا اور بوڑھے عبدالالہ سے بہت ہولے سے کہنے لگی۔

بزرگ عبدالالہ۔ ملکہ عالیہ فوزیہ آپ سے ناراض ہیں کہ آپ نے ان کے نکاح کی شب انہیں اعلیٰ حضرت مولا حسن کے سب سے بڑے راہب کی حیثیت سے، مبارک باد پیش نہیں کی تھی۔ اور نہ ان کے رتھ کا جوا اپنی بزرگ گردن پر رکھا تھا۔

شہزادی ذہبیہ نے اچانک یہ بات کہہ دی۔ تو فوزیہ کی غصہ بھری آنکھوں کے سامنے ستارے ناچنے لگے۔ اور وہ منظر آتشیں شعلوں سے لپٹا۔ اس کے ذہن پر آن ابھرا۔ جب عبدالعلی اس کے نکاح کی شب اس کے رتھ کا جوا اپنی گردن پر رکھے چلے ہوئے تھے تھا اسے خانقاہ کے بڑے دروازے تک لایا تھا۔ اس وقت عبدالعلی کی آنکھیں بری طرح بہہ رہی تھیں۔ اس نے اپنی بہتی آنکھیں فوزیہ کی سنہری اوڑھنی سے پونچھ لی تھیں۔ اور ایک دم اپنا روتا منہ پیچھے کو موڑ لیا تھا۔ یہ تصور فوزیہ کے ذہن پر کچھ اس طرح چھایا کہ بزرگ عبدالالہ نے اس کے دامن کو کئی بار اپنی آنکھوں سے لگا کر اپنی کوتاہی پر معذرت بھی کر لی اور حسین باندیوں اور غلاموں کے ہمراہ بہلے تحائف بھی گزارنے شروع کر دیئے۔ لیکن فوزیہ کا تصور نہیں ٹوٹا اسے روتا ہوا

عبدالعلی ہر چار سمت سے ابھرتا دکھائی دیتا رہا۔

البتہ اس لمحہ جب بوڑھے عبدالالہ نے انتہائی تفاخر کیسا تھ ہانک لگائی
اور یہ ملکہ نبرہ ورجلینا ہیں فوزیہ عالیہ۔ جسے آپ کے بھائی نے آپ کی
خدمت گزاری کے لئے چنا ہے۔

تو فوزیہ کا ذہن ایک دم سمٹ گیا اس کی زرد زرد آنکھیں اس ملکہ نبرہ ورجلینا
پرا ٹھ گئیں۔ جو نازک شاخ کی طرح ہچکولے کھاتی اپنی لانبی۔ لانبی ٹیر ہی آنکھوں
سے آنسو ٹپکاتی اس سے دو قدم فاصلے پر آن رکی تھی۔ بوڑھے عبدالالہ نے ایک دم
مدح گو شاعر کی حیثیت اختیار کر لی اور ملکہ ورجلینا کے حسن کی تعریف کرتا ہوا بولا
نبرہ میں یہ قصہ بہت عام ہے ملکہ عالیہ فوزیہ۔ کہ مقتول بادشاہ نبرہ شاہ
زروی نند جس شام ہسکے کی خوبصورت شہزادی ورجلینا کو دلہن بنا کر ہسکے کی حدود
سے نکلے تھے۔ ہسکے کے کئی سو امیر زادوں نے خودکشی کر لی تھی۔

یہ کہہ کر بوڑھے عبدالالہ نے قیدی ملکہ کے کندھوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑی
ایک نازک سی چھڑی سے چھوا اور بات جاری رکھی
اگر آپ فوزیہ عالیہ۔ قیدی ملکہ کے خوبصورت چہرے پر ایک نگاہ ڈالیں
تو آپ بھی میری طرح نبرہ میں زبان زد اس قصہ کی صداقت تسلیم کر لیں۔

فوزیہ کی نگاہ اس کے چہرے پر ہی نہیں۔ قیدی ملکہ کے لانبے چھریرے جسم
کے ایک ایک حصہ کا طواف کرنے لگی تھیں اور نہ جانے کیوں اس کا جی چاہا یہ قیدی
ملکہ اس کے حضور نہ پیش کی جاتی اس کی نگاہ قیدی ملکہ کے چہرہ اور جسم پر سے اچھلتی
بادشاہ امنظہر تک رسائی پا گئی۔ وہ اس حسین قیدی ملکہ کو بڑی دلچسپی کے ساتھ

دیکھ رہا تھا۔

فوزیہ نے اپنے خوبصورت سر کو بہت زور سے جھٹکا اور بوڑھے عبدالالہ کی آواز میں پہلے سے زیادہ تلخی بھر گئی۔

اور یہ قبیدی شہزادی، مقتول بادشاہ نبرو کے حقیقی چھوٹے بھائی ازفولفش کی صاحبزادی ہیں۔ ان کی عمر ٹھیک اکیس سال ہے یہ اس دن پیدا ہوئی تھیں جس دن ہمارے شاہی ایوانوں نے نومولود شہزادی ذہبہ کی پہلی آواز سنی تھیں

بوڑھے عبدالالہ نے شہزادی ذہبہ کی سمت دیکھا اور بات جاری رکھی

اس مناسبت سے شاید۔ میرے آقا عبدالعلی نے اسے شہزادی ذہبہ کی ہم صحبتی کے لئے مخصوص فرما دیا ہے۔

اس کی آواز اونچی ہوگئی۔

میرے آقا نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ ولی عہد میریہ ہاتھ لگ جاتی تو اسے بھی شہزادی ذہبہ کے دامن اٹھانے کا شرف بخشتے۔ مگر شاہی محل میں پچھلی رات کے اندھیرے۔ میرے آقا اور شہزادی میریہ بیچ بری طرح حائل ہو گئے تھے۔

فوزیہ نے ایک دم اسے ٹوک دیا۔

شہزادی ہلینا کا ذکر شاید عبدالالہ آپ اپنی زبان پر کسی خاص مصلحت سے نہیں لائے۔

بزرگ عبدالالہ نے اسے اور شہزادی ذہبہ کو کچھ اس طرح دیکھا جیسے اس سوال کا جواب دینے سے پہلے وہ دونوں چہروں کے تاثر کو ملحوظ رکھنا ضروری جانتا تھا۔ شہزادی ذہبہ کا چہرہ اس لمحے کچھ عجیب طرح زرد پڑ گیا تھا۔

بزرگ عبدالالہ نے اس زر دمی تک ہر دو اپنی نگاہ میں بھرلی اور آنکھیں

گھماتے ہوئے جواب دیا۔

آپ سے فوزیہ عالیہ۔ کوئی بات بھی چھپا کر رکھنے کا غلام کو حکم نہیں ملا۔ اس

پہ کہہ کر عبیانی ملکہ حبلبینا کی سمت دیکھا اور بات جاری رکھی۔

مگر شہزادی حبلبینا کے دامن تک ہمارا ہاتھ پہنچ سکا ہوتا تو اس سفارت

کا عنوان بالکل اور ہوتا جو آپ کے حضور پیش ہے۔

فوزیہ اس کے بالکل قریب آگئی اپنا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا

اور اسے لقمہ دیا۔

تو گویا آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اس وقت آپ کی سفارت قیدیوں کے

تعارف کی بجائے۔ آپ کے آقا عبدالعلی کے لئے شہزادی ذہبہ کا چناؤ ہاتھ طلب

کرنے ہمارے حضور باریاب ہوئی۔

اس نے پاؤں بجائے۔

اور ہم یہ مطالبہ رد کر دیتیں۔ کہ فاتح عبدالعلی کی ہر کامیابی و کامرانی کے

باوجود یہ محل سرا سے اپنا داماد بنانے کیلئے بالکل تیار نہیں ہے یہ اسے لائق بھی

شرف کا اہل نہیں جانتی۔

شہزادی ذہبہ نے اپنے دونوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ مگر فوزیہ ذرا بھی

متاثر نہیں ہوئی اس نے اپنے نازک پاؤں تخت کے مخملیں فرش پر بہت زور سے

بجائے اور بات جاری رکھی۔

یوں بھی بزرگ عبدالالہ۔ آپ اس نازک گھڑی اس محل سرا میں نہیں

تھے۔ جب میرے شوہر کے شاہ بابا نے میری آنکھ بچا کر اپنے سینہ میں خنجر گھونپا تھا اور میں بھاگتی ہوئی ان تک پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے اپنا سر میرے کاپنتے کندھوں سے لگا دیا تھا اور میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر التجا کی تھی کہ میں کسی قیمت پر شہزادی ذہبہ کو عبد العلی سے منسوب ہونے نہ دوں۔ ورنہ ان کی روح کیلئے یہ ذلت نا قابل برداشت ہوگی

اس کی آواز کافی اونچی ہوگئی۔

آپ نہیں جانتے۔ بزرگ عبدالالہ مرحوم شاہ بابا نے جب یہ التجا مجھ سے کی تھی تو ان کی آواز میں کس قدر رقت تھی۔

بادشاہ المنظر ایک دم آگے بڑھ آیا اور اس کی بات کاٹ لی۔

لیکن خوشی کی اس گھڑی جبکہ ہم فاتح عبد العلی کی سفارت کو باریابی بخش رہے ہیں اور ان کے مخالف ہمارے حضور پیش ہیں آپ شاہ بابا کا ذکر زبان پر کیوں لے آئی ہیں۔

آپ اس مسرت کا احساس ہم سے کیوں چھین لینا چاہتی ہیں۔ جو فاتح عبد العلی نے تاریخ سرقسطہ کی سب سے بڑی فتح حاصل کر کے اس محل سرا اور پورے ملک کو بہم پہنچائی ہے۔

اس نے بزرگ عبدالالہ کی سمت دیکھا اور بات پوری کی

آپ اپنے مخالف گزارنے جایئے۔ بزرگ عبدالالہ۔ اور ان نبیدیون کا تعارف ہم سے جاری رکھیئے۔ جن کو پکڑ کر عبد العلی نے ہمارا سر بہت اونچا کر دیا ہے۔

بزرگ عبدالالہ نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور تمیری شہزادی کو آگے بڑھاتا ہوا کہنے لگا۔

اور یہ شہزادی نبرہ کے بادشاہ کی چچیری بہن اور ڈیوک تشتالیہ کی منسوبہ ہے کہتے ہیں اس سے منسوب ہونے کی خوشی میں ڈیوک تشتالیہ نے پوری چھاؤنی میں سات دن برابر جشن مسرت منایا اور ساری کی ساری سپاہ اس کی مہمان بنی تھی

بوڑھے عبدالالہ کی زبان ایک شاعر کی زبان بن گئی

یہ روایت مجھے قطعاً مبالغہ آمیز معلوم نہیں ہوتی۔

اس نے اپنی نگاہ المنطاہر پر اچھالی اور بات جاری رکھی

ڈیوک تشتالیہ اگر برسہا برس اس شہزادی سے منسوب ہونے کی خوشی میں جشن مناتا رہتا تو بھی برابر وزن نہیں ہوتا۔

شہزادی۔ قیدی ہونے کے باوجود اپنی اس شاعرانہ تعریف پر ماہر رقاصہ کی طرح لچک گئی۔ فوزیہ عالیہ نے بہت زور سے پاؤں بجائے اور بوڑھے عبدالالہ سے کہنے لگی۔

معلوم ہوتا ہے راہب عبدالالہ۔ تم حسن پرست عبدالعلی کے ساتھ ہر وقت رہنے کے سبب اپنی راہبانہ زندگی کو ختم کر بیٹھے ہو۔ اور دنیاوی لذات نے تمہیں اپنے شکنجہ میں لے لیا ہے۔

بوڑھے عبدالالہ نے محض سر جھکا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اگلی شہزادی کو آگے بڑھاتا ہوا بولا۔

اور یہ نبرہ کے سپہ سالار اعلیٰ عظیم نواب اریولر کی حقیقی بہن ہے آدھی

عیسائی دنیا کے شہزادے اس سے بیاہ کرنے کے لئے کئی سال تک یورپ کی گلیوں میں آوارہ سرگرداں پھرتے رہے مگر اس کے حنائی ہاتھ میں انگوٹھی پہنانے کا شرف صرف ولی عہد ارغونہ کو نصیب ہوا۔

اس کے لہجے میں تلخی بھر گئی۔

گویا دوسرے لفظوں میں عبدالعلی نے اس شہزادی کو قید کی زنجیریں عطا کرکے۔ آپ کے حلیف ہمسایہ ریاست ارغونہ کے منہ پر تھوک دیا ہے۔

اور اس عظیم نواب ارغونہ کی نورپوری کی پوری ناک کاٹ لی ہے جو کئی دن سے آپ کے مہمان خصوصی کا شرف پائے ہے۔

اس کی آواز خاصی اونچی ہو گئی۔

فوزیہ عالیہ آپ نے اپنے بھائی کے خلاف انگریزوں کو اپنانے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ ان کی قوت و طاقت تو آزمائی ہوتی۔ نکمے ساتھیوں سے معاہدے سے آخر آپ کو کیا فائدہ ملا۔؟

فوزیہ عالیہ نے پہلے سے کہیں زیادہ زور سے پاؤں بجائے بوڑھے عبداللہ نے بڑے غصے سے اس پر نگاہ اچھالی اور سخت تحکم کے ساتھ بولا۔

اگر آپ۔ میرے سابق آقا۔ مولا حسن کی بیٹی اور میرے سربراہ امیر عبدالعلی کی چچیری بہن نہیں ہوتیں۔

تو میں آپ کے بار بار بجتے پاؤں کی دھمک سننا کبھی گوارہ نہیں کرتا۔ اس نے بڑے غصے سے منہ گھمایا اور آخری بات کہی۔

مجھے بے حد افسوس ہے۔ آپ دشمن سفارتوں کے تحائف کو بڑی توجہ سے قبول

فرماتی اور انہیں کئی کئی دن تک اپنے ہاں مہمان رکھتی ہیں۔ مگر اپنے چچیرے بھائی کی سفارت کا تمسخر اڑا رہی ہیں۔ جو آپ کے حضور عجز و نیاز کا پیکر بن کر حاضر ہوئی ہے اور جو آپ کے لئے ان مول اور گرانقدر تحائف ہی نہیں بے پناہ مسرت اور تفاخر بھی اپنے ساتھ لائی ہے۔

اس کی آواز پہلے سے بھی زیادہ بلند ہوگئی۔

اس عظیم فتح سے عبدالعلی نے محض اپنا نام تاریخِ عالم میں سنہری حروف سے رقم نہیں کیا۔ آپ کے پورے کے پورے خاندان کو وہ عظمت بخشی ہے جو اس کے حصہ میں کبھی نہیں آئی تھی۔

ابھی اس نے بات ختم نہیں کی تھی کہ امیر المظہر بجلی ایسی تیزی سے اس کے حضو۔ رکوع کے بل جھکا اور معذرت کی۔

ہم بہت شرمندہ ہیں۔ بزرگ عبدالالہ

مگر فوزیہ عالیہ قطعاً شرمندہ نہیں تھی۔ وہ بڑے غصہ اور نفرت کیساتھ پاؤں بجاتی باہر کی طرف لپکی۔

بزرگ عبدالالہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور سر جھٹکتے ہوئے کہنے لگا۔

اے کاش میں نے تمہیں برابر انیس سال اپنی حقیقی بچیوں کی طرح پرورش نہیں کیا ہوتا اور اے کاش۔ تم خانقاہِ معلیٰ کی بجائے کہیں اور پیدا ہوئی ہوتیں۔

فوزیہ رک گئی اور خشمگیں نگاہ اس پر اچھالی اور سر جھٹکتے ہوئے اس کی بات کاٹ لی۔

اگر اے کاش۔ اے کاش کی تکرار ہی تمہیں مطلوب ہے بزرگ عبدالالہ تو میں بھی

یہ کہہ سکتی ہوں اے سالش تم میرے مرحوم بابا کے بڑے راہب اور دوست راز نہیں ہوتے۔

اچانک شہزادی ذہبیہ نے انتہائی خلوص اور عقیدت کے ساتھ آگے کو جھک کر اس کے کھردرے دامن کو آنکھوں سے لگا لیا۔ بزرگ عبداللہ ایک دم سیدھا ہو گیا۔ کبھی سو عباسی غلاموں کے سردوں پہ لدے تحائف کی طرف اپنا ہاتھ ایک نقیب کے سے انداز میں اچھال کر عبدالغنی کو حکم دیا۔

عبدالغنی۔ یہ سارے کے سارے تحائف جو تمہارے آقا نے ہمیں ملکہ عالیہ کے حضور نذر کرنے کی ہدایت کی تھی پس شہزادی عالی قدر کے سامنے ڈھیر کر دو کہ آج ہم نے کھورتے کھرے کی پہچان کر لی ہے۔ اور جان لیا ہے کہ ہمارے آقا نے شہزادی ذہبیہ کو اپنی نگاہ کا مرکز کیوں ٹھہرایا تھا۔

اس کی آواز پر فوزیہ کی تمسخر بھری آواز ابھری گئی۔

اور یہ جانتے ہوئے ٹھیرا یا کہ ماتحتی میں اس کے بابا مولا حسین اور شہزادی ذہبیہ کی ماں ہلینا کے متعلق کچھ لذیذ حکایتیں زبان زد خاص و عام رہ چکی ہیں۔

عبداللہ نے ایک دم شہزادی ذہبیہ کو چھوڑ دیا اور پوری قوت سے پاؤں بجائے۔

ہم گستاخی پر مجبور ہو جائیں گے۔ ملکہ عالیہ اور سفارت کے سارے آداب توڑ دیں گے۔

اسی کے سے انداز میں فوزیہ کی آواز آئی۔

اگر تم یہ گستاخی کرو گے تو ہم تمہیں تمہارے تحائف سمیت دریائے

ا بھی پھنکوا دیں گے۔

وہ بہت تیزی سے آگے کو لپکی ۔ شہزادی زہبہ بیبہ مجنوں کی طرح کانپتا اس کے آگے دوزانو ہوگئی اور ایک ادنیٰ باندی کے سے انداز میں اس کا دامن پکڑ لیا اور چلائی ۔

نہیں ۔ نہیں ملکہ عالیہ نہیں نہیں ۔ یہ عبدالعلی کی توہین ہوگی اور عبدالعلی کی توہین ۔

اس کی سکاہتی آواز پر بادشاہ المنظر کی آواز چڑھ گئی ۔

اور عبدالعلی کی توہین یہ آدھا جلا اور آدھا سلامت محل کبھی برداشت نہیں کر سکے گا ۔ اس کی جتنی اینٹیں بھی سلامت رہ گئی ہیں یہ عبدالعلی ہی کا تو عطیہ ہیں اور میرے سمیت اس محل میں جتنے افراد بھی ہیں ان سب کی زندگیاں عبدالعلی ہی تو رہین منت ہیں ۔

اس نے اپنا دامن آگے کو جھکا کر اپنے ٹنڈ منڈ ہاتھوں سے عبدالالہ کا دامن پکڑ لیا اور معذرت کی ۔

بزرگ عبدالالہ ۔ اس ملک کی ملکہ عالیہ سے اس کی بینائی چھن گئی ہے وہ بھلے اور برے ۔ اندھیرے اور اجالے میں تمیز نہیں کر سکتی ۔

فوزیہ نے اپنا سر بری طرح جھٹکا اور دیوانوں کی طرح اندر کو لپک گئی المنظر نے عبدالالہ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں مزید معذرت کی ۔

بخدا عبدالالہ ۔ اگر یہ عورت عبدالعلی کی چچیری بہن نہیں ہوتی ۔ اگر عبدالعلی نے اپنے ہاتھ سے اسے میری دلہن نہ بنایا ہوتا تو میں اسے اسی لمحے طلاق دے دیتا ۔

شہزادی دیبہ نے اس کا دامن پکڑ لیا اور پاگلوں ایسے انداز میں چیخی۔

یہ آپ کی زبان پر کیسی منحوس بات آگئی تھی تاجدار بھیا۔

ایسی منحوس باتیں شرفا کو زیب نہیں دیتیں۔

تاجدار بھیا نے اپنی اس بہن کی طرف دیکھا۔ جو اس کے دامن کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے۔ اسے قریب جھک رہی تھی۔

باب ۲۲

بادشاہ ارغوث۔ ازفولش نے شراب کی بھری ہوئی صراحی میز پر سے اٹھا کر بڑے غصے کے ساتھ دیوار پر پھینک دی۔ اور جولیک نبرہ کے گریبان میں ہاتھ ڈالتے ہوئے دیوانوں کی طرح چیخا۔

تو گویا بربرہ کی یہ شکست تمہارے نکتہ یک بیری وجہ سے عمل میں آئی ہے اور یہ کہ میں تمہاری پاک دامن شہزادیوں کو دشمن کے حوالے کرنے کا مجرم بنا ہوں۔

نوجوان ایک دم رکوع کے بل جھکا اور بڑے عجز کے ساتھ عرض کیا۔

عالی جاہ۔! آپ میرا مطلب بالکل غلط سمجھے ہیں میں نے تو صرف اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ اگر آپ نے اپنے ولی عہد شہزادہ ریم کی خواہش کا احترام کیا ہوتا اور ان کی خواہش کے مطابق گرینڈا ارلوڈ کو شادی پر آمادہ کر لیا ہوتا تو یہ شب شادی کی ہوتی۔ آپ اپنی پوری سپاہ کے ساتھ وہاں

موجود ہوتے۔ آپ کا ہمایونی سایہ ہمیں اس بربادی سے بچا لیتا۔ اول تو دشمن آپ کی موجودگی میں شب خون مارنے کی جرات نہیں کرتا اور اگر تو آپ اس گستاخ کے ہاتھ توڑ دیتے اور اسے وہ سبق پڑھاتے کہ رہتی دنیا تک یادگار رہتا۔

شرالی بادشاہ ازفونش کا ہاتھ اس کے گریبان سے نکل آیا۔ وہ مسکرایا اور بے خوف بادشاہوں کے ایسے انداز میں اس کے کندھے کو سہلاتے ہوئے بولا۔

اوہ۔ ہم تمہارا مطلب اب سمجھے۔

نوجوان ڈیوک نبرہ رکوع کے بل جھکا۔ اور بادشاہ کے گھٹنوں کو چھوتا ہوا کہنے لگا۔

میرا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا عالی جاہ۔ میں تو صرف یہی عرض کرنا چاہ رہا تھا۔

اس کی آواز بھر آگئی

لیکن یہ میرے ملک کی بدنصیبی تھی کہ اسے آپ کا ہمایونی سایہ نصیب نہ ہو سکا اور آپ کو وہ شرائط منظور نہ ہوئے جو مغرور گرینڈ ڈیوک اربولے نے پیش کئے تھے۔

شرالی بادشاہ ازفونش کا ذہن ٹھٹک گیا اسے وہ شرائط یاد آگئے جو مغرور گرینڈ ڈیوک نے پیش کئے تھے وہ زور زور سے پاؤں بجانے لگا اور بجاتے بجاتے کہنے لگا اگر وہ لانبی مونچھوں والا ڈیوک میرے پاس اس وقت ہوتا تو میں اس کی دونوں مونچھیں اپنے ہاتھوں میں لے لیتا اور سے پوچھتا۔ اب اس کی غیرت بالکل مجروح نہیں ہوئی۔ جب کا زعبدالعلی اس کی بہن اور دوسری نبرمی شہزادیوں

کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتا تبرہ کی حدود سے نکال لے گیا۔

ان کی آواز تمسخر کا لہجہ اختیار کر گئی۔

ہم سے شرما بادھ رہا تھا۔ اپنی بہن ہمارے بیٹے سے صرف اس صورت میں بیاہے گا کہ ہم تبرہ اور ارغونہ کی سرحد پر اس کی بہن کی اقامت گاہ تعمیر کریں۔

ان کی آواز پر ایک گھمبیر اور بوجھل آواز چڑھ گئی۔

آپ نے ہماری غیر موجودگی میں ہم پر قہقہہ لگا کر عالی جاہ ہماری عزت کو تو یقیناً چیلنج کیا ہے لیکن اپنے وقار کی چادر بھی داغدار کر دی ہے۔ کہ میری بہن شہزادی اریول آپ کے بیٹے کی منگیتر ہی منسوب لاز ما تھی۔ ہم نے شرائط نکاح رد کئے تھے لیکن نسبت نہیں توڑی تھی اور اس کا اغوا جہاں ہمارے لئے موجب شرم ہے وہاں آپ کے لئے بھی باعث مسرت نہیں ہو سکتا۔

گر بنیڈ ڈیوک اریولہ۔ بڑے تناؤ کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا بادشاہ ازفونش تک آن پہنچا اور بات جاری رکھی۔

اور پھر بات صرف ہماری بہن اور آپ کی ہونیوالی بہو کی ہی نہیں ہے عبدالعلی کے اس شب خون نے پوری ملت نصرانیاں کے سر میں خاک ڈال دی ہے۔ تیلیچ لیکے کی چھاتی شق کر دی ہے قشتالیہ کی زلفیں پاؤں تلے مسل ڈالی ہیں اور ارغونہ کے چہرے پر تھوک دینے کا حوصلہ کیا ہے۔

بادشاہ ازفونش نے پاؤں بجائے۔ مگر گر بنیڈ ڈیوک نے کوئی پرواہ نہیں کی اور بات جاری رکھی۔

آپ نے مجھے جس متحدہ سفارت کا سربراہ بنا کر بھیجا تھا۔ وہ پورے سات

دن اور سات راتیں۔ سرقسطہ میں روک لی گئی تھی۔ کہ اس قہقہہ کی گونج سنتی رہے جو عبدالعلی کی فتح کی خوشی میں سرقسطہ کے درودیوار اور گلی کوچے مسلسل و متواتر بلند کر رہے ہیں۔

اس نے عجیب باؤلے پن کے ساتھ اپنا ہاتھ بادشاہ اذفونس کے کندھے پہ بھینچ دیا اور بادشاہ کی شرابی آنکھوں میں اپنی لال سرخ آنکھیں ڈالتا ہوا کہنے لگا۔

میں نے سرقسطہ کے لاکھوں عوام کو نبرہ کے زوال پر جس انداز سے خوشیاں مناتے دیکھا ہے۔ اس انداز سے کبھی کوئی فاتح قوم مفتوح کے انجام پہ شاید ہی مسرور ہوئی ہو۔

اس کی آواز گر گئی۔ لال لال سرخ آنکھیں نیچے کو جھک گئیں۔ مگر بات جاری رکھی۔

بادشاہ اذفونش میں نے سرقسطہ کے بازاروں میں نبرہ کے لٹے ہوئے تاج اور اس کے تخت رواں کی نمائش بھی دیکھی ہے اس کے تخت رواں پہ ہیود ملکہ وجلینا اور شاہی خاندان کی دوسری شہزادیاں تشریف فرما تھیں۔ گو سرقسطہ کے اوام نے قیدی شہزادیوں پر پتھر نہیں اچھالے کنکر نہیں پھینکے کہ شہزادی ذہبہ ان کے ساتھ جلوہ فرما تھی لیکن عوام کی نگاہوں کے تیر جس انداز سے ان پر اچھلے اس کی کسک تا عمر اس سینے میں محسوس ہوتی رہے گی بادشاہ اذفونش۔

اس کی آواز کانپ گئی

میری نظر پہ اعتماد نہیں ہو۔ عالی جاہ۔ تو میرے ساتھی باہر رکے کھڑے ہیں ان میں آپ کے کلیسا کے لاٹ پادری بھی ہیں۔ ان سے میری بات کی تصدیق

کر لیجئے۔

اس کی آواز بہت اونچی ہوگئی۔

یہ نمائش جو سرقسطہ کے بازاروں میں ہوئی ہم کو کیسے دکھائی گئی اور پہچانتے بوجھتے دکھائی گئی کہ ہم میں ملت قشتالیہ کے نمائندے بھی ہیں ملت لیسکہ کے بھی اور ملت ارغونہ کے بھی۔

بادشاہ الفونش ایک دم گرجا۔

بس بس۔ ڈیوک اریولہ۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہو۔ ہمارا سینہ پھٹ جانے کو ہے۔ ہم اس بڑھاپے میں یہ غم برداشت نہیں کر سکیں گے۔

اس نے زور سے تالی بجائی ایک باندی نے اندر کو جھانکا بوڑھا بادشاہ گرجا۔

سپہ سالار کو یہاں بھیج دو اور اس سے کہو اسلحہ پہن کر آئے ہم سرقسطہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ ہم اس کے ان بازاروں گلی کوچوں کا تماشہ اپنی آنکھوں سے کریں گے۔ جہاں نمرد کی آبرو پر ہنسی اڑائی گئی ہے

ڈیوک آف اریولہ نے بادشاہ الفونش کا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور ان کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا معترض ہوا۔

میں آپ کے اس ارادے اور اس کے اظہار پر بے حد ممنون ہوں عالی جاہ! لیکن ابھی حملہ آور ہونے کی گھڑی نہیں آئی۔

شاہ الفونش نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکال لئے اور پہلے سے زیادہ بلند آواز کے ساتھ گرجا

صوفی! یہاں کیوں رکی کھڑی ہو۔ سپہ سالار کو ہمارے حضور پکڑ کر کیوں نہیں لاتی۔

وہ آگے کو لپکا۔ دیوار سے لٹکی تلوار نوچ لی اسے چوما آنکھوں سے لگایا۔ اور بڑے گھمنڈ کے ساتھ چلتا۔ گرینڈ ڈیوک اور اریولہ تک پہنچا اور اس سے کہنے لگا۔

تم نے گرینڈ ڈیوک اریولہ۔ اپنی بہن ہمارے ولی عہد سے بیاہتے وقت اس شب جو شرط عائد کی تھی۔ ہمیں وہ شرط بھی منظور ہے اور ہم اپنی طرف سے ایک اور پیش کش بھی کرتے ہیں کہ ہم نہ صرف نبرہ اور ارغونہ کی سرحد پر اس کی دہری رہائش گاہ تعمیر کریں گے۔ سرقسطہ اور ارغونہ کی سرحد پر اس کی اتنی رہائش گاہ بنوا دیں گے کہ وہ اگر چاہے تو پورا سال ایک ایک شب ایک ایک رہائش گاہ میں بسر کرتی رہے۔

بادشاہ نے سلسلہ کلام توڑ دیا اور اپنے ولی عہد کو پکارا

تم کہاں ہو ولی عہد ولیم! ہم نے تمہارے اور پرنسس اریولہ کے نکاح کے لئے سرقسطہ کا کلیسائے جیکب تجویز کیا ہے۔ جنگی لباس پہن لو اور پہلے اس سے کہ آج کا سورج غروب ہو ہمارے پہلو بہ پہلو چلتے دریائے ابرہ کو عبور کر جاؤ۔

ولیم کہیں اس کے پاس نہیں تھا۔ خاصے فاصلے پر بنے اصلحہ خانے کے برآمدے میں زرد روشہزادی بلینا اور شہزادی ولی عہد نبرہ میریہ کے حضور میں جھکا انہیں سنگترے کی قاشیں چھیل چھیل کر دے رہا تھا۔ اس نے باپ کی آواز سنی نہیں تھی۔ اسے تو دنیا و مافیہا کا ہوش نہ تھا۔ اس کی نگاہ تو اس وقت میریہ کے زرد زرد ملکوتی چہرے پر جمی ہوئی تھیں وہ تو یہ تک بھول گیا تھا کہ شہزادی بلینا بھی ان کے پاس موجود ہے اور اپنی بھتیجی کے پاؤں پہ پاؤں مار مار کر اسے چہرہ دوسری سمت

پھیر لینے کا اشارہ کر رہی ہے۔ وہ تو کچھ ایسا سمجھ رہا تھا کہ اس کی زندگی میں پہلی بار کسی خوبصورت عورت کا چہرہ دیکھا ہے۔ اس سے پہلے نہ کبھی اس کی نگاہ کسی خوبصورت عورت پر اٹھی اور نہ کبھی اس نے کسی سے محبت کی۔

شہزادی میریہ پھوپی کے پاؤں کا دباؤ یقیناً محسوس کر رہی تھی وہ سمجھ رہی تھی کہ پھوپی کا یہ پاؤں اس کے پاؤں پر کیوں بار بار آ رہا ہے۔ لیکن اسے اپنے سامنے جھکے شہزادہ ولی عہد ولیم کے ہاتھوں سنگترے کی قاشیں لے لے کر کٹوری میں رکھنے کی مشق کچھ ایسی دلچسپ معلوم ہو رہی تھی کہ اس نے پھوپی کے پاؤں کے دباؤ کی قطعاً پرواہ نہیں کی۔ شہزادہ ولیم سنگترے کی قاشیں چھیل چھیل کر اسے دیتا رہا اور وہ اسے کٹوری میں ڈالتی رہی۔ یہاں تک کہ داروغہ محل کی آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔

داروغہ محل بے تحاشہ بھاگی اور چیختی آ رہی تھی۔

ولی عہد بہادر۔ بادشاہ سلامت نے جنگی لباس پہن لیا ہے۔ ابھی رتھ پر چڑھ گئے ہیں اور آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ بھی ان ہی کی طرح جنگی لباس پہن لیں اور ان کے پہلو بہ پہلو چلتے سرقسطہ کی حدود پامال کر دیں۔

بادشاہ سلامت نے قسم کھائی ہے ولی عہد بہادر کہ وہ سرقسطہ کی ہر اونچی عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اور اس کے شہر کی ہر جوان عورت کو اسی طرح گرفتار کر لیں گے جس طرح سرقسطہ کے عبدالعلی نے آپ کی منسوبہ شہزادی اریولہ اور زبرہ کی دوسری شہزادیوں کو گرفتار کیا ہے۔

شہزادی میریہ کے لئے یہ انکشاف کچھ عجیب تھا۔ وہ پاگلوں کی اس دروغ

محل کو دیکھنے لگی۔ جس نے سانس لیے بغیر اتنی لمبی بات شہزادہ ولی عہد پہ اچھال دی تھی۔ وہ ٹک ٹک اس موٹی عورت کا چہرہ دیکھے جا رہی تھی۔ اگر اس لمحہ اس کی نگاہ اپنی پھوپی کے چہرہ پر اٹھ جاتی تو وہ اس کے چہرے سے اس کے دل کا حال جان لیتی۔ مگر یہ عورت جس کا نام ہلینا تھا۔ بڑی چالاک تھی بچوں کی اچھل کر دروغہ محل کے دونوں کندھے پکڑ لیے اور بچوں ایسی معصومیت اور سرخوشی سے پوچھنے لگی۔

لیکن تمہارے بادشاہ نے سرقسطہ پر حملہ آور ہونے کا یہ فیصلہ یکایک کیسے کر لیا۔ صوفی۔

صوفی نے شہزادی ہلینا کی خوشبودار سانس اپنے موٹے کلے میں بھرتے ہوئے جواب دیا۔

گرنیڈ ڈیوک آریولہ اور ان کی سفارت ناکام لوٹ آئی ہے۔ وہ خبر لائی ہے کہ نبرہ کے زوال پر برابر آٹھ دن پورے سرقسطہ میں جشن منائے گئے ہیں اور زبیدی شہزادیوں کو جلوس کی شکل میں بازاروں میں پھرایا گیا ہے۔

میریہ کی گھرائی گھرائی آواز اس کی آواز پر چڑھ گئی۔

تو گویا عبدالعلی۔ پر سرقسطہ کے دروازے پھر سے کھل گئے ہیں۔ اس فتح نے مغرور ملکہ سرقسطہ کا سر اس کے آگے جھکا دیا ہے۔ اور وہ ٹھوک چاٹنے پر راضی ہو گئی ہے۔

میریہ کے اس سوال میں جو گھرائی تھی اس سے شہزادی ہلینا بری طرح دہل گئی۔ لیکن اس کے سوا اس کی گھرائی کو ناپنے والا کوئی نہیں تھا یہ صوفی سمجھ سکی

تھی اور نہ بے وقوف شہزادہ ولیم ہی کچھ سمجھ پایا تھا۔ وہ سخت مبہوت ہو کر اس موٹی عورت کی طرف دیکھ رہا تھا جس نے اس کے اس حسین مشغل کا لذیذ سلسلہ یک بیک توڑ دیا تھا اور اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اس سے کہے جا بابا سے کہہ دے۔ اب ہم کیا شہزادی اربولہ کے لئے بے تاب ہیں ہیں ہم اس عورت کو بھول گئے ہیں۔ جسے ہم نے میربہ سے پہلے دیکھا تھا۔

اور یہ میربہ کچھ عجیب باؤلے پن کے انداز میں۔ پھوپی ہلینا کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہنے لگی۔

چلئے پھوپی ہم بھی بادشاہ سلامت سے کہیں۔ ہمیں بھی ساتھ لے چلیں ہم بھی سرقسطہ کی سرزمین ان کے گھوڑوں کے پاؤں تلے رندتے دیکھیں گے۔ ہم بھی پرنس اربولہ اور شہزادہ ولیم کے بیاہ میں شریک ہوں گے۔

شہزادہ ولیم نے آنکھیں کھول کر اس میربہ کو دیکھا جو پھوپھی کا ہاتھ پکڑے اور اسے جھنجھوڑتی ہوئی پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت نظر آرہی تھی۔

اور یہ خوبصورت شہزادی نہ جانے کیا شے تھی ابھی پھوپھی کا ہاتھ پکڑے تھی۔ ابھی ہرنی کی طرح کلیلیں بھرتی ڈیوک نبرہ۔ ڈیوک نبرہ چیختی آگے کو دوڑ پڑی لیکن پھر رک گئی۔ پہلے ہی ایسے انداز میں پیچھے کو لوٹ آئی اور حیران حیران پھوپھی سے کہنے لگی۔

ڈیوک نبرہ کے ساتھ ساتھ ڈیوک اربولہ بھی آرہے ہیں۔ ان کی آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں بال الجھے ہیں اور ہاتھوں میں تشنج ہے۔

پھوپی نے سر جھٹکا اور اپنی انگلی دانتوں میں داب لی۔ میربہ نے غلط بیانی

نہیں کی تھی۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتے ڈیوک نیرہ کے ساتھ ساتھ بیٹا ہوا ڈیوک ریولہ بھی اس سمت بڑھا چلا آرہا تھا۔ اس کے بال الجھے تھے ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی تھیں اور آنکھیں لال سرخ تھیں۔

شہزادی ہلینا نہ چاہنے کے باوجود دو قدم آگے بڑھ آئی گرینڈ ڈیوک آف اربولہ نے ایک دم قدم بجائے۔ شہزادی کو سلامی دی ایک گھٹنا زمین پہ ٹیکا۔ اور آنکھیں جھکائے ہوئے کہنے لگا۔

آپ سلامت ہیں تو ہر شئے سلامت رہ گئی ہے۔ شہزادی صاحبہ۔ ہم ہاری ہوئی بازی پھر جیت لیں گے

اس کی آواز بھرا گئی۔

لیکن اگر آپ جاتی رہتیں تو ہر شئے مر جاتی۔

اس کی کانپتی آواز پر زور زور سے بجتے ناقوس کی آواز چڑھ گئی پھر شاہی محل کا گجر بھی بجنے لگا۔

گرینڈ ڈیوک اربولہ نے ایک دم گھٹنا اٹھا لیا۔ پہلے ہی کی طرح سلامی دی اور پیچھے کی طرف منہ موڑ کر اس طرح ڈگ بھرتا آگے کی طرف چلا۔ جیسے پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔

میریہ اس کے پیچھے لپکی اسے آواز دی۔

آپ گرینڈ ڈیوک۔ ہمیں سلامی دینا بھول گئے۔ حالانکہ ہم آپ کے لٹے ہوئے وطن کے تاج کی وارث ہیں۔

ڈیوک نے منہ موڑا اور آنکھیں اٹھائے بغیر رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

میں نے اس تاج کی جس کی وارث آپ ہیں۔ سرقسطہ کے بازاروں میں نمائش ہوتی دیکھی ہے۔

اسے دشمن سے چھین لاؤں تو آپ کو بھی سلامی دوں گا۔

میر یا بھیجی :

ڈیوک ہم اور پھوپھی آپ کے ساتھ چلنا چاہ رہی ہیں۔

شہزادی ہلینا نے ایک دم میریہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور پوری قوت سے کھینچ دیا۔ میریہ ٹبلی پڑ گئی۔ ڈیوک نے سر جھکا ایک بار اور پاؤں بجائے اور آگے کی طرف چل پڑا

ڈیوک نبرہ نے اس کی جگہ لے لی اور شہزادہ ولیم سے جو پاگلوں کی طرح گم سم کھڑا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

شہزادہ عالی مقام۔ بادشاہ سلامت آپ کو یاد فرما رہے ہیں وہ سوار ہو گئے ہیں اور آپ کی سواری ان کے ساتھ ساتھ خالی چل پڑی ہے

ولی عہد ولیم نے ڈیوک نبرہ کی سمت دیکھا اور بہت الجھے الجھے سے انداز میں پوچھا۔

کیا آپ ۔اس سفر میں ہمارے شاہ بابا کے ہم رکاب نہیں ہوں گے۔

ڈیوک نے شہزادی ہلینا اور شہزادی میریہ پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور جواب دیا۔

یہ شرف تو میرے لئے بہت بڑا ہوتا۔ لیکن میرے مرحوم تاجدار نے میرے سے پہلے جو خدمت میرے ذمہ کی تھی اس کی انجام دہی مجھے یہ شرف حاصل نہیں

کرنے دیگی۔

اس کی آواز پر بھاگتے گھوڑوں کی ٹاپوں کا شور غالب آگیا اور بوڑھے بادشاہ کی گرجتی آواز سنائی دی۔

ولی عہد۔

ولی عہد نے بجلی کی سی تیزی سے اپنا ایک ہاتھ سلام کیلئے اٹھایا میریہ پر بڑی حسرت کی نگاہ کی اور آگے کو دوڑا۔ بوڑھے بادشاہ نے اپنے گھوڑے کی باگیں ایک دم کھینچ لیں۔ بھاگتے بیٹے پر نگاہ کی۔ اور ساتھ دوڑتے خالی گھوڑے کی سمت ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

یہ گھوڑا کبھی کا تمہاری رانوں تلے آنے کیلئے بیتاب ہے۔ ولی عہد۔

ولی عہد نے گھوڑے کی باگیں۔ شاہ بابا کے ہاتھوں سے لے لیں۔ بھاگتے گھوڑے کو ٹھہرایا اس کی رکاب میں پاؤں رکھا اور سوار ہو گیا۔ میریہ نے اسے جاتے دیکھا تو اس کا ہاتھ بے اختیار اوپر کو اٹھ گیا۔ وہ اسے ہلا ہلا کر الوداع کہہ رہی تھی۔

شہزادی ہلینا کو نہ جانے ایک دم کیا ہوا کہ اس نے بہت زور کے ساتھ اس کا گریبان کھینچ لیا۔ میریہ کا ہلتا ہاتھ ایک دم نیچے آن گرا۔

ولیم کی سواری آگے کو بڑھ گئی۔ تو شہزادی ہلینا نے میریہ کو دونوں کندھوں سے پکڑ لیا اور بہت غصہ کیا تم ڈانٹا۔

یہ تو شہزادہ ولیم کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے لگی تھی بے وقوف اور یہ کیوں بھول گئی تھی کہ وہ شہزادی اریولہ کا منسوب ہے اور شہزادی اریولہ گرینڈ ڈیوک اریولہ کی بہن ہے۔

شہزادی میریہ نے اپنا خوبصورت سر کئی بار جھٹکا اور آنکھیں نیچی کئے کئے
جواب دیا۔
میں کوئی کھیل نہیں کھیل رہی تھی پھوپی جان اور نہ میں شہزادی ریلا کی نسبت کو بھولی
تھی مجھے صرف یہ احساس تھا کہ ہم نے ارغونہ کے اس محل میں پناہ لی ہے اور یہ لوگ
ہمارے میزبان ہے
شہزادی ہلینا ہلکی سے مسکرائی اور نوجوان ڈیوک نبرہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتی
ہوئی میریہ سے مخاطب ہوئی ۔
اگر احسان مندی کا احساس تمہیں اس درجہ ہے تو یہ اظہار ڈیوک نبرہ پر کیا
ہوتا یہ ولیم سے زیادہ وفادار اور زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتے تھے
اس نے ڈیوک نبرہ کی آنکھوں میں جھانکا مسکرائی اور پوچھا۔
کیوں ڈیوک میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کہی ۔
ڈیوک رکوع کے بل جھکا۔ ہلینا ایک بار اور مسکرائی اور حکم دیا۔
ایک گھٹنا زمین پر ٹیک دو۔ اور میریہ کا دامن اٹھا کر آنکھوں سے لگا لو۔
تم ولیم سے ہزار درجہ بہتر اور ہزار درجہ خوبصورت ہو۔
میریہ بچوں کی طرح ہلنے لگی اور اپنا دامن آپ لہراتے ہوئے ڈیوک نبرہ کی
طرف بڑھا دیا۔ اور پھوپی کی سمت دیکھا پھوپھی بھتیجی ایک دوسری کی آنکھوں میں
جھانکتی رہیں اور ڈیوک نبرہ نے میریہ کا دامن آنکھوں سے لگا لیا۔
شہزادی ہلینا نے آگے کو جھک کر ڈیوک نبرہ کو اوپر اٹھا لیا۔ اس پر
اپنے جسم کا بوجھ ڈالا اسے کسی قدر فاصلے پر لے گئی اور سرگوشی ایسے انداز

میں پوچھا۔

کیا تم میرا ایک کام کر سکو گے۔

ڈیوک رکوئی کے بل جھکا اور اس کی شوق بھری آواز سنائی دی۔

بل دل و جان شہزادی صاحبہ۔

شہزادی نے سرگوشی کی۔

تمہیں ابھی ابھی نبرہ کا سفر اختیار کرنا ہوگا۔ اور میری خوابگاہ میں پہنچنا ہوگا میرے پلنگ کے نیچے ایک تہ خانہ ہے اس میں میری ماں کے سارے زیورات اور جواہرات بند ہیں۔ تم اگر یہ دولت کسی طرح اپنے ساتھ لے آؤ تو یہ تمہاری ہو جائے گی۔ اور تمہیں اور اسے زندگی گزارنے کے لئے کسی دوسرے کا محتاج نہ ہونا پڑیگا۔ اور اگر وقت نے مساعدت کی تو تم میریہ کے شوہر ہونے کی حیثیت سے نبرہ کا تاج پہن سکو گے۔

اس کی آواز بہت مدھم پڑ گئی

یہ دربار اور یہ ملک جو ہے جفا پیشہ خاندان کا ہے۔ اس نے کبھی محتاج اور مجبور دوستوں کی پاسداری نہیں کی۔

تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔

ڈیوک نبرہ نے بڑی حیرت کے ساتھ اسے دیکھا اور بہت ہولے سے کہنے لگا۔

میں نے ہر بات سمجھ تو لی ہے لیکن اس بات کا کیا بھروسہ ہے کہ لیٹرے آپ کی خوابگاہ کے اس تہ خانے تک رسائی نہ پاگئے ہوں۔

اس کی آواز کسی قدر اونچی ہو گئی

کل جو روئیداد۔ حاجب میلکم نے یہاں پہنچ کر سنائی تھی۔ اس رو سے تو فاتح لٹیروں نے شاہی محل کے تنور تک ٹٹول لئے تھے کنوؤں تک میں اتر پڑے تھے ایک ایک تہ خانے میں جھاڑو پھیر دی تھی۔ غلوں کے ذخیروں تک کو الٹ ڈالا تھا۔

شہزادی ہلینا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور ہولے سے کہنے لگی۔

اس ہر بات کے باوجود ڈیوک میری خواب گاہ کے اس تہ خانے تک ان کا ہاتھ قطعاً نہیں پہنچا ہوگا اس تہ خانے کی اوپر کی سطح سیلکوں مستطیل فرش سے ڈھکی ہے اور کوئی نگاہ یہ اندازہ نہیں کر سکتی کہ فرش کے نیچے کوئی تہ خانہ بھی ہو سکتا ہے

اس کی آواز بہت مدھم ہو گئی

اور اس تہ خانے کا راز میرے سوا کسی اور کو قطعاً معلوم نہیں ہے۔ اور یہ راز تیئیس سال سے میرے سینے میں چھپا ہے۔ اور تم سے میں محض اس لئے کہہ رہی ہوں کہ تم میرے اور میری بھتیجی کے بہت بڑے محسن ہو۔ تم ہی پر ہماری زندگی کا انحصار ہے۔

اس نے ڈیوک نبرہ کی آنکھوں میں جھانکا۔ نوجوان ڈیوک نبرہ کی نیلی نیلی آنکھیں عجیب طرح دمک آئی تھیں۔ اس نے ایک دم سیدھے ہو کر اسے سلامی دی اور بہت گرم جوشی کے ساتھ بولا۔

تو پھر آپ اطمینان رکھیئے۔ میں اسی لمحے نبرہ کی سمت روانہ ہو جاؤں گا۔ میری غیر موجودگی میں حاجب میلکم آپ کا پاسبان ہوگا۔ وہ اپنے ساتھ کئی سو اشرفیاں لایا ہے یہ آپ اس سے لے لیجئے۔

شہزادی ہلینا نے اس کی پیٹھ ٹھونکی اور پہلے سے کہیں زیادہ اونچی آواز

یوں کہنے لگی ۔

تم ہماری فکر نہیں کرو۔ ڈیوک ہم یہاں بالکل محفوظ ہیں ۔

ڈیوک نے نگاہ گھمائی ۔ میریہ ایک ستون کے گرد باہیں ڈالے اپنے آپ میں محو تھی۔ ڈیوک کی نگاہ ناکام لوٹ آئی اس نے ایک بار اور شہزادی ہلینا کو سلامی دی اور آگے کو بڑھا ۔ شہزادی اسے آگے بڑھتے دیکھتی رہی۔ وہ اس وقت تک میریہ کے قریب نہیں آئی ۔ جب تک ڈیوک نے اپنے گھوڑے کی پیٹھ نہیں سنبھال لی اور اس کا بھاگتا ہوا گھوڑا بڑے دروازے تک نہیں جا پہنچا ۔

شہزادی ہلینا نے نگاہ ادھر ادھر گھمائی ۔ اور تیزی سے چلتی میریہ کے پاس آئی روتی میریہ ایک دم اس پر برس پڑی ۔

آپ نے پھوپھی ۔ مجھے کیا سمجھ لیا تھا ۔ آپ نے ڈیوک تبرہ کو میرے سامنے ردو زالو کیوں کیا ۔ اس کو میری اوڑھنی چومنے کی سعادت کیوں بخشی ۔

ہلینا مسکرائی بھتیجی کو بازوں میں لے لیا اور بہت ہولے سے سرگوشی کی

اگر میں اس کا حوصلہ یوں نہیں بڑھاتی تو اسے تبرہ نہ بھیج سکتی اور اگر وہ تبرہ نہیں جاتا تو ہم اس قید خانے سے کیسے نکل سکیں ۔

اس کی آواز بہت مدھم ہوگئی ۔

اور عبدالعلی کو ۔ ارغونی فوج کی اس یلغار سے بروقت کیسے متنبہ کر سکیں ۔

میریہ کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا ۔ اس کی —— خوبصورت لانبی آنکھیں عجیب طرح پھٹ گئیں

شہزادی ہلینا نے اسے سینہ سے لگا لیا اور سینہ سے لگائے لگائے کمرہ
میں آن پہنچیں اپنا لباس بھی تبدیل کیا۔ ہیرو کا بھی۔ وہ دونوں جب باہر نکلیں تو
ارغونی سپاہی معلوم ہو رہی تھیں۔ اور پھر جب وہ تیز تیز بھاگتی ہوئی اصطبل تک آئیں
اور گھوڑے کھول کر ان پر چڑھیں تو کسی بھی سپاہیوں کو یہ گمان نہیں ہوا کہ وہ سپاہی
نہیں بلکہ شہزادیاں تھیں۔ اور یہ نیک شہزادیاں کچھ اس طرح اڑتی دریا کے
ادھر کی طرف بڑھ رہی تھیں جیسے ساری خدائی ان کے پیچھے دوڑ رہی ہے

باب ۲۳

آج شب دریائے ابرہ کے کنارے بائیس ہزار عامری. کچھ اس انداز سے جشن مسرت منا رہے تھے. جیسے ان کے تاجدار کی آج تاج پوشی تھی یا جیسے ان کا امیر ساری خدائی جیت کر آئی ہے ۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تھی. عبدالعلی نے کئی دن سے کوئی یلغار نہیں کی تھی البتہ سرقسطہ کی سفارت سر شام واپس آئی تھی اور بزرگ عبدالالہ المنظہر کی طرف سے عبدالعلی کے لئے کچھ تحائف لایا تھا۔ حالانکہ یہ تحائف بہت معمولی تھے. لیکن بزرگ عبدالالہ نے دریائے ابرہ کے کنارے ہر سو الاؤ جلا کر اور اپنی ساری سپاہ اور اپنے سارے ہم قبیلہ عامریوں کو مدعو کرکے نہ صرف انہیں یہ تحائف دکھانا ضروری جانا ۔ وہ ایک ماہر خطیب کے سے انداز میں اپنی سفارت کی کامیابی اور نبرہ کے مال غنیمت اور شہزادیوں کی سرقسطہ میں نمائش کا آنکھوں دیکھا حال سپاہیوں کی ایک ایک ٹولی اور ایک ایک گروہ کو سنا نا پھر رہا تھا اور یہ اس کی معجز بیانی تھی کہ ہر سو جلتے الاؤ کے گرد جمع عامری گوشت کے لوتھڑوں

کو اپنے تیز دانتوں سے کاٹنے بار بار اس سے شور مچا مچا کر درخواست کر رہے تھے۔

بابا عبد الالہ۔ آپ نے ہم سے جو روئداد کہی وہ تو بہت مختصر تھی لیکن ہمارے ہمسایہ آلاؤ پر کھڑے ہو کر آپ نے بہت لمبا بیان دیا ہے۔ ہماری یہ حق تلفی کیوں کی۔

بزرگ عبد الالہ کی حالت آج بالکل ایک شرابی کی تھی۔ وہ گو اپنے نوجوان سپاہیوں کی اس "طلب" کے معنی خوب جانتا تھا لیکن بڑے تناؤ کیسا تھ اپنی لانبی داڑھی پر ہاتھ پھیرتا ان میں آ پہنچا اور یہ حکایت لذیذ بڑے پھیلاؤ کیساتھ دہرانے لگتا۔ اس کی آواز کئی گھنٹوں مسلسل بولتے رہنے سے بری طرح تھک گئی تھی مگر اس نے داستان گوئی کا مشغلہ اس وقت تک ترک نہیں کیا۔ جب تک مرجانہ نے ایک دم زنانہ خیمہ گاہ سے نکل کر وہ قصیدہ پڑھنا شروع نہیں کر دیا جسے وہ کئی دن اور کئی راتوں کی محنت کے بعد آج شام ہی مکمل کر سکی تھی یہ قصیدہ ۶۲ اشعار پر مشتمل تھا۔ ظالم مرجانہ نے اس میں دریائے ابرہ کے کنارے آباد عامری بستیوں کی پوری تاریخ کو شعر کا جامہ پہنا دیا تھا۔ اور پہلے عامری شیوخ کی تعریف کرتی عبد العلی تک آئی تھی۔

وہ نہ رقاصہ تھی اور نہ خطیبہ وہ اپنے اشعار بڑے ٹھہراؤ کے ساتھ پڑھتی کبھی کبھی ثانی مصرعہ کو دہراتی۔ ایک ایک الاؤ کے قریب سے گزرتی اس آلاؤ تک آن پہنچی تھی۔ جہاں عبد العلی اس کی بہن رضیہ نائب سپہ سالار عبد الغنی اور اس کی بہن فاخرہ تشریف فرما تھیں۔ اس نے عبد العلی کے متعلق بارہ شعر رقم کیے تھے اور ابھی سات شعر پڑھنے پائی تھی کہ دریا کے کنارے کنارے بھاگتے چار سوار ایک دم

عبدالعلی تک پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نوشیخ شہاب سرحدی سپہ سالار تھے اور دوسرا ان کا نائب کافور تھا اور ان کے ساتھ ارغونی سپاہیوں کے لباس میں ملبوس شہزادی ہلینا اور شہزادی ببریہ تھیں۔ مگر دونوں نے اپنی قلب ہیئت کچھ اس انداز سے کر رکھی تھی کہ عبدالعلی تو عبدالعلی تھا۔ رضیہ تک انہیں نہیں پہچان سکی۔ اور انہیں دشمن سپاہی سمجھ کر رضیہ نے ایک دم اپنا چہرہ اپنی اوڑھنی میں چھپا ارغونی سپاہیوں نے اپنے منہ پیچھے کو کر لئے۔

عبدالعلی نے پاؤں بجائے اور شہاب کو ڈانٹا۔

سیخ شہاب جب غیر قوم کے سپاہی ساتھ لائے تھے آپ تو ہمارے آلاؤ پہ حاضری کے وقت پہلے سے اذن کیوں نہیں مانگا۔

شہاب نے بڑے ادب سے سلامی دی سر کو خم کیا اور معذرت کی۔

ہم دونوں سخت شرمندہ ہیں عالی جاہ! لیکن ان ارغونی سپاہیوں میں ایک کے پاس آپ کے بابا۔ اعلیٰ حضرت حسین مرحوم کی وہ انگوٹھی ہے۔ جو کہ وزارت اعظمیٰ کے دنوں میں وہ اکثر پہنا کرتے تھے۔

عبدالعلی کا چہرہ ایک دم دمک اٹھا۔ اس کی آواز پہ تیزی سے اس سمت بھاگے معبدالاکی آواز چڑھ گئی۔

تم کو غلط فہمی ہو رہی ہے سپہ سالار شہاب یہ انگوٹھی تو اعلیٰ حضرت نے قاضی القضاۃ ابوالعباس کے بیان کے مطابق شہزادی ہلینا کو اس رات عطا فرمائی تھی جس رات وہ اسے اغوا کر کے خاص معلیٰ میں لائے تھے۔ یہ کوئی مصنوعی انگوٹھی ہوگی جسے تم نے ارغونی سپاہی کے پاس دیکھا ہے

اور یہ ارغونی سپاہی کوئی بہت بڑا دھوکہ باز معلوم ہوتا ہے۔

یہ کہتے کہتے بزرگ عبدالالہ سپہ سالار شہاب کے پاس آن پہنچا۔ اور اس ارغونی نے جسے عبدالالہ نے کوئی بہت بڑا دھوکہ باز ٹھیرایا تھا۔ ایک دم اپنا چہرہ اس سے متوازی کر دیا۔ عبدالالہ نے سکتے کے عالم میں اسے ایک لمحے تک دیکھا پھر ایک دم اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک دیئے۔ اور حیران مضطرب مجمع کی نگاہ ان زمین پر گھٹنے ٹیکے عبدالالہ نے ارغونی سپاہی کا دامن اپنی آنکھوں سے لگا لیا اور بہت ہولے سے جیسے وہ رو رہا تھا کہنے لگا۔

میری زبان پر جو گستاخانہ بات آگئی تھی۔ علیا حضرت اس سے میرا مقصد آپ کی اہانت نہیں تھی آپ ہم تک یوں چل کر آئیں گی۔ مجھے اس کا علم ہو جاتا تو میں آپ کے راستے میں پھول ہی پھول بکھیر دیتا۔

اس نے یہ کہہ کر عبدالعلی کی طرف دیکھا جو بت بنا کھڑا تھا۔ اور حکم دیا۔

میری طرح آپ بھی گھٹنے ٹیک دیں۔ آقا کہ جن کی تلاش میں ہم نے نبرہ کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ وہ آپ ہی آپ خوشی کی اس گھڑی میں یہاں آن پہنچی ہیں۔

مگر عبدالعلی نے گھٹنے نہیں ٹیکے جوں کا توں کھڑا رہا۔ البتہ رضیہ نے بانہیں پھیلا کر شہزادی ہلینا کے گلے میں ڈال دیں اور بہت ہولے سے کہنے لگی۔

میں بخدا آپ کو پہلی نظر میں پہچان نہ سکی تھی آپ نے خوب ہیئت بدلی ہے۔

شہزادی ہلینا نے رضیہ کی پیشانی چوم لی اور عبدالعلی نے نہ جانے کیوں

منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ شہزادی ہلینا نے اس پر نگاہ اچھالی اور بہت ہولے سے کہنے لگی۔

میں سمجھ گئی ہوں عبدالعلی کہ تم نے یہ روگردانی کیوں اختیار کی ہے۔ مگر اس لمحے وضاحت کی فرصت باقی نہیں رہی۔

اس نے اپنا ہاتھ عبدالعلی کے کندھے پر ٹکا دیا اور اپنا منہ پہلے سے اور زیادہ قریب کر لیا۔

بادشاہ ارغون نوّے ہزار جرّار سپاہ کی قیادت کرتا سرقسطہ کی طرف چل پڑا ہے۔

عبدالعلی نے ایک دم منہ اس سمت کر لیا اور عجیب پاگل پن کے ساتھ چیخا۔

آپ ہمیں بالکل اسی طرح دھوکہ دینا چاہ رہی ہیں جیسے ہمارے بابا کو دس سال پہلے دیا تھا۔

اس کے کندھے پر رکھا شہزادی ہلینا کا ہاتھ بری طرح کانپ گیا۔ اس نے اپنا یہ کانپتا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ لیا۔ عبدالعلی کی آنکھوں میں جھانکا اور اسے ایسا لگا جیسے عبدالعلی کی آنکھیں ایک دم اس کی اپنی آنکھوں میں تبدیل ہو گئی ہیں اس نے اندرونی اضطراب سے گھبرا کر اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور پہلے ہی کی طرح اپنے آگے دو زانو جھکے عبدالاله سے التجا کی۔

بزرگ عبدالاله۔ مجھ میں اس نوجوان سے الجھنے کی سکت بالکل نہیں ہے۔

اس کی آواز کانپ گئی

وقت بہت کم ہے۔ ایک ایک گھڑی قیامت کے برابر ہے۔ اس سے کہو مجھ سے الجھنے کی بجائے ڈوبتے وطن کو تیرانے کی کوشش کر دیکھے۔ پہلے ہی ہمیں اس تک آتے بہت دیر ہو چکی ہے۔ ہم جب ارغونہ سے چلی تھیں تو دوپہر تھی اور اس وقت آدھی رات گزر چکی ہے اگر اس نے بروقت سرقسطہ کی مدد نہیں کی تو سرقسطہ کا وجود صفحۂ عالم سے مٹ جائے گا اور اسے اپنے باپ کے حضور جواب دہ ہونا پڑے گا۔

یہ کہتے کہتے شہزادی ہلینا نے اپنی مٹھیاں بڑے غصہ کے ساتھ بھینچ لیں اس نے اپنا منہ عبدالعلی کی طرف کر لیا اور اس کی آواز بہت اونچی ہو گئی۔

لڑکے تم نے اپنے باپ کی ایک باندی پر بد اعتمادی کر کے اپنے باپ کی روح کو صدمہ پہنچانے کی گستاخی کی ہے۔

عبدالعلی نے بڑے غصہ کے ساتھ پاؤں بجائے اور گرجا۔

تم میرے باپ کا نام اپنی زبان پر نہیں لاؤ اس کی روح کا واسطہ نہیں دو۔ مجھے اپنے باپ کا بھی احترام ہے اور تمہارا بھی۔

اس نے اپنا ہاتھ سامنے کی طرف اٹھایا اور دور دور تک جلتے الاؤں کی طرف دیکھ کر بات پوری کی۔

لیکن مجھے ان جلتے الاؤں کی آنچ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ میں کسی محبت اور کسی احترام کی خاطر اس آنچ کو کم ہونے نہیں دے سکتا۔ اور میری فوج اس وقت تک اپنے ٹھکانوں سے جدا نہیں ہو سکتی جب تک میرے اپنے مخبر مجھے دشمن کی پیش قدمی کی خبر نہیں دیں گے۔

اس نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ رضیبہ کی سمت دیکھا۔

رضیبہ! تم اپنی عیسائی ماں کو جو دس سال ہوئے تمہارے اور میرے باپ کو دھوکہ دے کر اس ملک سے نکل گئی تھی اور اس ملک کی غلامی پر مہر لگا گئی تھی۔ اس کا پورا احترام دو۔

شہزادی ہلینا بڑبڑائی۔

میں صرف تمہارے باپ کی ایک باندی ہوں اور کچھ بھی نہیں ہوں عبدالعلی۔

عبدالعلی کی گرجتی آواز اس کی آواز پر چڑھ گئی۔

جھوٹ نہیں بولو۔ شہزادی ہلینا۔ اب تم ہمیں زیادہ فریب نہیں دے سکتیں۔

اس نے اپنا سر جھٹکا اور رضیبہ سے خطاب کیا۔

اپنی ماں کو اپنی خیمہ گاہ میں لے جاؤ اور اسے اچھی طرح سمجھا دو۔ اس نے ہمارے باپ کو دس سال پہلے دھوکہ دے کر نبرہ کا غلام یقیناً بنا دیا تھا۔ لیکن ہم اس کے دھوکہ میں آنے کیلئے قطعاً تیار نہیں ہیں یہ کہہ کر اس نے بڑے غصہ سے منہ موڑا اور ایک وحشی کے سے انداز میں آگے کو اچھلتا سپہ سالار شہاب سے مخاطب ہوا۔

اپنے جاسوسوں کو اسی گھڑی ارغون کی سرحد کی طرف دوڑا دو اور ان سے کہو۔ سحر کی روشنی پھوٹنے سے پہلے ہم تک واپس آجائیں۔

پھر اس نے مرجانہ کی طرف دیکھا جو چراغ اٹھائے کھڑی تھی اور حکم دیا۔

لڑکی اپنا قصیدہ جاری رکھو۔ ہماری جھاونی کے جلتے الاؤ۔ تمہاری ہم زبانی کا شرف پانے کیلئے تڑپ رہے ہیں۔ تمہاری آواز مر جانے سے ان کی آواز بری طرح دھیمی پڑ گئی تھی۔

مرجانہ نہ جانے کیا شئے تھی اس قدر عجیب ڈرامے کے بعد بھی مرجھائی نہ تھی اس نے پھر سے قصیدہ گانا شروع کر دیا۔ اور جلتے الاؤ کے آس پاس جمع عامری پھر سے پہلے سے شغل میں لگ گئے اور ہر سو جلتے الاؤ کی آنچ پہلے سے کہیں فزوں ہو گئی گو مرجانہ کے گانے کی آواز چل رہی تھی اور ہر شئے پہلے ایسی شکل اختیار کر گئی تھی مگر بوڑھے عبدالالہ کے حواس بری طرح مختل تھے۔ عبدالعلی نے شہزادی ہلینا کے ساتھ یہ جو سلوک کیا تھا۔ اس سے اس کے دل میں ہولناک طوفان اٹھ رہے تھے اس کا جی کیا رہا تھا کہ اپنی سفید داڑھی کا ایک ایک بال نوچ لے اور پر بال نوچ نوچ کر عبدالعلی پر پھینکتا اور اس سے پوچھتا۔

تو نے عبدالعلی اس عظیم عورت کا دل کیوں توڑا ہے۔ جسے تمہارا باپ معبودوں کی حد تک چاہتا تھا۔ جو نہ جانے کن دشواریوں سے گزر کر تم تک آئی اور تم سے اپنی قوم کی چغلی کھائی۔

یہی بات سسکیاں بھرتی شہزادی ہلینا اپنے سینے سے لگی رضیہ سے کہہ رہی تھی مگر اس کے الفاظ اور نغمے اس کی آواز کانپ رہی تھی اور وہ رضیہ سے پوچھ رہی تھی۔

رضیہ تمہارے اس بھائی نے مجھ پر یہ الزام کیسے لگا دیا کہ میں نے اس کے باپ کو دھوکہ دیا تھا۔ اور اب بھی اسے یا دھوکہ دینے آئی ہوں۔ اس کی کاٹنی آواز پر

شہزادی میریہ کی آواز چڑھ گئی ۔

آپ نے اس بات کی تردید تو ضروری جانی ہے پھوپھی لیکن یہ الزام کیسے تسلیم کر لیا ہے کہ آپ اس کی اور رضیہ کی ماں ہیں جس سے آپ لپٹی ہوئی ہیں ۔

شہزادی میریہ عجیب طرح پاؤں بجاتی ہوئی آگے بڑھی اور بات جاری رکھی ۔

اگر آپ ان دونوں کی ماں تھیں تو آپ نے اتنی بڑی بات مجھ سے کیوں چھپائی تھی ۔

اس کی آواز پھٹ گئی ۔

اب میں سمجھی آپ مجھے عبدالعلی کی بیوی بنانے پر کیوں مصر تھیں ۔

اور آپ نے مجھے شہزادی زہبہ کی جگہ دینی کیوں چاہی تھی ۔

شہزادی ہلینا نے ایک دم رضیہ کو چھوڑ دیا ۔ اور آگے بڑھتی میریہ کو دونوں کندھوں سے پکڑ لیا اور بڑبڑائی ۔

لڑکی تو بالکل غلط سمجھی ہے شہزادی زہبہ کی جگہ میں نے تجھے اس لئے دینا چاہی تھی ۔ میں تو چاہ رہی تھی ۔ عبدالعلی اور تیرے نکاح سے نبرہ کو عبدالعلی کا سہارا مل جائے اور عبدالعلی کو نبرہ کا ۔ لیکن اب تو بات ہی بدل گئی ہے ۔ اب تو عبدالعلی کسی سہارے کا محتاج نہیں رہا ۔

میریہ چیخی ۔

تبھی آپ نے ۔ ارغونہ کی مجزی عبدالعلی سے کھانا ضروری جانی ۔ تبھی آپ

نے چاہا نبرہ کے زوال کا انتقام لینے والے ارغوز کا بھی وہی حال ہو جو نبرہ کا ہوا ہے۔

آپ نے شبیر کے کچھاڑ میں پہنچکر اسے گیدڑوں کے ٹکڑوں کے مجنخ ہو جانے کی خبر کیا اسی لئے دی ہے کہ آپ اس کی ماں ہیں۔ وہ آگے بڑھ آئی اور اس کی آواز بہت اونچی ہو گئی۔

آپ کے بارے میں عبدالعلی نے بڑی غلط رائے قائم کی ہے۔ بخدا آپ اپنے مرحوم شوہر اور اپنی اس اولاد کی محبت کے آگے۔ وطن اور قوم کو کوئی حیثیت نہیں دیتیں۔ آپ نے جب مجھے عبدالعلی سے بیاہنا چاہا۔ اس وقت بھی آپ کو عبدالعلی کا مفاد عزیز تھا اور اب بھی آپ اس کی خاطر یہاں بھاگی آئی ہیں۔ نیز یہی نہ آپ کو پہلے خبر تھی نہ اب ہے۔ پہلے بھی آپ مجھے قربانی کا بکرا بنا رہی تھیں اور اب بھی آپ کا یہی ارادہ ہے۔

اس نے پاگلوں کی طرح دانت پیسے پاؤں بجائے اور بات جاری رکھی۔

خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ میں اس مغرور عبدالعلی کو کبھی اپنا شوہر بنانے کو تیار نہیں ہونگی۔ جو دلوں کی دھڑکنیں سننے کا عادی نہیں ہے۔ جو خلوص کو نہیں دیکھتا جو چہروں پر چھائی زردی سے دل کا راز پا لینے کی تکلیف نہیں اٹھاتا۔

جسے اپنی طاقت پر بلاوجہ گھمنڈ ہے جو اتنا مغرور ہے کہ گھر آئے مہمانوں کو ٹھکرا کر اپنی حقیر باندیوں کے گانے کا تسلسل ٹوٹنا ناگوار نہیں کر سکتا۔

اس کی آواز پر مرجانہ کی آواز چڑھ گئی۔

آپ نے ہمارے بارے میں بالکل غلط رائے قائم کی ہے۔ اجنبی شہزادی

عبدالعلی زور سے کھنکھارا۔

صرف تمہارے بارے میں ہی نہیں۔ ولی عہد شہزادی میریہ نے ہمارے متعلق بھی بہت غلط رائے قائم کی ہے۔

ہم نے اسے قطعاً پہچانا نہیں تھا۔ ہم اسے اپنی ماں شہزادی ہلینا کا کوئی پاسبان سمجھے تھے۔

وہ یہ کہتے کہتے آگے بڑھ آیا۔ وہ سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں غرق تھا دہری تلواریں کمر سے باندھ رکھی تھیں۔ زرکش کندھے سے لٹکائے تھا۔ اس نے ایک سپاہی کے سے انداز میں انہیں سلامی دی۔ خود پہنے سر کو شہزادی ہلینا کے حضور جھکایا۔ اور بہت ہولے سے کہنے لگا۔

بزرگ ماں! ہم نے آپ کے حضور جو گستاخی کی جان بوجھ کر کی۔ محض آپ کے دل کو تکلیف پہنچانی چاہی۔ ورنہ ہمیں آپ کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف پہ پورا یقین آ گیا تھا۔

ہمیں آپ کی وفاداری پر بھی کوئی شبہ نہیں تھا۔ ہم نے ہوا میں تیر چلائے تھے اور یہ تیر محض اس لئے چلائے تھے۔ کہ آپ کو احساس دلا سکیں کہ آپ نے اب تک ہمارے باپ اور اپنے تعلق کو چھپا کر۔ ہم پہ بہت زیادتی کی ہے۔

شہزادی ہلینا ایک دم چیخ اٹھی۔

میں نے عبدالعلی اپنے اور تمہارے باپ سے متعلق تم سے کوئی بات نہیں چھپائی وہ میرے بزرگ آقا تھے اور میں ان کی حقیر باندی تھی اس کے سوا میرا اور ان کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔

عبدالعلی نے زور سے پاؤں بجایا۔ سلامی اور سر جھکتا ہوا بولا۔
کوئی بات نہیں ماں۔ ہم آپ سے الجھیں گے نہیں۔ پر وقت تھوڑا ہے۔
ہماری ساری سپاہ سوار ہو چکی ہے۔ ہم صرف آپ کو سلامی دینے آئے تھے۔
اس نے یہ کہہ کر منہ موڑا۔ شہزادی ہلینا چیخی۔
عبدالعلی۔ میری صرف ایک بات سن لو۔
اس نے منہ گھمایا۔
ہم آپ کی ایک نہیں ہزار باتیں واپسی پر سنیں گے۔ اگر سرخرو ہو کر آئے
نہیں تو ہماری گستاخی معاف کر دینا۔ اور رہا باسے ہماری کوئی شکایت نہیں کرنا۔ اور
ان سے یہ نہ کہنا کہ ہم نے اپنی خودغرضی کی خاطر ان کے اور آپ کے چہروں سے
نقاب الٹنے کی کوشش کی تھی۔
اس نے ایک بار اور پاؤں بجائے۔ ہلینا بری طرح چیخی۔
بخدا عبدالعلی تمہارے باپ سے میرا غلامی کے سوا کوئی دوسرا رشتہ
نہیں تھا۔
عبدالعلی نے وحشیوں کی طرح اچھل کر اپنے گھوڑے پہ چڑھا۔ شہزادی
ہلینا عبدالعلی عبدالعلی پکارتی گئی۔ مگر عبدالعلی نے منہ نہیں گھمایا۔ گھوڑے کو آگے
بڑھا لیا۔
عبدالعلی عبدالعلی کی چیخیں اسے برابر سنائی دے رہی تھیں۔ مگر وہ
اپنے گھوڑے کو بڑے وحشیانہ انداز میں دوڑاتا۔ اپنی اس سپاہ
سے جا ملا تھا۔ جو دریائے ابرہ کے کنارے کھڑی اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ وہ اس تک

تک پہنچا۔ تو ہوا شعلوں کا رنگ اختیار کر گئی۔ الاؤ پہلے سے زیادہ تیزی
سے جلنے لگے۔ اور دریائے ابرہ کا کنارہ اس طرح گونجنے لگا۔ جیسے
ہر سو طوفان ہی طوفان لہر گئے تھے۔

ملکہ عالیہ نوزیہ نے۔ اپنے سنہرے بالوں کی لٹیں کی لیٹیں نوچ ڈالیں، چہرہ پر اپنے ناخنوں سے خراشیں ڈال لیں اور پاگلوں کی طرح اپنی مٹھیاں سنہری جالی پر مارتی ہوئی چیخی۔

اسی روز بد سے بچنے کی خاطر تو احمق ذہبہ۔ میں نے عیسائی سفارت سے معاہدہ کر لینا چاہ تھا۔ مگر تم نے یہ معاہدہ پھاڑ ڈالا۔

وہ گھومی المنظہر کی طرف دیکھا۔

اگر تمہارے ہاتھ سلامت ہوتے تو تم تلوار اٹھا سکتے۔ اگر تمہارے پاؤں سلامت ہوتے اور تم گھوڑے کی رکابوں کو قابو میں رکھ سکتے تو میں تمہیں گھوڑے پر سوار ہو جانے دیتی۔ لیکن اب لیکن اب۔

اس نے اپنے پاؤں فرش پر بجائے۔ اور لیکن اب۔ لیکن اب کی گردان کرنے لگی۔

اس کی آواز پر داروغہ محل کی آواز چڑھ گئی۔

سید عالم۔ قاضی القضاۃ ابوالعباس بڑی بے چینی سے اعلیٰ حضرت کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے اگر اب بھی اعلیٰ حضرت کی سواری میدان جنگ میں پہنچ جائے تو بدحواس سپاہ اب بھی میدان جنگ میں روکی جا سکتی ہے۔

ورنہ۔ اگر ایک بار سپاہ کے پاؤں اکھڑ گئے تو یہ پھر جم نہیں سکیں گے۔ اس بار اگر غلامی سر تسلط کے حصہ میں آئی۔ تو یہ پہلی غلامی سے ہزار گناہ زیادہ رسوا کن ہوگی۔ ہماری ساری عورتیں باندیاں بنائی جائیں گی۔ اور ہمارے سارے بچے۔ مغرب کی منڈیوں میں غلام بن کر بکیں گے۔

شہزادی زہبہ نے ایک دم اسے ٹوک دیا۔

زبان پر یہ منحوس کلمات نہیں لاؤ داروغہ محل، شاہی رکھ دروازے پر لے آؤ۔ ہم بادشاہ سلامت کے ہاتھ اور پاؤں بن کر۔ ان کے ہم راہ ہوں گی۔

ہم ان کی سواری کی باگیں پکڑیں گی اور ان کی طرف سے تلوار چلائیں گی۔

فوزیہ عالیہ کی کڑکتی آواز اس کی آواز پر غالب آگئی۔

تاکہ تم بھی ماری جاؤ اور اعلیٰ حضرت بھی شہادت پا جائیں۔

تمہاری موت پر تو شاید کوئی رونے والا نہیں ہو زہبہ لیکن اعلیٰ حضرت

کی موت ہم سے بالکل برداشت نہیں ہوگی۔

شہزادی ذہبہ نے اسی طرح پاؤں بجلائے۔ اعلیٰ حضرت المنظہر کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور انہیں اپنے جسم کا سہارا دیتی سیڑھیاں اتارنے لگی۔

فوزیہ چیخی:۔

ذہبہ۔

ذہبہ نے اس کی چیخ کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ المنظہر کو بازوؤں میں لئے سیڑھیاں اتار لائی اور داروغہ محل کو پکارا۔

رتھ آگے لے آؤ۔ اور اس پر خدا کا وہ جھنڈا نصب کر دو جسے عبدالعلی عوامی احتجاج کے وقت یہاں چھوڑ گئے تھے۔

شہزادی فوزیہ چیخی۔

اس کم بخت کا نام نہیں لو یہ ساری تباہی اسی کی اٹھائی ہوئی ہے۔ وہ اگر خود غرضی سے کام نہیں لیتا تو آج ہم پر یہ وقت کیوں آتا

ذہبہ نے سر گھمایا۔ اور بڑے غصہ سے فوزیہ کو دیکھا۔ المنظہر نے شاید اس کی غصہ بھری نگاہ پہچان لی تھی۔ بہت ہولے سے سرگوشی کی۔

اسے معاف کر دو ذہبہ۔ وہ ہوش و حواس کھو چکی ہے

فوزیہ سچ مچ ہوش و حواس کھو چکی تھی وہ اپنا چہرہ بری طرح نوچنے لگی تھی۔

اگر شمینہ آگے بڑھ کر اسے اپنے بازوؤں میں نہ لیتی تو وہ اپنی آنکھوں کو چھید لیتی۔

ذہبہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر۔ المظہر کو رتھ میں بیٹھایا۔ اور بر کو اچپلی سائس کی جگہ لے لی۔ اور گھوڑے کی باگیں ہاتھ میں لے کر آگے کو پھیری۔

قاضی القضاۃ ابوالعباس اور ان کے ساتھیوں کی سواریاں ان کے پیچھے لگ گئیں۔

خانقاہ کا سیاہ جھنڈا الہراقی ذہبہ شاہی رتھ کو ہانکتی جس وقت بڑے دروازے سے نکل کر میدان جنگ میں داخل ہوئی تو اسلامی میسرہ بالکل ٹوٹ چکا تھا۔ اور گربنالڈ ڈیوک اربولا اپنے میسرا کو اسلامی لشکر پر چڑھاتا کتنا آگے بڑھ آیا تھا۔

یہ خانقاہ کے سیاہ جھنڈے نے سر قسطلی عوام میں غیر معمولی ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ بادشاہی رتھ شہر کے سارے قاضیوں کی سواریوں کے آگے آگے چلتی قلب میں آن پہنچی تھی کہ منتشر صفیں پھر سے جم گئیں۔

آگے کو بڑھنے از فونش نے رتھ چھوڑ دیا۔ گھوڑے پر چڑھ گیا۔ اور اپنے قلب کے ہر سپاہی کو آواز دی

دشمن صفیں پھر سے جم گئی ہیں۔ ذرا ان پر ارغونی تلواریں لہرادو۔

بادشاہ کی سواری آگے کو بڑھی تو قلب کی ہر صف آگے کو اچپلی اور کچھ اس طرح معرکہ کارزار گرم ہوا کہ ہوا تک تھم گئی۔

صبح سے دوپہر ہو گئی اور دوپہر سے عصر کا وقت آن پہنچا لیکن نہ اسلامی صفوں میں کوئی انتشار پیدا ہوا نہ ارغونی صفیں ہی بکھری۔

بوڑھا ازنولنش بار بار اپنی محافظ سپاہ کے ساتھ ساتھ چلتا۔ اسلامی قلب تک آتا اور بادشاہ سرقسطہ المنظہر کو آواز دیتا۔

بادشاہ المنظہر۔ تمہیں شاید یاد نہیں ہو۔ ہم ایک بار پہلے بھی تمہارے باپ کی زندگی میں تمہاری قوم سے ٹھیک اسی جگہ نبرد آزما ہوئے تھے۔ اس وقت بھی ہماری خواہش تھی۔ سرقسطہ کا مسلمان بادشاہ ہمارے سامنے نمودار ہو اور ہم اس سے دو دو ہاتھ کریں آج بھی ہماری خواہش یہی ہے۔

وہ یہ کہہ کر سواری کو آگے بڑھاتا لیکن قاضی القضاۃ العباس اپنے کئی سو قاضیوں پر مشتمل صفیں اس میں اور بادشاہ کے رتھ میں حائل کر دیتے اور بادشاہ ازفونش کو پیچھے ہٹ جانا پڑتا۔

گرینڈ ڈیوک اریولہ نے پھر سے ہمت کر کے اسلامی میسرہ کو الٹ ڈالا وہ میمنہ کی صفیں میسرہ میں ملا کر کچھ اس تیزی سے اسلامی قلب پر چڑھا کہ قاضیوں کی صفیں الٹ گئیں۔ اور گرینڈ ڈیوک آف اریولہ کی سواری بادشاہ المنظہر کے رتھ تک پہنچ گئی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا نیزہ پوری قوت سے رتھ کو کھینچنے گھوڑے کے سینے میں پیوست کر دیا۔ ذہبہ نے بجلی ایسی تیزی سے علم اپنے پیچھے بیٹھے المنظہر کی طرف بڑھا دیا نیزہ اچک لیا اور کچھ اس تناؤ سے ڈا آگے کو جھک کر ڈیوک اریولہ پر حملہ آور ہوئی کہ ڈیوک گھوڑے سے اوندھے منہ گرا۔ بادشاہ ازفونش نے اس کی جگہ لے لی۔ اور چیخا۔

اچھا ہوا مسلمان بادشاہ۔ تم نے ہمیں دو بدو لڑائی کا موقع بخش دیا ہے۔

وہ دوہری تلواریں چلاتا۔ کبھی رتھ کے اس سمت آتا اور کبھی دوسری سمت۔ وہ جدھر آتا۔ ذہبہ ادھر ہی جھک پڑتی۔ اور کچھ اس انداز سے تلوار چلاتی کہ بوڑھا ازفونش بری طرح چکرا جاتا۔ اور رتھ میں بیٹھے المنظہر کا جی چاہتا کہ اپنی بہن کے دونوں ہاتھ چوم لے اور اس سے کہے۔

سچ مچ تو میرے ہاتھ بن گئی ہے ذہبہ۔

مگر یہ ذہبہ۔ جو اس کے ہاتھ بن گئی تھی۔ اچانک زخمی ہو گئی المنظہر نے اس کے دائیں بازو سے خون ٹپکتے دیکھا۔ تو ایک دم رتھ کی باگیں اپنے ٹنڈ منڈ ہاتھوں پر لپیٹ لیں اوپر کو اٹھا اور رتھ۔ بڑی ہوش مندی کے ساتھ پیچھے ہٹالی۔

اس کے سوا، وہ ذہبہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ بوڑھا ازفونش گھوڑے کو آگے بڑھا بڑھا کر جب دائیں بازو سے خون ٹپکاتی ذہبہ پر حملہ آور ہوتا اور ذہبہ اس کے وار ڈھال پر لیتی تو المنظہر کے جسم پر اگے رونگٹے تلواروں کی شکل اختیار کر لیتے۔

اس کا جی چاہتا۔ وہ بھی دوہری تلواریں ہاتھوں میں لے لے لیکن وہ بد نصیب تو پاؤں سے بھی محروم تھا۔ وہ تو اپنے سہارے آپ کھڑا بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنی پیٹھ رتھ کے بازو سے لگا رکھی تھی کہ گر نہیں پڑے۔

پھر بادشاہ ازفونش کے ساتھ اس کا نوجوان بیٹا ولیم بھی ملا۔ بوڑھے ازفونش نے بیٹے پر بڑی ہی تفخر نگاہ اچھالی اور بڑے ہی گھمنڈ کے

کے ساتھ للکارا۔

تم بہت اچھے موقع پر آئے ہو۔ ولی عہد۔ شاہی رتھ کو اپنے گھیرے میں لے لو۔ کا زبادشاہ کے ساتھ اس کی ملکہ بھی سوار ہے۔ اور یہ بھی ہم سے الجھ رہی ہے۔ ہم نے اگر اس پر قابو پالیا تو تبرہ کی شہزادیوں اور تمہاری منسوبہ کی قید کا انتقام لے لیں گے۔ ہم بھی اسے ارعونہ کے بازاروں میں نمائش کے لئے پیش کر سکیں گے

ابھی اس کی بات پوری نہیں ہو پائی تھی کہ زہبہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار اس انداز سے اس پر اچھالی کہ اس کے خود سے جا ٹکرائی اس نے سر گھمایا۔ اور زہبہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی نیزے کی انی اس کی زرہ بکتر سے بجا دی گو زرہ بکتر بہت بوجھل تھی۔ لیکن نیزے کی انی اس کی کتنی ہی زنجیریں کاٹتی۔ بوڑھے کی پیٹھ سے جا لگی۔

ولیم نے ایک دم اچھل کر نیزہ بیچ میں سے کاٹ دیا۔ قاضی القضاۃ ابوالعباس اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھ آئے۔ اور ان کی تلواریں زہبہ اور ولیم میں حائل ہو گئیں

ولیم کی محافظ سپاہ بھی یورش کر آئی۔

بوڑھے قاضی صاحب بڑی بہادری سے لڑتے شہادت پا گئے اور مسلمان صفیں المظہر کے رتھ کو گھیرے میں لئے ہوئے ہولے ہولے پیچھے ہٹنے لگیں۔

ذخمی ازفونشں اپنی محافظ سپاہ کی کمان کرتا آگے بڑھتا پوری قوت

سے گر جا۔

ارغونیو! تمہارے لئے یہ مرجانے کا مقام ہوگا۔ اگر تم نے کافر بادشاہ اور اس کی ملکہ کی رتھ ہاتھ سے نکل جانے دی۔

کتنی ہی ارغونی صفیں جھپٹیں اور کتنے ہی ارغونی بہادر گھوڑے دوڑاتے ان مسلمان صفوں پہ لپکے جو شاہی رتھ کو گھیرے میں لئے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہی تھیں۔ ولی عہد ولیم نے بھی اس سمت کا رخ کر لیا۔ دور پیچھے اس دن کا سورج یہ خونی منظر دیکھتا چلا مغرب میں جا چھپا۔ اور شام کے دھندلکے کے بادل ہر سو محیط ہو گئے۔

شاہی رتھ کو گھیرے میں لئے اسلامی صفیں اور پیچھے ہٹ آئیں کہ یکایک سارا میدانِ جنگ اللہ کی بڑائی اور عظمت کے نعروں سے گونج اٹھا۔

سرقسطہ کا جلاوطن عبدالعلی ہوا اور آگ کی سی رفتار سے اپنی سوار سپاہ کی کمان کرتا میدان جنگ میں آن پہنچا۔ اس کے ایک ہاتھ میں مشعل تھی اور اور دوسرے میں کئی گز لمبا سیاہ نیزہ تھا۔ وہ اس نیزے کو لہراتا ارغونی قلب پر ٹوٹ پڑا۔ اور اس نے پہلی صف کو چشم زدن میں الٹتے ہوئے جنگ الیمامہ کے فاتح سیدنا خالدؓ بن ولید کے سے انداز میں بڑی ہی متفخرانہ ہانک لگائی

ہم مولا حسین کے بیٹے عبدالعلی ہیں۔ ہمیں بے حد افسوس ہے کہ ہم ذرا تاخیر سے آئے ہیں۔ اور رات کا دامن پھیل نکلا ہے۔

اس نے اپنے آگے آنے ارغونی سواروں میں اپنا نیزہ اس طرح لہرایا جیسے کہ جادو کی چھڑی لہرا رہا تھا۔ اور اس کی ہانک پھر سنائی دی۔

ہم نے اپنے چہرہ کی پہچان کیلئے مشعل روشن کر رکھی ہے۔ تاکہ اغوز کے بادشاہ ازفونش اور ان کے ولی عہد ہمارا چہرہ اچھی طرح پہچان لیں۔

حالانکہ اس نے صرف بادشاہ ازفونش اور اس کے ولی عہد سے مخاطب کیا تھا۔ ان کو اپنے آپ کو پہچنوانے کی ہانک لگائی تھی۔ لیکن سب سے پہلے اس پر جو نگاہ اٹھی وہ ذہبہ کی نگاہ تھی پھر اس کے جسم سے قریب لٹے امنظہر نے اسے دیکھا دونوں نے اسے آواز دی لیکن وہ شعلہ جوار کے سے انداز میں لہراتا دشمن قلب تک رسائی پا گیا تھا۔ بوڑھے ازفونش نے بڑی گھبراہٹ کے ساتھ اسے آتے دیکھا۔ اور ابھی سنبھل نہیں پایا تھا کہ عبدالعلی کی سواری اس تک پہنچ گئی۔ اس نے ایک ہانک لگائی۔

آپ نے۔ ہم کو خبردار کئے بغیر سرقسطہ کی راہ لے لی۔ بادشاہ ازفونش یہ آپ نے اچھا نہیں کیا تھا۔

بہرحال ہم نے نیزہ ہاتھ سے پھینک دیا ہے۔ اور تلوار سنبھال لی ہے۔ ہم نے سُنا ہے آپ۔ ارغونہ کے سب سے بڑے شمشیر زن ہیں۔ ذرا ہاتھ سنبھال لیجئے گا۔

ازفونش نے ہاتھ سنبھال لیا اور مشعل کی کانپتی روشنی میں۔ بادشاہ ازفونش نے عبدالعلی کا وار بڑی خوبصورتی سے اپنی ڈھال پر لیا اور تلوار لہراتا ہوا بولا۔

اچھا ہوا گستاخ عبدالعلی تمہاری موت تمہیں ہم تک بڑھا لائی ہے۔

عبدالعلی یقیناً گستاخ تھا۔ لیکن اس کی موت اسے بادشاہ ازفونش تک بڑھا نہیں لائی تھی۔ اس نے عبدالعلی کا وار ڈھال پر لینے کی بجائے تلوار کی سیدھی دھار پر روکا یہ اس کی تلوار کی دھار بہت تیز تھی یا تلوار کو تھامے ہاتھ فولاد کا ہاتھ تھا۔ کہ بوڑھے ازفونش کی تلوار بیچ سے دو ٹکڑے ہو گئے۔ عبدالعلی نے بڑی تعلی کے ساتھ اپنی تلوار اس کی سمت اچھال دی۔ اور قہقہہ مارتا ہوا گرجا۔

معلوم ہوتا ہے بادشاہ ازفونش تمہاری تلوار صبح سے اس وقت تک لڑتے لڑتے گہرے دندانے پڑ گئے تھے۔ یہ ہماری تلوار لے لو اور ایک بار اور قسمت آزماؤ۔

آگے کو بڑھتی ذہبیہ جہاں بڑھ رہی تھی وہیں رک گئی اور کچھ اس تفاخر اور تعلی کے ساتھ اس سمت دیکھنے لگی جدھر سے عبدالعلی کی آواز گونجی اس لمحہ وہ محض تماشائی تھی۔ وہی نہیں المظہر بھی تماشائی بن گیا تھا۔ عبدالعلی نے ازفونش کو دی ہوئی دوسری تلوار بھی توڑ ڈالی اور بڑی رعونت کے ساتھ اس پر اپنی کمند اچھال دی اور اسے جکڑ لیا اور اس کی آواز ایک بار اور سنائی پڑی مگر اس وقت وہ بادشاہ ازفونش کو نہیں بزرگ عبدالالہ کو پکار رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔

بزرگ عبدالالہ ارغونی سپاہ کو خبردار کر دو۔ ہم نے اس کے بادشاہ ازفونش کو دو موقع دینے کے بعد اپنی کمند میں جکڑ لیا ہے۔ کہ سرقسطہ کے بازاروں میں کل اس کی بھی نمائش کی جا سکے۔

ذہبیہ کو ایسا لگا جیسے عبدالعلی نے یہ بانگ لگا کر ساری خدائی پر فتح پالی

ہے ۔ وہ اپنے زخم بھول گئی اور اس نے اپنے جسم سے لگے اپنی طرح زخمی المظہر کے گلے میں باہیں ڈال دیں جیسے یہ میدان جنگ نہیں تھا ۔ وہ شاہی جھروکے میں کھڑی یہ دلچسپ تماشہ دیکھ رہی تھی ۔

لیکن یہ شاہی جھروکہ نہیں تھا میدان جنگ تھا ۔ اور اس میں ایک لمحہ کی غفلت بھی قابل معافی نہ تھی اور شہزادہ ولیم تو کبھی سے اس کی ناک میں تھا ۔ ادھر بوڑھا بادشاہ ازتونتش عبدالعلی کی کمند میں لپٹا ۔ عبدالعلی کے گھوڑے پر کھنچا ۔ ادھر ولی عہد شہزادہ ولیم نے شہزادی ذہبہ کے رتھ پر چھاپا مارا ۔

بزرگ عبدالالہ کی آواز ڈھول کی طرح بجتی ۔ پوری ارغونی صفوں میں سے لہراتی سنائی پڑی ۔

ارغونیو ! تمہارا بادشاہ گرفتار کر لیا گیا ہے ۔ اب مدافعت فضول ہے بھاگنا چاہو ۔ تو بھاگ لو ۔ اندھیرا تمہارا پردہ پوش بن گیا ہے ۔

مگر ارغونی بھاگنے کیلئے نہیں آئے تھے ان کی صفیں سیسہ پلائی دیواروں کی طرح جمی تھیں ۔ اور ولی عہد ولیم نے تو المظہر کو موت کے سپرد کرنے کے بعد شہزادی ذہبہ کو گرفتار کر کے کوئی گھاٹے کا سودا نہیں کیا تھا ۔ وہ بڑی لیے پروائی کے ساتھ اسے اپنے بازوؤں میں پکڑے گھوڑے کو بے تحاشہ دوڑاتا عقب میں جا پہنچا ۔ اور شہزادی کو ایک بہت ہی قیمتی بوجھ کی طرح واد غر عقب کے سپرد کرتے ہوئے سرگوشی کی ۔

اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرو اور اسے اس طرح محفوظ کر لو کہ اس تک

ہوا بھی نہیں پہنچنے پائے ۔ ہم میدان جنگ میں لوٹ رہے ہیں ۔
عبدالعلی نے نئی ہانک لگائی ۔
رات کی تاریکی حد سے بڑھتی جا رہی ہے ۔ ساتھیو ! مشعلیں جلا لو تاکہ تمہارے ساتھ بھی بے انصافی نہ ہو اور ارغونی سپاہ بھی شکایت بھی نہ کر سکیں ۔

عبدالعلی کی یہ ایک بڑی سیاسی چال تھی اس کے حکم کی اتباع میں اس کے ساتھ آئے ہوئے ایک ایک سوار نے مشعل روشن کر لی اور لڑتی ارغونی صفوں نے اب ٹھیک ٹھیک جانا ۔ عبدالعلی کے ساتھ کس قدر سپاہ تھی اور یہ سپاہ جاتی مشعلیں ہاتھوں میں لئے ۔ ارغونی صفوں میں سے اس طرح تیر رہی تھی جیسے تڑاپتی موجیں ۔ سطح آب پر تیرتی ہیں ۔
شاہی محل کی سنہری جالیوں سے لگے حسین چہرے ۔ ان جلتی مشعلوں سے کچھ عجیب لطف لے رہے تھے ۔ جنتی کے نیدی ملکہ ورجلینا شہزادی ایوا ۔ شہزادی ببرہ اپنے سامنے ہونے اس تماشے کو اس دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں جیسے آتش بازی چھوٹ رہی تھی ۔ ان سب کی توجہ اس لمحہ نوزنقطہ ارتعاش تک پہنچ گئی ۔ جب تک دوہری تلواریں ہاتھوں میں لئے ولی عہد دیہم گھوڑے کی باگیں ڈھیلی چھوڑے عبدالعلی کی سواری سے قریب آیا اور اسے للکارا ۔
رات کے اندھیروں میں نیرو پر زوال مسلط کرنے والے عبدالعلی تم شاید اندھیروں کے کھیل کھیلنے کے سوا کسی اور کھیل سے آگاہ نہیں ہو ۔ کہ یہاں بھی اندھیرے میں آئے ہو ۔ اگر جالے میں آئے ہوتے تو اب تک سر نسط کا یہ میدان

تمہارے جوان سے خون سے رنگ چکا ہوتا ۔
اس نے تلوار لہرا دی اور عبدالعلی کی تلوار سے اس کو چھپاتے ہوئے بات جاری رکھی ۔

تم نے ہمارے بوڑھے باپ کو گرفتار کیا ہے ۔ ہم نے تم سے اس کا بدلہ لے لیا ہے ۔ تمہارے بادشاہ کی ملکہ ہماری گرفت میں ہے
عبدالعلی کا ہاتھ بری طرح کانپ گیا ۔ قیدی ملکہ ورجلینا نے مٹھیاں بھینچ لیں ۔ اور پاگلوں کی طرح چیخی ۔
یہ جھوٹ بول رہا ہے ۔ اس نے مسلمانوں کی ملکہ گرفتار نہیں کی اس نے جلینا کی جا باقی بیٹی کو شاید پکڑ لیا ہے ۔ وہ بدنصیب تو خودکشی کرے گی ۔
عبدالعلی کا کانپتا ہاتھ ایک دم سنبھل گیا اس نے جلتی مشعل بجلی کی سی تیزی سے آگے کو اچھالی یہ جلتی مشعل ۔ ولیم کے چہرہ تک پہنچ گئی ۔ شہزادی ارپولہ نے چیخ کر ۔ ملکہ ورجلینا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔
مگر جلتی مشعل ۔ ولی عہد ولیم کے خود سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑی تھی ۔
دونوں بہادروں کی تلواریں پہلے ہی کی طرح ایک دوسرے سے جڑی تھیں
عبدالعلی نے دوہری مشعلیں آگے بڑھا دیں اور ان دوہری مشعلوں کی روشنی میں عبدالعلی نے گھوڑے کو پیچھے ہٹایا ۔ اور دوسرے ہاتھ سے تلوار سیدھی کرتے ہوئے چیخا ۔
اگر تم نے جھوٹ نہیں بولا ۔ ولی عہد ارغونہ ۔
تو ہم تم سے ۔ سودا کرنے کو تیار ہیں ۔ سرقسطہ کی ملکہ ہمیں واپس

دیدو۔ اور ہم سے اپنا باپ واپس لے لو۔

ولیم نے قہقہہ مارا اور پیچھے ہٹ کر عبدالعلی کا وار اپنی ڈھال پر لیتے ہوئے کہنے لگا۔

ہمارا باپ پینسٹھ سال کا ہو چکا ہے۔ اور اس کی گرفتاری ہمارے لئے کچھ بھی وجہ پریشانی نہیں ہے۔ مگر ہم نے تمہاری آبرو پر ہاتھ ڈالا ہے

ہم نے تمہاری جوان ملکہ گرفتار کی ہے۔ اور اس کا بدلہ تم صرف جوانی ہی سے چکا سکو گے۔

عبدالعلی نے بڑے غصہ کے ساتھ دوسرا وار کیا۔ ولیم نے یہ وار بھی ڈھال پر لیا اور غرایا۔

البتہ اگر تم شہزادی اریلہ۔ شہزادی نبرہ اور ملکہ درجلبینا کا سودا ہم سے کر لو۔ یہ جوانیاں ہمیں لوٹا دو۔ تو ہم تمہاری جوانی تمہارے سپرد کر دیں گے۔ ہم نے سنا ہے۔ عبدالعلی یہ جوانی تمہاری چچیری بہن ہے۔

اور تم مسلمانوں کے یہاں چچیری بہنوں کی بڑی قدر ہے۔

عبدالعلی نے کچھ اس زور سے جھپٹ سے تلوار آگے کو بڑھائی کہ ولیم کی تلوار میں دندانے ڈالتی اس کے ہاتھ تک پہنچ گئی اور ہاتھ کی پوری کف کو کاٹتی ہوئی دہری ہو گئی۔

شہزادی اربولہ نے چیخ چیخ کر شاہی جھروکے کی چھت سر پر اٹھالی۔ وہ اپنا خوبصورت سنہری جالی سے پیٹنے لگی۔ ملکہ ورجلینا نے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ اور اس لمحہ ملکہ سرقسطہ فوزیہ خوشی سے رقص کرنے لگی اسکا چہرہ دمک اٹھا۔ اس نے اپنے قریب کھڑی ثمینہ کو دونوں کندھوں سے پاگل بچوں کی سی خوشی کے ساتھ پکڑ لیا اور جھنجھوڑ ڈالی۔

یہ خدا ثمینہ! میں نہیں جانتی تھی۔ عبدالعلی اس درجہ بہادر ہے۔ جبھی ظالم نے میری ہر پیش کش ٹھکرا دی تھی وہ اس درجہ مغرور ہے کہ میری اوڑھنی پر پاؤں رکھنے کی تکلیف بھی گوارہ نہ کی۔

اس کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں — یہ خدا ثمینہ۔ اگر عبدالعلی مجھ پر جھوٹوں نگاہ اچھال دیتا تو میں اس کی خاطر جوگ تک لے لیتی۔

اس کی آواز پر شہزادی اربولہ کی چیخیں چڑھ گئیں وہ اپنے بال نوچ رہی تھی اور "دلیم دلیم" پکار رہی تھی۔

فوزیہ کی نگاہ چیخنی اربولہ سے اچھلتی میدان جنگ تک پہنچ گئی۔ عبدالعلی زخمی دلیم کو اپنی کمند میں جکڑے اپنے گھوڑے پر کھینچ چکا تھا۔ اور ہانک لگائی

بزرگ عبدالالہ۔ اپنی سپاہ سے کہہ دو۔ ہم نے ارغوتی ولی عہد کو بھی اپنی کمند میں جکڑ لیا ہے اور اس کامیابی کی خوشی میں آج کی لڑائی کل پر ملتوی کر رہے ہیں تاکہ ارغوتیوں کو شکایت نہیں ہو کہ ہم نے رات ہی رات میں لڑائی جیت لی۔

اس نے ثمینہ کو بازوؤں میں بھینچ لیا اور اس کی پیشانی اسطرح چومنے لگی جیسے عبدالعلی سے اس کی چھپی محبت اپنا ہر نقاب پھاڑ چکی تھی۔

عین اس لمحہ محل کی کتنی ہی چیختی روتی باندیاں۔ سیڑھیوں پر یورش کر آئیں فوزیہ کی شعلے برسانی نگاہ اس طرف اٹھ گئی اندھیرے کے مرغولے ہر سو ناچنے لگے اور ان ناچتے مرغولوں کے اندر سے راہ بناتی باندیاں جب المظہر کی نعش اس تک لے آئیں تو اس نے اپنی آنکھیں اسطرح بند کرلیں جیسے یہ نعش اس کے شوہر کی نہیں کسی اور کی ہے۔

٭٭٭

باب ۲۵

جوں ہی تنہ بہ تنہ گدوں پر بے ہوش لیٹی زخمی شہزادی ذہبہ کی رتھ ہولے ہولے
آگے بڑھتی ہوئی عبدالعلی کے سامنے پہنچی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا نیزہ ایک
دم اوپر کو اٹھ گیا۔ اس کی لال سرخ آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔ قیدی شہزادہ ولیم
بری طرح سہم کر پیچھے ہٹا۔ بوڑھے بادشاہ ازفولنش کی ہتھکڑیاں کانپنے لگیں
اور رتھ کھینچنے والے ارغونی غلاموں پر تو کچھ ایسی وحشت طاری ہوئی۔ کہ
ان کے ہاتھوں سے رتھ کے ہتھے چھٹ گئے۔ اور رتھ کھڑاک سے سنگ مرمر کے
چبوترے سے جا لگا۔ بہت زور کی آواز ہوئی اور مدہوش لیٹی ذہبہ کی لانبی لانبی
نشیلی آنکھیں ایک دم کھل گئیں۔ عبدالعلی نے نیزہ ہاتھ سے پھینک دیا۔ دونوں
گھٹنے زمین پر ٹیک دیئے۔ اور کچھ اس اندازِ عبودیت و اشتیاق سے ذہبہ کو آواز دی
کہ ذہبہ کی لانبی لانبی نشیلی آنکھوں کی مستی پہلے سے ہزار گنا بڑھ گئی اور اس کے گلاب
کی پنکھڑیوں سے زیادہ لطیف ہونٹ بڑی دلآویزی سے مسکرانے لگے اور یہ مسکراہٹ

اس وقت تو ہزاروں مسکراہٹوں کا رنگ اختیار کر گئی۔ جب عبدالعلی نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا کر ذہبہ کے بچّی مٹھ سے ہاتھوں کو بے اختیار چھو لیا۔

اچانک بوڑھے عبداللہ کی آواز نے سارا ماحول ہی بدل ڈالا۔

میں میری شہزادیوں کو تو لے آیا ہوں آقا لیکن ملکہ عالیہ کو یہ سودا پسند نہیں ہے۔ ان کا خیال ہے۔ ہم نے شہزادی ذہبہ کی آزادی بہت مہنگی قیمت میں خریدی ہے۔

عبدالعلی نے شہزادی ذہبہ کی آنکھوں میں جھانکا۔ بڑی تعلی سے منہ گھمایا شہزادہ ولیم اور بوڑھے بادشاہ الفونسو پر ایک چبھتی ہوئی نگاہ ڈالی اور بڑبڑایا۔

یہ تو بزرگ عبداللہ۔ ان لوگوں کو ذہبہ کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں تھا ورنہ یہ قیمت اور بھی بڑھا دیتے۔

وہ اور برکو اٹھ کھڑا ہوا اس کی آواز میں عجیب لرزش پیدا ہو گئی۔

بہ خدائے ابراہیمؑ و موسیٰؑ، عیسیٰؑ و محمد مصطفےٰؐ اگر یہ لوگ شہزادی ذہبہ کی آزادی کے بدلے میں ہم سے یہ مطالبہ کرتے۔ کہ ہم ان کے ہاتھوں کی ہتھکڑیاں خود پہن لیں تو ہم یہ بھی کر گزرتے۔

وہ ایک شرابی کے سے انداز میں آگے کو چلا۔

اگر یہ چاہتے۔ تو بخدا۔ ہم اپنی تلوار ان کے پاؤں تلے رکھ کر اسے توڑ دیتے۔

یہ کہتا کہتا۔ وہ دونوں قیدیوں کے قریب آیا اس نے ایک مداری کے سے انداز میں عبدالغنی کے ہاتھ سے ان دونوں کی زنجیریں چھین لیں انہیں ان پر اچھالا۔ اور بڑی تعلی سے کہنے لگا۔

رات بہت بیت چکی ہے۔ رخصت ہو جایئے بادشاہ ارغونو۔ اس نے سامنے کی سمت دیکھا اور مسکرایا اور بات جاری رکھی

آپ کی سپاہ بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہی ہے۔ اسے شاید گمان ہو رہا ہے کہ ہم بدعہدی پر تل گئے ہیں۔

اس نے ولی عہد ولیم کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور بات جاری رکھی آپ کو ہم نے جو امان دی تھی۔ وہ سحر کی پہلی کرن پھوٹتے ہی ختم ہو جائے گی اس کے بعد اگر آپ اور آپ کے بابا چاہیں تو رکی ہوئی لڑائی پھر سے شروع کر سکتے ہیں۔

اس نے اس کا ہاتھ ایک دم چھوڑ دیا اور بزرگ عبداللہ کو آواز دی۔

بزرگ عبداللہ۔ نبری شہزادیاں ان کے حوالے کر دو

اس کی آواز پر بیوہ ملکہ درجلینا کی کانپتی آواز چڑھ گئی۔

حسین کے بیٹے عبدالعلی اگر اجازت دو تو ہم دم رخصت اپنی نند شہزادی ہلینا کی اکلوتی بیٹی کی پیشانی چوم لیں۔

اس کی آواز میں بے پناہ لوچ تھا۔ عبدالعلی کی نگاہ بے اختیار اس کی طرف اٹھ گئی۔ وہ اپنی لانبی لانبی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہا رہی تھی عبدالعلی نے اس کی سمت دیکھا تو اس نے اپنا خوبصورت سر اس کے حضور خم کر دیا۔ عبدالعلی بے حد متاثر ہوا بوڑھے بادشاہ ازموتلش نے عبدالعلی کے چہرے سے اس کے تاثر کو شاید بھانپ لیا تھا۔ کہ ایک دم آگے کو بڑھا اور خاصی تلخی کے ساتھ اعتراض کیا۔

لیکن یہ اجازت تمہیں ان سے مانگنے کے بجائے ہم سے مانگنی چاہیے تھی

بیوہ ملکہ نبرہ کو یہ معاہدہ کی رو سے تمہیں ہمارے پاس بیچ چکے ہیں۔
روتی ملکہ ورجلینا نے اپنی روتی آنکھیں عبدالعلی کے چہرے پر اٹھا دیں اور احتجاج کیا۔
مگر آپ نے ہمیں ہماری مرضی کے بغیر خریدا ہے ہم آپکے پاس بکنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔
بوڑھا ازنولش چیخا۔
حالانکہ تم جنگی قیدی ہو۔ اور جنگی قیدیوں کی خرید و فروخت میں قیدیوں کی رضامندی کبھی شامل نہیں سمجھی گئی۔
اس نے بڑی تعلی کے ساتھ پاؤں بجائے اور بات ختم کی۔
اور پھر اب تو سودا پختہ ہو چکا ہے۔ عبدالعلی ہم سے قیمت وصول کر چکے ہیں اور ان کے نزدیک یہ قیمت بہت زیادہ ہے
ملکہ ورجلینا نے بات بنتے نہ دیکھی۔ تو ٹھکرائی بچاتی شہزادی ذہبہ کے رتھ کی سمت لپکی اور ابھی وہ رتھ کے پہلو میں دوزانو ہوئی ہی تھی کہ بوڑھے ازنولش نے اسی کے سے عالم میں آگے کو لپک کر اس کی زنجیر پکڑ لی۔ اسے بڑی رعونت کیا تھا اپنی طرف کھینچا ملکہ ورجلینا نے اپنی روتی آنکھیں شہزادی ذہبہ کی طرف اٹھا دیں اور التجا کی۔
اپنی بیوگی کے سبب میں اپنی قدر و قیمت پر جرح نہیں کر سکتی عبدالعلی لیکن صرف تم سے رحم کی درخواست ہے مجھے اس شخص کے سپرد نہیں کرو یہ ہمارا دوست نہیں پرانا دشمن ہے
اس کی آواز بھرا گئی۔
ہم نے اپنے مقتول شوہر بادشاہ نبرہ کا جب انتخاب کیا تھا تو یہ بھی ہمارے ہاتھ کا طلب گار تھا۔ مگر ہم نے اسکی بدفطرتی کے سبب کبھی اسکے چہرے پر نگاہ تک ڈالنا پسند نہیں کیا۔

اس نے پورے زور کے ساتھ زنجیر بادشاہ کے ہاتھ سے چھڑالی۔ اور شہزادی ذہب کی رتھ سے لپٹ گئی اور روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

آپ شاید نہیں جانتے اس لڑکی کی ماں شہزادی ہلینا میری حقیقی نند ہے۔ اور میرے شوہر کی موت کے بعد وہ میری وارثہ ہے۔ اور میری طلبی کا حق صرف اسے پہنچتا ہے

اس کی آواز پر ایک بھاری بارعب آواز چڑھ گئی

آپ سچ کہتی ہیں۔ یقیناً آپ کی طلبی کا حق ہمارے سوا کسی دوسرے کو نہیں ہے۔

ملکہ ورجلینا تیزی سے اوپر کو اٹھ کھڑی ہوئی اور ہلینا۔ ہلینا کہتی آگے کو دوڑی اور یہ ہلینا جو مسلمان شاہی خاندانوں کے حرموں کی طرح سیاہ نقاب میں لپٹی تھی بڑے پندار کے ساتھ ایک ہاتھ شہزادی میریہ اور دوسرا ہاتھ رضیہ کے کندھے پر رکھے منظر میں آن پہنچی۔ خاتون ورجلینا اس سے لپٹ گئی اور زار زار روتے ہوئے اس سے کہنے لگی

اپنے سابق آقا موحسین کے بیٹے عبدالعلی سے درخواست کرو ہلینا یہ مجھے اس قصاب کے حوالے نہیں کرے۔

اس کی آواز پر بوڑھے ازمولنس کی آواز چڑھ گئی۔ جو عبدالعلی سے مخاطب تھا کیوں عبدالعلی کیا تم یہ گوارا کر لوگے کہ میری شہزادیاں تمہارے پاس رہیں اور تمہاری ملکہ ہم لے جائیں۔

عبدالعلی نے پورے غصہ سے پاؤں بجائے۔ شہزادی ہلینا بڑے تحمل کے

ساتھ آگے بڑھی اپنا ایک ہاتھ عبدالعلی کے کندھے پر رکھ دیا اور فضا میں گھورتے ہوئے بوڑھے ازفوس سے خطاب کیا

یقیناً۔ بادشاہ ازفونش۔ عبدالعلی یہ گوارا کرے گا کہ اس نے نبری شہزادیوں کو تمہارے ہاتھ بیچ کر اپنے مفتوح ملک کیا تھا ناقابل برداشت زیادتی کی تھی اور اسے اس کا حق حاصل نہیں تھا۔ اس کی آواز اونچی ہو گئی۔

وہ اپنی آبرو بچانے کی خاطر محکوم و مفتوح قوموں کی آبرو بیچنے کا قطعاً کوئی حق نہیں رکھتا اور اسلام اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔

اس نے بڑے پیار کیا تھا بزرگ عبدالالہ کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

کیوں بزرگ عبدالالہ۔ ہم نے تمہارے پاک مذہب کے بارے میں کوئی غلط رائے تو قائم نہیں کی۔ کیا تمہارا مذہب مفتوح قوم کی آبروؤں کے تحفظ کو اپنی آبروؤں جتنی اہمیت دیتا ہے۔ یا نہیں۔

عبدالعلی کا چہرہ اس ذلت بلدی کی طرح زرد پڑ گیا۔ عبدالالہ کی آواز اس کے حلق میں شاید پھنس گئی تھی۔ اس نے شہزادی ہلینا کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ شہزادی ہلینا تلخی سے مسکرائی۔ ان دونوں کی طرف دیکھا آگے کو جھکی بوڑھے ازفونش کے پہلو میں لٹکی زنجیر پکڑ لی اور اسے بجلی ایسی تیزی کے ساتھ عبدالالہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑے تحکم کے ساتھ بولی۔

بوڑھے ازفونش اور اس کے بیٹے کو پھر سے باندھ دو۔ اور عبدالغنی سے کہو ان دونوں کی گردنیں اسی ذلت اڑا دے۔ اور تم شہزادی ذہبہ کی رتھ کو ایک گروشمن چھاؤنی میں چھوڑ آؤ۔ تاکہ آئندہ نسلیں اسلام پر بدعہدی کا الزام عائد نہ

کریں ـــ اس نے اپنی گردن اوپر کو اٹھالی۔

یوں بھی حسین کے بیٹے عبدالعلی کی توہین ہے کہ وہ دوسروں کی آبروئیں بیچ کر اپنی آبرو کا تحفظ کرے۔

عبدالالازتو اس کے حکم کی تعمیل میں کچھ تاخیر کرتا۔ یہ عبدالعلی جس کا چہرہ ایک بچے پہلے ہلدی کی طرح زرد تھا بجلی اسی تیزی سے آگے کو اچھلا اسے فوجی سلامی دی اور ایک حقیر سپاہی کے سے انداز میں اس سے معذرت کی ـــ ماں مجھے معاف کردو میں بہت بہت شرمندہ ہوں۔

ماں اترائی۔ مجھ سے نہیں اپنے باپ کی روح سے معافی مانگنی چاہیے عبدالعلی کہ تم نے یہ معاہدہ کرکے اپنے مرحوم باپ کی توہین کی ہے۔ یہ قوم جب سے اندلس میں آباد ہوئی ہے اسوقت سے اب تک اس نے کبھی مفتوح قوم کی آبروئیں بیچکر اپنی آبرو محفوظ نہیں کی تھی اس نے ہمیشہ اپنی قوت پر بھروسہ کیا اپنی آبروئیں اپنے بل بوتے پر محفوظ کیں اور اپنی چھینی ہوئی عورتیں زورِ بازو سے دوبارہ حاصل کیں۔

اس نے بڑے غور کیا تھا اپنے سامنے جھکے عبدالعلی کی کمر سے تلوار کھول لی اور اسے ایک دم بے نیام کرتی ہوئی چلائی۔

بادشاہ ارغونہ سے پہلے تم مرنا چاہو گے۔ یا تمہارے ولی عہد کے وجود سے ہم اس دنیا کو نجات دیں۔

عبدالعلی نے اس کی بات کاٹ لی۔

اس سے پہلے کہ آپ۔ ان دونوں میں سے کسی ایک پر موت وارد کریں شہزادی زہرہ کی رتھ انہی عیسائیوں کے سپرد کر دیجئے۔ جا سے مانگ

کر یہاں لائے ہیں۔ تاکہ یہ اسے دشمن چھاؤنی میں پہنچادیں۔ اور اس ملک میں آباد مسلمان قوم کے چہرہ پہ بدعہدی کا دھبہ نہیں لگے۔

شہزادی ہلیانا نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ اور عبدالعلی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ تو پھر یہ فریضہ تم خود ہی انجام دو۔

عبدالعلی نے اسے پہلے ہی کی طرح سلامی دی اور آگے کو دوڑا۔ ابھی وہ رتھ کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ بوڑھے ازفونشس کی کپکپاتی آواز سنائی دی۔

عبدالعلی اگر ہماری جان بخش دی جائے۔ تو ہم نبری شہزادیوں سے دست بردار ہونے کو تیار ہیں۔

شہزادی ہلیانا نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی زنجیر کو کافی زور سے جھٹکا اور بڑبڑائی۔

اب عبدالعلی کی بجائے تمہیں ہم سے فرائض طے کرنا ہوں گے۔

اس نے عبدالعلی کی طرف دیکھا جو شہزادی کے رتھ تک پہنچ چکا تھا اور رتھ کا جوا اپنے گلے میں ڈال لیا تھا۔ شہزادی ہلیانا نے اپنی مغرور گردن اوپر اٹھائی اور اسے حکم دیا۔

رک جاؤ عبدالعلی۔

عبدالعلی رک گیا۔ لیکن رتھ کا جوا اپنی گردن سے نہیں اتارا شہزادی ہلیانا نے ایک بار اسے اور پکارا ـــــ رتھ کا جوا گردن سے اتار دو۔

عبدالعلی نے بڑی خاموشی سے اس حکم کی بھی تعمیل کی رتھ کا جوا اپنی گردن سے اتار دیا۔ شہزادی زہبہ کی سمت دیکھا جس کے چہرے پہ کچھ عجیب رضا کی جھلک

رہی تھی۔ عبدالعلی کو ایسے لگا جیسے اس نے اس ذہبیہ کو شائد پہلی بار دیکھا ہے۔ اس کا جی چاہا اس ذہبیہ کے آگے جھک جائے جو اپنی تقدیر کا فیصلہ سن لینے کے باوجود، ذرا نہیں گھبرائی تھی۔

مگر ابھی وہ جھکا نہیں تھا کہ شہزادی ہلینا نے اسے ایک بار اور آواز دی۔

عبدالعلی!

عبدالعلی نے نگاہ گھمالی۔ شہزادی ہلینا نے اسے حکم دیا۔

یہاں آجاؤ۔

عبدالعلی ایک بندھے ہوئے غلام کی طرح اس کے حضور آن پہنچا۔

شہزادی مسکرائی۔ اپنے ہاتھ میں پکڑی تلوار زمین پر پھینک دی اور بوڑھے بادشاہ کی زنجیر اس کے گلے میں حائل کرتی ہوئی بولی۔

بادشاہ ازفونش، ہم تمہیں اور تمہارے بیٹے کو شہزادی ذہبیہ کے عوض اس شرط پر رہائی دینے پر تیار ہیں کہ تم صبح طلوع ہونے سے پہلے پہلے سرقسطہ کی سرحد پار کر جاؤ۔

عبدالعلی بچوں کے سے انداز میں ہنسا اور شہزادی ہلینا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہوا بولا۔

مگر ہمیں آپ کی یہ شرط قطعاً منظور نہیں ہے ماں۔ ہماری طرف سے بادشاہ ازفونش کو اجازت ہے کہ وہ پہلے ہی کی طرح سرقسطہ کی سرحد میں موجود رہیں اور دل کے باقی ارمان بڑے شوق سے آزمائیں۔

اس نے یہ کہکر بوڑھے ازفونش سے ہاتھ ملایا۔ ایک ماہر سیاستدان کے

سے انداز میں سر کو ہلکا سا خم دیا اور بہت مؤدب لہجہ میں بات جاری رکھی۔

آپ نے بڑی عقلمندی سے کام لیا ہے بادشاہ ارغونہ کہ بات بڑھنے نہیں دی۔ ورنہ تھمی ہوئی لڑائی کا آغاز اسی گھڑی ہو جاتا۔ جس گھڑی شہزادی ذہبیہ کی رتھ آپ کی چھاؤنی میں پہنچتی۔

اس نے بادشاہ ارغونہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا اور گردن کو اکڑاتے ہوئے بات جاری رکھی۔

ہمیں اپنی اس بزرگ ماں کی قسم۔ ہم صبح طلوع ہونے سے پہلے پہلے آپ کی ساری باقی ماندہ سپاہ مولی گاجر کی طرح کاٹ دیتے اور تاریخ سرقسطہ کا ایک نیا باب کھول دیتے۔

وہ ایک خطیب کے سے انداز میں گھوما۔ عبدالغنی کو پکارا اور حکم دیا:

بادشاہ ارغونہ اور ان کے ولی عہد کو پورے احترام کے ساتھ ان کی چھاؤنی تک پہنچا دو۔

ان کی فوج ان کے لئے کچھ حد سے زیادہ مضطرب نظر آ رہی ہے۔ وہ شاید سمجھ رہی ہے کہ ہم مسلمانوں نے بدعہدی سے کام لیا ہے۔

اس نے یہ کہکر اپنے قریب کھڑے سپاہی کے ہاتھ سے جلتی مشعل چھین لی۔ اس کی روشنی بوڑھے بادشاہ ارغونہ کے چہرہ پہ پھینکی اور پھر اسے جھنڈی کی طرح ہلاتے ہوئے بوڑھے بادشاہ ارغونہ کو الوداع کہی۔

خدا حافظ بادشاہ ارغونہ۔ ہم نے آپ کو اور آپ کے ولی عہد کو جو امان دی ہے وہ سحر کی پہلی کرن کے پھوٹتے ہی ٹوٹ جائے گی اور پھر ہم ہیں اور آپ

میں تلوار کے سوا کوئی دوسرا ترجمان نہیں ہوگا۔

اس لئے بجلی ایسی تیزی سے بادشاہ سے ہاتھ ملایا۔ دونوں کی نگاہیں ایک لمحہ کے لئے دوچار ہوئیں۔ بادشاہ کی نگاہ میں اس وقت جو نفرت جھلکنے لگی تھی اس سے شہزادی ہلینا قریب قریب لرز گئی۔ اس کا جی چاہا عبدالعلی سے کہے اس بوڑھے بادشاہ کو یہاں سے زندہ نہیں جانے دو۔ اس کی آنکھ میں تمہارے خلاف خوفناک نفرت جھلک رہی ہے۔

مگر عبدالعلی نے اسے اظہار خیال کی مہلت نہیں دی۔ اپنے ہاتھ میں پکڑی مشعل کچھ اس انداز سے بوڑھے کی پیشانی کے قریب لہرائی کہ بوڑھا بُری طرح گھبرا کر پیچھے کو ہٹا۔

عبدالعلی نے بڑے زور کا قہقہہ مارا اور قہقہہ مارتا عبدالعلی شہزادی میریہ کو اس درجہ بھایا کہ اس نے اپنے چہرے سے ایکدم نقاب اُلٹ ڈالی۔

شہزادہ ولیم پاگلوں کی طرح بڑبڑایا۔

ولی عہد شہزادی میریہ۔

عبدالعلی نے پہلے سے زیادہ زور سے قہقہہ مارا اور اپنے ہاتھ میں پکڑی مشعل بڑی شوخی کے ساتھ شہزادی میریہ کی روشن پیشانی سے لہرا دی کہ ولیم کانپ اُٹھا اور بوڑھے بادشاہ ارغوتہ کو تو ایسے محسوس ہوا جیسے اس پر بجلی گر پڑی ہے۔

باب ۲۵

شہید المظہر کی نعش پر زعفران چھڑکتی ثمینہ نے بڑے غصے کے ساتھ منہ گھمایا۔ اور قریب کھڑی ملکۂ عالیہ کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں اس لمحہ کچھ عجیب خمار تھا۔ اور چہرہ پر عجیب رعنائی تھی۔ ثمینہ کا جی چاہا ہاتھ میں پکڑی زعفران کی کٹوری ملکۂ عالیہ کی پیشانی پر اس زور سے دے مارے کہ پیشانی لہولہان ہو جائے اور چیخ چیخ کر کہے:

کس قدر بے وفا ہیں آپ ملکہ عالیہ کہ اپنے مرحوم شوہر کی نعش پر کھڑے ہو کر اس قدر بے وفائی کی بات زبان پر لا رہی ہیں۔

مگر وہ ابھی زعفران کی کٹوری ملکہ عالیہ کی پیشانی پر پٹخ نہیں سکی تھی کہ ملکہ عالیہ نے پہلے سے زیادہ انوکھی بات اس کے جلتے ذہن پر اچھال دی:

ثمینہ اعلیٰ حضرت کی نعش دریائے ابرہ میں بہا دینے سے کیا بہتر نہیں ہوگا کہ ہم اسے تہ خانے میں رکھوا دیں۔

یہ کہتے کہتے ملکہ عالیہ فوزیہ نے بڑی ادا کے ساتھ اپنی نازک گردن ثمینہ کی پشت سے لگا دی۔ اور آواز بہت دھیمی کر لی:

یوں اعلیٰ حضرت کی موت کا راز بھی چھپ جائے گا اور شہزادی ذہبیہ تخت کی وارث بھی بن نہیں سکے گی۔

ثمینہ نے ایک دم زعفران کی ساری کی ساری کٹوری نعش پر الٹ دی۔ اور بڑی گھبراہٹ کے ساتھ اوپر کو اٹھ کھڑی ہوئی۔ ملکہ عالیہ نے اس کے اضطراب سے کوئی سبق نہیں لیا۔ اپنی باہیں اس کے گلے میں ڈال دیں۔ ثمینہ کے ملکہ عالیہ کی باہیں ایک دم گردن سے نکال دیں اور بڑی بے اعتنائی سے پوچھا۔

لیکن اس سے آپ کو کیا فائدہ پہنچے گا ملکہ عالیہ۔

ملکہ عالیہ کھل کھلا کر ہنس پڑیں اور ہنستے ہوئے بولیں۔

مجھے فائدہ نہیں پہنچتا نہ پہنچے، ذہبیہ اور عبدالعلی تو گھاٹے میں رہیں گے اور جب تک میں چاہوں گی یہ تخت خالی رہے گا۔ اس پر کوئی بیٹھ نہیں سکے گا۔

ملکہ عالیہ نے ایک بار اور اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور دیوانہ وار اس کا منہ چومنے لگی۔ اور منہ چومتے چومتے اصرار کیا۔

بوا ثمینہ تم نے سولہ سال تک برابر مجھے ماں کی محبت دی ہے۔ تم میرے بابا اعلیٰ حضرت کی غلامی کو ہمیشہ اپنے لئے وجہ سعادت سمجھتی رہیں ان کے تقدس کی خاطر میری بات مان لو اور اعلیٰ حضرت کی نعش طلسمی تہ خانے میں ڈلوا دینے پر راضی ہو جاؤ۔

ثمینہ نے سر جھٹکا اور اسی کے سے انداز میں پوچھا۔

اگر میں مان بھی جاؤں تو بھی وہ باندیاں جو اعلیٰ حضرت کی نعش باہر سے اُٹھا کر لائی تھیں کیسے چپ رہ سکیں گی۔ پھر ان غلاموں کی زبانوں پر کیسے تالے لگ سکیں گے جنہوں نے یہ نعش میدانِ جنگ میں پائی۔

ملکہ عالیہ فوزیہ لبا ثمینہ کی گردن سے قریب قریب جھولنے لگی۔ اور کہنے لگی۔

میں نے ان باندیوں اور غلاموں کو ہموار کر لیا ہے، اور وہ سب کے سب اس بات پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ پانچ پانچ ہزار دینار لے کر صبح ہونے سے پہلے پہلے یہ قسطِ چھوڑ دیں۔

ثمینہ بڑبڑائی۔

اور اگر وہ بے وفائی کریں یہاں سے رُخصت نہیں ہوں۔ ملکہ عالیہ نے پہلے ہی سے انداز میں جواب دیا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے ثمینہ۔ یہ سب کے سب اپنے وطن جانے کیلئے سخت بے قرار ہیں۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جو نبری شہزادیوں کے ساتھ پکڑے ہوئے آئے ہیں۔ اگر میں انہیں کچھ بھی نہ دیتی، محض آزادی عطا کر دیتی تو بھی وہ یہ راز اپنے سینے میں محفوظ رکھتے، ان کے لئے اس راز کی کوئی اہمیت نہیں ہے، ان کے لئے آزادی بہت بڑی شے ہے۔ وہ پنجرے میں بند پنچھی کی طرح دروازہ کھلتے ہی پھر سے اڑ جائیں گے۔

اس نے اپنی نازک باہیں اس کے گلے سے نکال لیں اور بچوں ایسی سرمستی کے ساتھ بات جاری رکھی۔

خدا ہم پر بہت مہربان ہے بوالثمینہ، تبھی ان نبری باندیوں اور

غلاموں کے سوا کوئی دوسرا اعلیٰ حضرت کی نعش کو چھو نہیں سکا۔ اس کی آواز بہت مدھم ہو گئی۔

مجھے اس بات سے فائدہ اُٹھا لینے دو ثمینہ۔ اس سے میری رُوح عجیب تسکین پائے گی۔ اگر میں نامراد رہی ہوں تو زہبہ اور عبدالعلی بھی نامراد رہیں گے۔ ان دونوں کی تخت و تاج سے محرومی میری رُوح کو بالیدگی مہیّا کرے گی۔

اس نے ثمینہ کی آنکھیں چوم لیں اور پیچھے کھڑی نبرئی باندی کی طرف اشارہ کیا۔ نبرئی باندی اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ وہ پوری ٹولی تھی جو اعلیٰ حضرت کی نعش باہر سے اندر لائی تھی۔ نبرئی باندی اشارہ پاتے ہی اندر کو لپکی۔ ملکہ عالیہ نے اپنی باہیں ثمینہ کے گلے میں اور زیادہ آگے کو سرکالیں اور پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ اس کا منہ چومنے لگی۔

گو اس تجویز سے ثمینہ کے جسم کے سارے رُونگٹے کھڑے ہو گئے تھے مگر وہ ملکۂ عالیہ کی گرفت میں ہونے کے سبب سرِمُو حرکت نہ کر سکی۔ اور باندیاں چشم زدن میں اعلیٰ حضرت کی نعش باہر اُٹھا لے گئیں۔ ثمینہ بُری طرح سسکیاں بھرنے لگی۔ ملکہ عالیہ نے اسے پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ سینے سے بھینچا اور پیچ پیچ کرتے ہوئے کئی بار چوما پھر ایک دم چھوڑ دیا اور باندیوں کے پیچھے لپک گئی۔

باندیاں ٹھیک سمت جا رہی تھیں۔ وہ تہ خانے کے دروازے تک پہنچ چکی تھیں۔ جب ملکہ عالیہ نے ان تک رسائی پائی۔ ملکہ عالیہ نے تہ خانے کا دروازہ آپ کھولا۔ آپ مشعل جلا کر انہیں راستہ دکھایا۔ وہ جب باندیوں

کی راہ نمائی میں تہ خانے کی سیڑھیاں اتر رہی تھی ثمینہ اندھیری غلام گردش میں آن رکی تھی۔ اور کچھ عجب اضطراب کے ساتھ سوچ رہی تھی کہ فوزیہ عالیہ میں یکایک یہ کیسی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔

اور یہ فوزیہ واقعتاً بہت بدل گئی تھی۔ حالانکہ وہ اپنے شوہر کی نعش کو اس طلسمی تہ خانے میں پھینکوا کر آرہی تھی جو سانپوں بچھوؤں کے انوکھے مخزن کی حیثیت سے پورے سرقسطہ میں مشہور تھا لیکن اس کے چہرے پر ذرا سی ملال نہیں تھا۔ وہ کنواری لڑکیوں کے سے انداز میں لہراتی ایک ایک نبرئی باندی کے جسم کے ساتھ جھولا جھولتی انہیں خزانے کے دروازے پر لے گئی اور ہزار ہزار دیناروں کے توڑے ان پر اس طرح اچھالنے لگی جیسے اپنی اکیسویں سالگرہ پر انعام بانٹ رہی ہو۔

باب ۲۶

ابھی سحر کی پہلی کرن نہیں پھوٹی تھی کہ بوڑھے بادشاہ ازفونش نے جنگلی قوموں کے سربراہوں کے سے انداز میں خیمہ گاہ کی پیشانی سے لٹکا ناقوس نوچ لیا۔ اور اسے اس طرح منہ سے لگا لیا جیسے موت کی آندھی کے یکایک نزول سے اپنی سپاہ کو خبردار کر رہا ہو۔

شاہی خیمہ گاہ سے بجتے ناقوس کی آواز کیا بلند ہوئی پوری کی پوری گاہ جاگ اٹھی۔ ہر سو ہتھیار بجنے لگے اور گھوڑوں پر زینیں کسی جانے لگیں۔ اِدھر اُفق عالم پر روشنی نمودار ہوئی اُدھر بادشاہ ارغونہ کا ذاتی علم دریائے ابرہ پر اپنا سایہ ڈالتا اسلامی چھاؤنی کے متوازی آن پہنچا۔ عبدالعلی کی رکاب سے رکاب ملائے شہزادی ہلینا نے اپنے ہاتھ میں پکڑے علم کو بجلی ایسی تیزی سے حرکت دی۔ اور پہلے دو سوار جو بادشاہ ارغونہ کے استقبال کے لئے اسلامی چھاؤنی سے آگے بڑھے وہ شہزادی ہلینا اور عبدالعلی تھے۔ شہزادی ہلینا

آج اسلامی سرقسطہ کی علمبرداری اور حسین کے بیٹے عبدالعلی کے پہلو بہ پہلو گھوڑا دوڑاتی جب بادشاہ ارغونہ کے سامنے آئی تو بجائے عبدالعلی کے اُس نے بادشاہ ارغونہ کو دعوت مبارزت دی۔ عبدالعلی نے شہزادی ہلینا کی طرف محض دیکھا اس کے ہاتھ میں پکڑے علم پر نگاہ کی اور پھر سر جھکا لیا۔ بزرگ عبدالالہ نے ایک دم عبدالعلی کی رکاب سے رکاب لڑا دی اور خاصے غصے کے ساتھ احتجاج کیا۔

غلاموں کے ہوتے ہوئے مرحوم آقاؤں کی بیگمات لڑائی میں پہل کریں۔

یہ ہماری غیرت کو گوارا نہیں ہوگا آقا۔

عبدالعلی نے اپنے ہاتھ میں پکڑے نیزے کی انی بالکل سیدھی کرلی۔ اور عبدالالہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور شہزادی ہلینا کتنے ہی گز آگے بڑھ گئی۔ عبدالالہ نے پہلے سے زیادہ غصے کے ساتھ عبدالعلی کی رکاب سے رکاب لڑائی اور پہلے سے زیادہ غصّے کے ساتھ احتجاج کیا۔

پھر وہ علم بردار رہیں۔ اگر انہوں نے شہادت پالی اور اسلامی علم سرنگوں ہوگیا تو۔

عبدالعلی نے اسے بات پوری کرنے نہیں دی۔ ہاتھ میں پکڑے نیزے کی اَنی اس کی زرہ بکتر سے اس گستاخی کے ساتھ بجائی کہ عبدالالہ کا سر گھوم گیا۔

بالکل اسی انداز میں شہزادی ہلینا کے ہاتھ میں پکڑا نیزہ بوڑھے ازونش کی زرہ بکتر تک رسائی پا چکا تھا۔ بوڑھے نے بڑے زور کا قہقہہ مارا، جسم کو بل دیا۔ نیزہ زرہ بکتر کی آہنی دیوار سے پھسلتا آگے کو نکل گیا۔ اور شہزادی

ہلینا ٹھیک طرح اپنا توازن قائم نہیں رکھ سکی۔ خاصی آگے کو جھک گئی۔

عبدالعلی اور عبدالالہ کے گھوڑوں کو بجلی چھو گئی لیکن ابھی یہ دونوں موقعہ تک نہیں پہنچ پائے تھے کہ شہزادی ہلینا سنبھل گئیں اور نیزے کی بجائے تلوار نکال لی۔ بوڑھے ازفونش نے ایک اور قہقہہ مارا۔ قہقہہ کی یہ گونج آگے بڑھتے عبدالعلی اور عبدالالہ کے سینوں میں رکھے دلوں کو قریب قریب کاٹ گئی تھی مگر دونوں نے اپنی اپنی سواریاں ایک دم روک لیں۔ ادھر سے ان ہی کے سے انداز میں آگے کو اڑتے ولی عہد ولیم اور ڈیوک ارغونہ نے بھی اپنی اپنی سواریاں روک لیں۔ پھر ان چاروں کی نگاہوں کے سامنے شعلے ہی شعلے ناچ گئے۔ شہزادی ہلینا اور بوڑھے ازفونش میں کچھ ایسی تلوار چلی کہ کبھی متحارب فریقوں میں پہلے نہیں چلی تھی۔ بوڑھے کا قہقہہ پھر ایک بار بھی بلند نہیں ہوا۔ شہزادی ہلینا کے تابڑ توڑ واروں نے اسے اتنی فرصت ہی نہیں دی کہ قہقہے بلند کر سکے۔ اور اس وقت تو اس بوڑھے کے حواس قریب قریب اس سے روٹھ گئے تھے۔ جب شہزادی ہلینا نے اس کا وار اپنی ڈھال پر لے کر اس پر کمند اچھالی اور اسے چشم زدن میں اس کی سواری سے گھسیٹ لیا۔ بوڑھے کا بوجھ بہت بھاری تھا۔ نازک اندام شہزادی ہلینا اسے اپنی سواری پر تو کھینچ نہیں سکی البتہ بوڑھے میاں اپنی سواری کے نیچے کو لٹک گئے۔

ولی عہد شہزادہ ولیم نے ایک دم خنجر اچھالا۔ گو عبدالعلی نے اسے اس لمحہ اپنے نیزے کی انی میں پرو لیا۔ لیکن اس کا پھینکا ہوا خنجر بجلی ایسی رفتار سے آگے کو چلتا ہوا شہزادی ہلینا کے اس ہاتھ میں جا چبھا جس میں وہ کمند پکڑے

تھی اس کے ہاتھ سے کمند چھوٹ گئی۔ عبدالعلی کو ایسے لگا جیسے زلزلے ہی زلزلے ہر سو لہرا گئے ہوں۔ اور زلزلوں کے اندر سے لہراتا عبدالعلی اپنے نیزے کو ولی عہد ولیئم کے سینے ہی میں چھوڑ کر آگے کو اُڑا۔ شہزادی ہلینا کے متوازی جا پہنچا۔ اور انہیں اپنی سواری پر اس طرح کھینچ لیا جیسے ان کے زخمی ہو جانے سے ساری کائنات زخمی ہو گئی تھی۔

شہزادی ہلینا کے زخمی ہو جانے سے ساری کائنات پر کوئی اثر پڑا یا نہیں پڑا۔ بزرگ عبدالالہ حواس کھو گیا۔ اس نے ایک قصاب کے سے انداز میں ولیعہد ولیئم کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس بات کو غنیمت جان کر ڈیوک ارغونہ اپنی سواری سے کود پڑا۔ کمند میں بندھے بادشاہ ارغونہ کو رہائی دی۔ پھر دونوں طرف کی اگلی صفیں ایک دوسرے پر چڑھ آئیں۔ دشمن صفیں زیادہ بوجھل اور وزنی تھیں۔ ان کی رفتار زیادہ تیز تھی۔ وہ کافی دور تک اسلامی صفوں کو دباتی چلی گئیں۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی علم ابھی تک شہزادی ہلینا کے ہاتھ میں تھا اور عبدالعلی شہزادی ہلینا کو اس علم سمیت اپنے آگے بٹھائے عقب کی طرف اُڑا جا رہا تھا۔ اسے لڑائی کی گرمی اور اس کے جوش و خروش کا قطعاً ہوش نہیں تھا۔

یہ تو بزرگ عبدالالہ نے اپنے چھنے ہوئے حواس مجتمع کر لئے ورنہ آگے کو بڑھتی دشمن صفیں اسلامی قلب تک رسائی پا گئی تھیں۔

عبدالالہ نے کمان ہاتھ میں لے لی، تو اپنے سیاہ عمامے کو پھیلا کر نیزے پر ٹانگا۔ بنی عامر اس عمامے کو خوب پہچانتے تھے۔ وہ ہر سمت سے

راہ بناتے اس علم تک آن پہنچے۔ اکھڑی ہوئی اسلامی صفیں پھر سے جم گئیں۔

لیکن اگر یہ صفیں نہ بھی جمتیں تو عبدالعلی کو اس کی ذرا برابر پرواہ نہ ہوتی۔ اسے تو اس لمحہ صرف ایک ہی بات کی پرواہ تھی کہ اس کے مرحوم باپ کی محبوبہ اور اس کی مشتبہ ماں شہزادی ہلینا کسی نہ کسی طرح ہوش میں آجائے۔

ظالم ولیم نے اس پر جو خنجر اچھالا تھا اس نے اس کی پوری کی پوری دائیں کلائی کاٹ ڈالی تھی۔ اور شہزادی ہلینا کی بند آنکھیں کھلی نہیں تھیں اور نبض ہر لحظہ ڈوب رہی تھی۔

عبدالعلی کا ہاتھ ہر لحظہ ڈوبتی نبض پر رکھا تھا۔ ادھر نبض کی رفتار کم ہوتی ادھر عبدالعلی کے دل کی ضربات اپنا راستہ بھولنے لگتیں اور اس کی آنکھیں تو اس طرح بہ رہی تھیں جیسے ساون بھادوں کی جھڑی لگی ہو۔

نقیب لحظہ بہ لحظہ بدلتی لڑائی کی رفتار سے اُسے آگاہ کرنے کو دوڑے چلے آرہے تھے۔ لیکن کسی کو حوصلہ نہیں ہوا کہ عقب میں بے ہوش پڑی شہزادی ہلینا کے آگے دو زانو بیٹھے عبدالعلی کو لڑائی کے حال سے آگاہ کرے اور اس سے کہہ سکے کہ اس کے نہ ہونے کے سبب لڑائی غلط رنگ اختیار کر گئی ہے۔

یہ آگاہی تو اسے اس وقت نصیب ہوئی جب علم کو سربلند رکھنے کی جدوجہد کرتے بوڑھے عبدالالہ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے اور وہ بری طرح زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑا اور اس کے غلام اسے عبدالعلی کے حضور

اُٹھالائے۔

غلام گھبرائے گھبرائے آئے تھے اس لئے ادب ملحوظ نہ رہ سکا، اور پاؤں کی چاپ زیادہ بلند ہوگئی۔ اور نیچے کو سر جھکائے اور ہر لحظہ ڈوبتی نبض پر ہاتھ رکھے عبدالعلی نے نگاہ اٹھائی۔ اس کے ہاتھ سے ماں کی نبض چھوٹ گئی۔ وہ باؤلوں کی طرح آگے کو اُچھلا۔ دونوں بازو کٹے ہوئے عبدالالہ کو دیکھا۔ جس کا سینہ خون سے شرابور تھا۔ عبدالعلی نے سر کو زور سے جھٹکا، آگے کو جھکا۔ بوڑھے کی پیشانی چومی۔ بوڑھے کی آواز کانپی۔

رن تمہارا منتظر ہے ع۔ علی۔ اور قریب ہے کہ فتح ہم سے رُوٹھ جائے۔

ع۔ علی نے مدہوش بچوں کے سے انداز میں عبدالالہ کے سینہ سے بہتے خون سے چلّو بھرا۔ اسے سینے پر مَسلا۔ مدہوش ماں پر گھبرائی گھبرائی نگاہ ڈالی اور پوری تیزی سے باہر کو لپکا۔ ابھی دروازے تک نہیں پہنچا تھا کہ ذہبہ نے اسے زور سے پکارا۔ اس نے منہ گھما کر دیکھا تو تکیوں کے سہارے اوپر کو اُٹھتی ذہبہ نے اپنی خون میں رنگی اوڑھنی اپنے زخمی ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی۔

عبدالعلی وحشی بدوؤں ایسے انداز میں آگے کو کودا۔ خونیں اوڑھنی ذہبہ کے زخمی ہاتھ سے اُچک لی اور باہر کو دوڑا۔ گھوڑے پر اس طرح چڑھا جیسے موت اس کے پیچھے لپک رہی تھی۔

اس نے ذہبہ کی خون میں رنگی اوڑھنی نیزہ پر چڑھا لی اور سیدنا عباس بن عبدالمطلب کے سے انداز میں گھوڑے کو میدانِ جنگ میں اتار کر ہانک

لگائی:

میں حسین کا بیٹا عبدالعلی ہوں ساتھیو! اور مجھے اپنے باپ کی قسم اس نے کبھی میدان جنگ میں شکست نہیں کھائی تھی۔ وہ جس وقت میدان جنگ میں داخل ہوا تو صرف عبدالعلی بنی عامر کا جھنڈا سربلند رکھے تھے۔ باقی صفیں منتشر ہو چکی تھیں۔

مگر اس کے میدان جنگ میں آتے ہی رن کا نقشہ بدلا۔ وہی صفیں جو پیچھے کو ہٹ رہی تھیں، آگے بڑھنے لگیں۔ اس نے پہلے دشمن کا میسرہ الٹا پھر میمنہ پر چڑھائی کی۔

ادھر سورج مائل بہ غروب ہوا ادھر علی ابن حسین بوڑھے بادشاہ ارغونہ تک جا پہنچا۔ جو بڑی تعلی سے اپنے قلب کو اسلامی میمنہ پر چڑھا رہا تھا۔

عبدالعلی نے ذہبہ کی خون آلودہ اور ڈھیلی خود سے اٹکالی اور کسی مخمور عربی کے سے انداز میں بادشاہ ارغونہ کو آواز دی۔ بادشاہ ارغونہ نے اسے دیکھا، اپنی محافظ صفیں اس کے آگے بڑھا دیں۔ عبدالعلی نے اسے دوسری بار للکارا۔

لڑائی صرف تمہاری اور میری ہے۔ بادشاہ ارفونش انھیں کیوں کٹوا رہے ہو۔

بادشاہ ارغونہ کو ہمت نہیں ہوئی کی اس کی للکار کا جواب دیتا۔ اس نے پچھلی صفیں بھی اس سمت میں بلالیں اور انھیں بھی اپنے اور عبدالعلی کے درمیان حائل کر دیا۔

عبدالعلی نے دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے لیں اور کچھ اس طرح اپنے آگے پیچھے ارغونیوں کو کاٹتا جیسے سوکھی فصل کاٹ رہا تھا۔

عبدالغنی نے بھی بنی عامر کی صفیں اس کے ساتھ آن ملائیں اور یہ صفیں کچھ اس جوش سے آگے بڑھی تھیں کہ ارغونی صفیں ہمت ہار گئیں۔

ادھر سورج غروب ہوا اُدھر ارغونی میدانِ جنگ سے راہ فرار اختیار کر گئے۔

دریائے ابرہ کے پُل پر بھاگتی ارغونی فوج کا اضطراب قابل دید تھا۔ پُل مختصر تھا اور بھاگنے والے پچاس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھے۔ سوار پر سوار اور پیادہ پر پیادہ چڑھا جا رہا تھا اور عبدالعلی کے بنی عامر۔ ان مضطرب ارغونیوں کے پیچھے لگے ان پر تیروں کی بارش کرنے لگے تھے۔

روایت کہتی ہے اور برملا کہتی ہے کہ اس رات دریائے ابرہ کے اس پُل نے دس ہزار ارغونیوں کو توراہ دینے کی سعادت پائی۔ باقی اس کے دائیں کنارے پر قربانی کر کے بکروں کی طرح ذبح ہو گئے۔ یا دریا کی تڑپتی اور مچلتی لہروں سے جا ملے۔

باب ۲۷

بوا ثمینہ نے اپنی بوجھل روتی آنکھیں اوپر کو اٹھا دیں۔ بُری طرح ٹھٹھک گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے خواب دیکھ رہی ہو۔ اور یہ خواب ایسی ہی بات تھی جو ان کے سامنے مچل رہی تھی۔ فوزیہ عالیہ جس کے شوہر کی شہادت کو ابھی پورے دو دن بھی نہیں گزرے تھے دلہنوں ایسے لباس میں لپٹی قد آدم آئینہ کے سامنے بیٹھی اپنی لانبی لانبی شربتی آنکھوں میں کاجل بھر رہی تھی اور اس طرح گنگنا رہی تھی جیسے نئی نویلی دلہن اپنے شوہر کی آمد آمد کی خوشی میں وقت کٹی کر رہی ہو۔ ثمینہ کی آنکھوں بہتے آنسوؤں کی روانی اس حیرت زا منظر نے قطعاً خشک کر دی۔ وہ جادو میں بندھے ہوئے شخص کی طرح اوپر کو اٹھی اور ہولے ہولے اس فوزیہ کی طرف بڑھنے لگی جو بیوہ ہونے کے باوجود عجوبہ بکھیر رہی تھی۔

گنگناتی فوزیہ نے آنکھوں میں کاجل ڈال لیا تو زلفیں سنوارنے لگی۔ اور زلفیں سنوارتے سنوارتے اس کی گاتی آواز پہلے سے زیادہ بلند ہو گئی۔ وہ اس دلہن کا گیت

گا رہی تھی جس کا شوہر کسی بڑے رن میں فتح پانے کے بعد گھر لوٹ رہا تھا۔

بواثمینہ کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے۔ اس نے بوجھل جسم کو گرنے سے بچانے کے لئے دروازہ کے ساتھ ٹیک لگالی۔ اس کے بوجھ کے سبب دروازہ کا پٹ بُری طرح بجا۔ گاتی زلفیں سنوارتی فوزیہ نے منہ گھمایا اور بچوں ایسی سرخوشی کے ساتھ کنگھی ہاتھ سے پھینک کر آگے کو اُچھلی اور بواثمینہ سے لپٹ گئی۔ وہ اسے بُری طرح چومنے لگی اور چومتے چومتے لفظ ایسی مٹھاس میں بولی۔

عبد الاعلیٰ دشمن کو شکست دینے کے بعد مجھ سے اور اعلیٰ حضرت المظہر سے ملنے کے لئے یہاں آرہا ہے بوا! خبردار اسے اعلیٰ حضرت المظہر کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہونے پائے۔

ابھی اس نے بات ختم نہیں کی تھی کہ ڈھول زور زور سے بجنے لگے۔ فوزیہ نے ثمینہ کو ایک دم چھوڑ دیا اور چیخی۔

وہ آگیا ہے۔ بجتے ڈھول اس کی آمد آمد کی خبر دے رہے ہیں اور میں اس کے استقبال کو جا رہی ہوں۔

وہ شوخ ہرنی کی طرح اچھلتی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی باہر پہنچی۔ ڈھول پہلے سے زیادہ زور سے بجنے لگے۔ پھر بھاگتے گھوڑوں کے ٹاپوں سے پیدا ہونے والا شور بھی ڈھولوں کی دھم دھم میں ڈوب گیا۔

اب جو بھاگی فوزیہ نے حجرہ چھوڑ دیا۔ طاق پر جلتا شمع دان اٹھا لیا ... کے سے انداز میں ثمینہ کے قریب آئی جو ابھی تک دم بخود دروازے ... کھڑی تھی۔ المظہر ... فوزیہ مسکرائی۔ شمع دان ... کی طرف بڑھایا۔

اور حکم دیا۔

یہ شمع دان اٹھاؤ بوا ثمینہ اور میرے آگے آگے چلنے لگو۔

بوا ثمینہ کے ہاتھ شمع دان تک پہنچ تو گئے اس نے شمع دان اٹھا تو لیا مگر اس کا ذہن جوں کا توں شل تھا۔ ڈھول پہلے سے زیادہ زور سے بجنے لگے اور گھوڑوں کے سموں سے پیدا ہونے والا شور پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ فوزیہ نے جسم کو بل دیا اور خاصی تلخی کے ساتھ بوا سے کہنے لگی۔

بوا کھڑی کیا دیکھ رہی ہو۔ پہلے اس سے کہ اس کی سواری ہنگ مرمر کی پہلی چوکی تک آئے میں تمہیں ساتھ لے کر وہاں پہنچ جانا چاہتی ہوں۔

اس نے اس کے کندھے کو چھو لیا اور کرتے کو کھینچتی ہوئی بولی۔

اگر کوئی اور باندی محل سرا میں موجود ہوتی تو میں تمہیں تکلیف نہیں دیتی

بوا۔

بوا کی بند زبان کھلی

باندیوں کو آپ نے کہاں رخصت کر دیا ہے۔

فوزیہ ہنسی۔

ان سب کو میں نے چھٹی دے دی ہے اور جاتے وقت ہر ایک کی جھولی بھر دی ہے۔ سارا خزانہ ان میں بانٹ دیا ہے۔ ایک کوڑی تک خزانے میں نہیں رہنے دی ہے۔ اور ان سے وعدہ لے لیا ہے کہ اس محل سرا میں پھر نہیں آئیں، ورنہ ان پر چوری کا الزام لگ سکتا ہے۔ بوا ثمینہ کی حیرت پہلے سے فزوں ہو گئی۔ ہاتھ میں پکڑا شمع دان کانپنے لگا۔

گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور تیز ہو گئی۔ فوزیہ ہوا کو دوڑانے لگی اور دوڑتی
دوڑتی سیڑھیاں اترنے لگی۔ سجائے گھوڑے عین اس وقت آن پہنچے تھے۔ فوزیہ
دو دو سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتی ابھی سنگ مرمر والی پوری سیڑھیاں نہ پہنچ پائی
تھی کہ ان کی نگاہ ایک دم اوپر کو اٹھ گئی اور ان کی ساری خوشی ہوا ہو گئی۔ دو سفید
گھوڑوں کی کھلی رتھ پر دائیں سمت شہزادی ذہبیہ بیٹھی تھی اور بائیں سمت اس کی ماں
شہزادی مینا تشریف فرما تھیں اور عبدالعلی اور عبدالغنی کی سواریاں محافظ سپاہیوں جیسے
انداز میں ان کے دائیں بائیں چل رہی تھیں۔

فوزیہ کے جسم پر ہی نہیں دل و دماغ پر بھی بجلی نازل ہو گئی مگر زبیدہ نے
کچھ اس انداز سے شمع دان آگے بڑھا دیا کہ فوزیہ کی بھیگی زلفیں جل جانے کو تھیں۔
اس نے نازک سر کو بہت زور سے جھٹکا اور بالکل سیدھی ہو گئی۔ ظالم نے اپنے
آپ پر فوری قابو پا لیا۔ اور سر کو ہلکا سا خم دیتی ہوئی کہنے لگی۔

مرحبا عم زاد عبدالعلی مرحبا۔ آپ کو آپ کی یہ عظیم فتح مبارک ہو جو آپ نے
اپنے دشمن پر حاصل کی۔

ہم آپ کی اس عظیم فتح سے بے حد مسرور ہوئی ہیں۔

اگر دشمن کے حملے سے فائدہ اٹھا کر غیر ملکی اور غیر مسلم باندیاں اس محلسرا کو
خالی نہ کر چکی ہوتیں تو ہم عرب عورتوں کے سے انداز میں ان کے ساتھ مل کر گاتی
ہوئی آپ کا استقبال کرتیں۔

عبدالعلی کی سواری رک گئی۔ مگر وہ اترا نہیں۔ اس نے عجیب انداز میں
گھور گھور کر اسے دیکھا۔ وہ لہرائی۔ سر کو ہلکا سا بل دیا۔

فاتح حم زادو آپ سواری سے اتر نہیں رہے۔ شاید آپ ناراض ہیں
اس لیئے کہ اعلیٰ حضرت المنظم میرے ساتھ آپ کے استقبال کو کیوں نہیں آئے۔
اس نے اپنے نازک سر کو جنبش دی۔ آپ کی ناراضگی بجا ہے لیکن ان
کی خفگی بھی بے محل نہیں ہے۔ وہ آپ سے بالکل خوش نہیں ہیں۔ کل سے آج رات
تک مجھ سے برابر آپ کی شکایت کرتے رہے ہیں کہ آپ پہلے سے بالکل بدل
گئے ہیں۔

ذہبیہ بے اختیار چیخ پڑی۔

تو کیا وہ زندہ ہیں، اور ان کی شہادت کا اعلان غلط تھا

اس نے یہ کہتے کہتے بڑی ہی سرخوشی اور شوق کے ساتھ اپنا تندرست
ہاتھ عبدالعلی کی سمت پھیلا دیا۔ اور آنکھوں میں بچوں جیسی تڑپ بھر کر عبدالعلی سے
درخواست کی:۔

مجھے سہارا دو علی۔ کہ میں اپنے شاہ بھائی کو تم سب سے پہلے دیکھ سکوں
اس کی آواز میں بچوں ایسی معصومیت پیدا ہو گئی۔

علی تم اس وقت میرے دل کی مسرتوں کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ شاہ
بھائی کی زندگی کی نوید سن کر مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے سارے جہاں کی
خوشیاں میری جھولی میں ڈال دی گئی ہیں۔

اس نے اپنا منہ ایک دم ملکہ عالیہ فوزیہ کی طرف موڑ لیا اور پہلے سے
زیادہ معصومیت کے ساتھ بولی۔

ملکہ عالیہ فوزیہ، میں بخدائے عبدالعلی آپ کی بہت بہت ممنون ہوں

کہ آپ نے شاہ بھائی کی زندگی کی خبر ہمیں پہنچائی۔

اس نے اپنا آگے کو پھیلا ہاتھ عبدالعلی کے کندھے پر رکھ دیا۔ فوزیہ عالیہ کا ذہن پٹڑی سے اتر جانے کو تھا۔ اس کا جی بے اختیار رہا کہ عبدالعلی کے کندھے پر رکھا یہ ہاتھ اسی لمحے کاٹ دے لیکن ظالم فوراً سنبھل گئی۔ بڑے ہی تصنع سے مسکرائی۔ ذہبیہ کی سمت دیکھا اور جواب دیا۔

تم تو شہزادی ذہبیہ ان کی زندگی کی خبر پا کر احساسِ ممنونیت سے بھیگی پا رہی ہیں مگر وہ تمہارا چہرہ بھی دیکھنے کے روادار نہیں۔

اس کی آواز میں خاصی تلخی پیدا ہو گئی۔

انہیں اس بات کا سخت رنج ہے کہ تم پرسوں رات علی کے میدانِ جنگ میں آتے ہی انہیں تنہا چھوڑ کر علی کی طرف لپک گئیں۔ حالانکہ تم جب محل سے انہیں اپنے ساتھ رتھ میں سوار کرا کر رن میں اتری تھیں تو ان کے ہاتھ اور پاؤں بننے کا ادعا کیا تھا۔

اس کی آواز میں تمسخر پیدا ہوا۔

یہ تو کافور اور طریف اپنی جانوں پر کھیل کر انہیں میدانِ جنگ سے ہٹا لائے۔ ورنہ تم تو انہیں موت کے سپرد کر چکی تھیں۔

علی کے کندھے پر رکھا ذہبیہ کا ہاتھ بری طرح کانپنے لگا۔ اس کے چہرے پر چھائی ساری معصومیت خوف کی زردی میں بدل گئی۔ مگر ملکہ عالیہ فوزیہ کا جی ابھی بھرا نہیں تھا۔ اس نے پہلے سے کہیں زیادہ تلخ چوٹ کی۔

قتیبۂ دشمناں، تم تو چاہ رہی تھیں کہ اعلیٰ حضرت شہادت پا جائیں

تاکہ ان کی خالی کی ہوئی جگہ عبدالعلی پر کر سکے۔

عبدالعلی دیوانوں کی طرح چیخا۔

فوزیہ، ہم یہاں اس لئے نہیں آئے ہیں کہ تم ہم پر یوں طعن کر سکو۔

اس نے گھوڑے کی باگیں پوری قوت سے کھینچ لیں۔ گھوڑے نے اپنے دونوں اگلے پاؤں احتجاج میں اوپر کو اٹھا دیئے۔ ملکہ عالیہ فوزیہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی اور ثمینہ کے ہاتھ میں پکڑا شمع دان کانپ کر نیچے گر گیا۔ شمع دان کے ٹوٹنے کی آواز میں عبدالعلی کی گرج شامل ہو گئی۔

عبدالغنی۔ عامری سپاہ کو ہمارا حکم پہنچا دو کہ اسی لمحہ اور اسی آن سرقسطہ سے نکل جائے۔ ملکہ عالیہ فوزیہ کی یہ غلط فہمی ابھی ختم نہیں ہوئی کہ ہم اس کے تاجدار شوہر سے اس کا اقتدار چھین لینا چاہ رہے ہیں۔ حالانکہ ہم محض ایک سپاہی کی حیثیت سے یہاں حاضر ہوئے تھے۔ ہم محض اپنے بادشاہ کے حضور یہ روئداد عرض کرنے آئے تھے کہ سرقسطہ پر حملہ آور ہونے والی قوت کے ہزار ہا غونی سپاہ فرار کے وقت جو بے حساب و بے شمار نعشیں دریائے ایرہ کے پار چھوڑ گئی ہے وہ ساری کی ساری دریائے ایرہ میں بہا دی گئی ہیں۔ البتہ ان کے املاک۔ ملبوسات اور اسلحہ جمع کر لئے گئے ہیں۔

اس کی آواز گر گئی۔

یہ ساری چیزیں خانقاہ معلیٰ کے سربراہ کی تحویل میں دے دی گئی ہیں۔ اس سپاہ نے جسے ہم اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ ان میں سے کوئی چیز لینے کا گناہ ابھی تک نہیں کیا۔

فوزیہ نے بڑے ہی تمسخر کے ساتھ اس کی بات کاٹ لی۔
اس ہر بات کے باوجود عبد العلی۔ گھوڑے کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دو اور اپنی صفائی میں جو کچھ کہنا چاہتے ہو ہم سے نہیں اعلیٰ حضرت کے حضور حاضر ہو کر خود عرض کرنا لیکن خیال رہے۔
تم نے اس ملک کے موروثی تاجدار کی اجازت کے بغیر اس کی سرزمین کو پائمال کر کے جو جرم کیا ہے وہ خاصا سنگین ہے اور اس پر تمہیں بڑی سے بڑی سزا دی جا سکتی ہے۔
اس نے اپنی نازک گردن کو بڑے گھمنڈ کے ساتھ جھٹکا۔ اس کی کتنی ہی پریشان لٹیں اس کے چہرے پر آن گریں مگر اس نے بات جاری رکھی۔
ہمیں معلوم ہے عبد العلی۔ آج کی فتح اور اس سے پہلی فتوحات نے تمہیں خاصا سرکش بنا دیا ہے۔ تم کو اپنی قوت و طاقت پر فرعونوں ایسا گھمنڈ ہے۔
اس کی آواز میں تمسخر پیدا ہوا۔
اور تم تو شاید اس وقت یہ سوچ رہے ہو گے کہ میری گستاخ زبان گدی سے کھینچ لو کہ میں اس تاجدار کی پیغامبر بن جس کے سر پر تاج تو ہے لیکن تخت تمہارے گستاخ پاؤں کے بوجھ سے بُری طرح لرز رہا ہے۔
عبد العلی پہلے سے زیادہ تحمل کے ساتھ بیٹھا۔
فوزیہ عالیہ!
جواب میں فوزیہ نے اس سے کہیں زیادہ تلخی کے ساتھ پکارا۔
کہو سرکش عبد العلی۔ اس ملک کی ملکہ عالیہ سے کیا کہنا چاہ رہے ہو لیکن

خیال سے ہے تم اس ملک کے باغی ہو۔ تم نے اس ملک کے موروثی تاجدار کے احکام کی صریحاً خلاف ورزی کی ہے۔ اور ہم چاہیں تو تم پر اس الزام کی پاداش میں مقدمہ چلا سکتی ہیں۔

عبدالغنی نے گھوڑے کی باگیں ایک دم ہاتھ سے چھوڑ دیں، دیوانوں کی طرح گھوڑے کی پیٹھ سے کودا لیکن ابھی فوزیہ تک پہنچ نہیں پایا تھا کہ رضیہ نے اسے آواز دی۔

بھتیا، فوزیہ تک رسائی پانے سے پہلے میرا گریبان حاضر ہے۔

عبدالغنی نے ہاتھ میں پکڑی مشعل اس گریبان کی طرف بڑھا دی جس کی سمت رضیہ نے اشارہ کیا تھا۔ آگے بڑھتا عبدالغنی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ رضیہ پر نگاہ اٹھائی جو عبدالغنی کے ہاتھ میں پکڑی مشعل کی روشنی میں اپنے دونوں ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالے اپنی رتھ میں سے نیچے کو کود رہی تھی۔

فوزیہ نے پورے زور سے قہقہہ مارا اور رضیہ سے خطاب کیا۔

یہ بچپن کی لڑائی نہیں تھی کہ تم نے مداخلت ضروری جانی۔ یہ ہوش و خرد کی لڑائی ہے، یہ اقتدار کی جنگ ہے۔ اور ہم دونوں اسے بہت سوچ سمجھ کر لڑ رہے ہیں۔

رضیہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔

زمین پر جھکی۔ بوا ثمینہ نے جو لوٹے ہوئے شمع دان کی بجھتی لو تک ہاتھ بڑھا چکی تھی بہت سخت گھبرا کر فوزیہ کا دامن کھینچ لیا لیکن ابھی کچھ کہہ نہیں پائی تھی کہ شہزادی ظلینا نے اسے آواز دی۔

ثمینہ آگے بڑھ کے ہمیں سہارا دو کہ ہم مولا حسن کی اس بیٹی کی آنکھوں میں
جھانکیں، ڈھونڈ کر اس سے ہم عہد و وساطت اس کی لڑائی کا مفہوم پوچھ سکیں۔
اپنے بوجھل جسم کے باوجود بوا ثمینہ جوانوں کے سے انداز میں سیدہ سیدہ
پکارتی ہوئی اس اضطراب اور سرخوشی کے ساتھ آگے کو بڑھی کہ رضیہ، عبدالعلی اور
عبدالغنی کو بھی نہیں، غرضیکہ سب کچھ اپنے ذہن کی پرواز بھول گئی۔
بھاگتی مضطرب ثمینہ بچوں کی سی شوخی سے اوپر کو اچھل کر رتھ پر چڑھ
گئی اور سیدہ سیدہ چیختی ہوئی شہزادی علیا کے گھٹنوں سے لپٹ گئی۔ اور ان
گھٹنوں پہ اس طرح بوسے دینے لگی جیسے ان گھٹنوں میں سارے جہان کا تقدس
سمٹ آیا تھا۔
گو شہزادی علیا بوا ثمینہ کی اس والہانہ محبت و عقیدت سے خاصی
متاثر ہوئی تھی لیکن یہ وقت اس جذبہ کے قبول کرنے کا نہ تھا۔ اور نہ انہوں نے
بوا ثمینہ کو اس لئے بلایا تھا۔ انہوں نے جس بات کے لئے اسے طلب کیا تھا،
اسے نہیں بھولیں۔ بڑی محبت سے اپنے تندرست ہاتھ سے اس کی پیٹھ تھپتھپائی
اور آگے کو سرکتی ہوئی بولیں۔
ہمیں سہارا دو ثمینہ کہ ہم عبدالعلی کے ساتھ بادشاہ المظفر کے حضور
حاضر ہو کر انہیں یقین دلائیں کہ عبدالعلی ان کا رقیب نہیں ہے۔ یہ وہ اپنی
خوشی اور اپنی مرضی سے سرقسطہ کی حدود میں داخل نہیں ہوا۔ یہ ہم نے اسے
بادشاہ ازغونہ کی یلغار کی خبر دے کر یہاں آنے پر مجبور کیا کہ عبدالعلی کے باپ
مولا حسین کے مولد و مدفن سرقسطہ کے ہم پر بہت حقوق تھے اور اس کی تباہی

ہم کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی تھیں۔

ان کی آواز کانپ گئی۔

ہمیں سہارا دو شمینہ۔ تاکہ ہم بادشاہ المنظہر تک پہنچ جائیں۔ وہ ہمیں خوب جانتے ہیں لیکن اس ملک کی ملکہ عالیہ شاید ہمیں پہچانتی نہیں ہیں۔ ان کی آواز پر فوزیہ کی تمسخر بھری آواز چڑھ گئی۔

ہم آپ کو خوب پہچانتی ہیں بزرگ نبرتی شہزادی۔ ہمیں ماضی میں آپ کے اقتدار کی کیفیت بھی خوب خوب معلوم ہے اور ہم یہ بھی جانتی ہیں کہ یہ آپ اور صرف آپ تھیں جن کی بدولت سرقسطہ نبرہ کا غلام بننے پر مجبور ہوا تھا۔

عبدالعلی پاگلوں کی طرح چیخا۔

فوزیہ ہمارا ہاتھ سچ مچ تمہارے گریبان تک پہنچ جائے گا کہ تم اپنے اور میرے خونی رشتے کو فراموش کر دینے کے ساتھ ساتھ میری بزرگ ماں کے مقدس دامن کو بھی نوچنے لگی ہو اور یہ دامن میرے مرحوم باپ کو کس قدر عزیز تھا تم نہیں جانتیں۔

فوزیہ نے اسی کے سے انداز میں اس کی بات کاٹ لی۔

اپنے باپ پر اس کی موت کے بعد نبرتی شہزادی کے ناجائز شوہر ہونے کا الزام لگاتے وقت شرم کرو عبدالعلی۔

عبدالعلی غصہ سے کانپنے لگا۔ اور اس کا ہاتھ بے اختیار اس کی کمر سے لٹکی تلوار تک پہنچ گیا۔ فوزیہ نے زور کا قہقہہ مارا اور پہلے سے بڑی طنز کی۔

نبرئی شہزادی ہینا کو اپنی ماں اور اپنے باپ کی جائز بیوی ظاہر کرتے وقت عبدالعلی تم شاید بھول گئے ہو کہ شہزادی ذہبیہ قریب قریب تمہاری ہم عمر ہیں اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ذہبیہ کو تو تمہاری ماں نے شاہی محل میں جنم دیا ہو اور تمہیں خانقاہ علی میں۔

عبدالعلی نے بجلی ایسی تیزی سے تلوار میان سے نکال لی۔ مگر پہلے اس سے کہ یہ تلوار فوزیہ پر اٹھتی شہزادی ذہبیہ کی آواز کانپی۔

اپنی یہ تلوار میان میں ڈال لو عبدالعلی۔ فوزیہ بہر حال ہمارے شاہ بھائی کی دلہن ہیں اور اس ملک کی ملکہ عالیہ ہیں اور ان سے الجھاؤ شاہ بھائی کی بھی توہین ہو گی اور اس ملک کے تخت و تاج کی بھی۔

عبدالعلی نے تلوار میان میں کر لی اور ملکہ عالیہ فوزیہ پر بڑی ہی خشمگیں نگاہ اچھالی۔ فوزیہ نے یہ نگاہ پہچان لی۔ پوری قوت سے پاؤں بجائے۔ عبدالعلی نے سر کو جھٹکا وحشی عربوں کے سے انداز میں اوپر کو اچھلا اور گھوڑے کی پشت سنبھال لی اور عبدالغنی کو آواز دی۔

سواریوں کے رخ پیچھے کی سمت پھیر لو عبدالغنی۔ ہم بادشاہ المظہر کی ناراضگی کے باوجود ان کے حضور حاضری نہیں دیں گے۔ ہم نہ ان کے اقتدار کو للکاریں گے اور نہ ان کی ملکۂ عالیہ سے کوئی گستاخی کریں گے۔ ہم پہلے ہی کی طرح جلاوطنی اختیار کئے رہیں گے۔ ہم اس ملک میں رہنا قطعاً گوارا نہیں کریں گے جس کی ملکہ عالیہ ہمارے مرحوم باپ کی غیرت سے کھیلنے کا بار بار حوصلہ کر رہی ہے۔

اس کی آواز پر شہزادی ہلینا کی آواز غالب آگئی۔

سرقسطہ کی نوجوان ملکہ عالیہ ہمارے بارے میں آپ نے جو کچھ بھی کہا ہے ہم اس کے متعلق آپ سے کوئی صفائی پیش نہیں کریں۔ البتہ اگر آپ ہمیں اپنے شوہر گراں قدر اعلیٰ حضرت بادشاہ المظفر تک لے چلیں تو ہم آپ کی بیحد ممنون ہوں گی۔

آپ شاید نہیں جانتیں ہم نے حتیٰ میں انہیں برابر دس سال ماں کی محبت دی ہے اور وہ بھی ہمیں ماں کی طرح محترم جانتے رہے ہیں۔

انہوں نے اپنا تندرست بازو اور آگے کو پھیلا کر عبدالعلی کی سمت دیکھا۔ عبدالعلی نے گھوڑے کی باگیں پوری طرح کھینچ رکھی تھیں اور گھوڑے نے اپنے اگلے پاؤں اٹھا دیئے تھے۔ شہزادی ہلینا نے اسے آواز دی۔

گھوڑے سے اتر آیئے عبدالعلی اور ہمیں سہارا دیجئے۔ ہم آج رات بادشاہ المظفر اور ان کی ملکہ عالیہ فوزیہ کی مہمان ہوں گی اور ان دونوں کی موجودگی میں اپنے حقیقی ماضی کے چہرے سے پردہ ہٹا دیں گی۔ اور اس بات کا واضح اعتراف کریں گی کہ ہم نے تمہارے سوا کوئی اور نہیں جنی اور ہم نے تمہارے باپ کے سوا کسی اور مرد کے چہرہ پر کبھی عورت کی نگاہ نہیں اٹھائی۔

انہوں نے اپنے گھٹنوں سے لپٹی بوا شمینہ کی طرف دیکھا اور بڑے اعتماد کے ساتھ بات جاری رکھی۔

یہ بوا شمینہ اس حقیقت کو خوب جانتی ہیں۔

فوزیہ نے اپنے خوبصورت سر کو بہت زور جھٹکا اور پاگلوں ایسے انداز میں بڑبڑائی۔

آپ بُوا شینہ گواہی شہادت میں پیش کرتے وقت شاید یہ بھول گئی ہیں نبرئی شہزادی کہ آپ اس شاہی محل میں میرے شوہر کے مرحوم چچا شہزادہ المشرف کی بیوی کی حیثیت سے برابر دس سال تک تشریف فرما رہی ہیں اور شہزادی ذہبہ کی قانونی ماں کہلاتی رہی ہیں۔ اگر آپ نے شہزادی ذہبہ کو اپنی کوکھ سے آج سے بیس برس پہلے جنم نہیں دیا تھا تو پھر آپ نے یہ تصنع کیوں برتا اور اس کا اظہار اس وقت کیوں ضروری جانا۔ جب اس راز کے اصل رازدار اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ جب بادشاہ المستنصر بھی مر چکے ہیں۔ شہزادہ المشرف بھی۔ اور وہ نزالحسن بھی اس دنیا میں نہیں رہے جن کے چہرے پر آپ نے ناجائز تعلق کی سیاہ بدلی اچانک پھیلا دی ہے۔

عبدالعلی نے گھوڑے کی باگیں کچھ اس زور سے کھینچ لیں کہ گھوڑے کے اگلے پاؤں فوزیہ پر اُٹھ گئے۔ اور فوزیہ کو ایسے لگا جیسے عبدالعلی اسے اپنے گھوڑے کے پاؤں تلے روند دینا چاہتا ہے۔ وہ اپنی ہر شوخی بھول گئی اور بری طرح کانپنے لگی لیکن پہلے اس سے کہ عبدالعلی کے گھوڑے کے پاؤں فوزیہ کے نازک جسم سے مس کرتے۔ شہزادی ذہبہ کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح زور زور سے چیخنے لگی۔

عبدالعلی نے گھوڑے کا رُخ ایک دم پھیر لیا۔ چیختی شہزادی ذہبہ کی طرف ڈری ڈری سہمی سہمی نگاہ اٹھائی۔ ذہبہ آنکھیں بند کئے نہ صرف چیخ رہی تھی ہسٹیریا کے مریض کی طرح کانپ بھی رہی تھی۔ عبدالعلی کی نگاہ اس کانپتی چیختی ذہبہ پر کیا اٹھی

ایسی تیزی سے اوپر کو اٹھا لیکن دھپ سے پھر چھپنے لگی اور شہزادی بلینا نے جس کا ذہن
بھی کسی طرح چل رہا تھا اپنا تندرست ہاتھ آگے کو پھیلا کر عبدالعلی کی آستین پکڑ لی
اور بالکل اس طرح جیسے وہ کسی گہرے کنویں میں گری پڑی تھی اس سے کہنے لگی۔

تمہارا خیال بالکل صحیح تھا میرے بیٹے۔ ہمیں اس محل کا رخ نہیں کرنا چاہیے
تھا۔ مجھ سے بڑی بھول ہوئی کہ میں نے تمہیں یہاں آنے کی رائے دی اور یہ بالکل
بھول گئی کہ ماضی میں یہ شاہی محل مجھے بالکل راس نہیں آیا تھا۔

ان کی آواز پر فوزیہ کی آواز چڑھ گئی۔

تبھی آپ نے اس شاہی محل کو اغیار کے پاس بیچ دینے کی سازش کی اور
اس کی خود مختاری کو غلامی میں بدل ڈالا۔

عبدالعلی پھر آگے کو کود گیا لیکن پہلے اس سے کہ وہ فوزیہ تک پہنچتا۔ شہزادی
بلینا نے اسے بڑے تحکم کے ساتھ پکارا۔

جہاں ہو رک جاؤ عبدالعلی ہمیں اس ملک کی ملکہ فوزیہ سے تمہارا الجھاؤ
قطعاً پسند نہیں ہے۔ ہم اس کی بجائے یہ گوارا کر لیں گی کہ بادشاہ المظہر سے ملے
بغیر طلوع سحر سے پہلے پہلے اس ملک کی سرحد سے نکل جائیں۔

ان کی آواز کانپ گئی۔

ہمیں ایسا لگ رہا ہے جیسے ملکہ عالیہ فوزیہ کو ہمارا اس شاہی محل میں لوٹ
کر آنا گوارا نہیں ہوا۔

ان کی مخالفت تم سے نہیں ہے صرف ہم سے ہے۔

بوا ثمینہ نے کانپ کانپ کر شہزادی بلینا کے دونوں گھٹنے اپنے بازوؤں

میں لے لئے اور بالکل اس طرح جیسے وہ کوئی حقیر باندی تھی ان سے رو رو کر التجا کی۔

فوزیہ کو غلط نہیں سمجھئے سیدہ۔ اس کی مخالفت کا موضوع آپ نہیں، شہزادی ذہبہ ہے۔ یہ وہ آپ سے نہیں درحقیقت شہزادی ذہبہ سے الجھی ہے۔

شہزادی ذہبہ کی کانپتی آواز، بواثمینہ کی آواز پر غالب آگئی۔

تو پھر ہم بھی سرقسطہ چھوڑ دیں گی اور جلا وطنی اختیار کر لیں گی۔

عبدالعلی دفعتاً گرجا۔

عبدالغنی سواریوں کے رخ پیچھے کو پھیر لو اور رضیہ سے پوچھ لو اگر وہ اپنی بہن کے پاس رہنا چاہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وادئ ابرہ ہمارا اور تمہارا انتظار کر رہی ہے۔

اس نے گھوڑے کی باگیں بہت زور سے کھینچ لیں اور اسے ہوا کے سے انداز میں اڑاتا، چشم زدن میں کتنے فاصلہ پر جا پہنچا۔ اس کے سواروں نے اس کی اقتدا کی اور شہزادی ہلینا اور شہزادی ذہبہ کے رتھ کی چھاگل اس زور زور سے بجنے لگے کہ فوزیہ نے اپنے کانوں پر دونوں ہاتھ رکھ لئے۔ رضیہ نے جو جانے کیا کچھ سوچ کر آئی تھی اور فوزیہ سے کیا کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ اسے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھے دیکھا تو اس کا گریبان بڑے غصے کے ساتھ پکڑ لیا اور اسے پاگلوں کی طرح جھنجھوڑتی ہوئی کہنے لگی۔

تصنع کی چادر چہرے سے اتار دے احمق۔ عبدالعلی تجھ سے بری طرح روٹھ گیا ہے۔ تجھے اس کی ماں کی حقیقت پر شبہات تھے تو دل میں رکھ لیتی۔

کم سے کم یہی سوچ لیتی کہ میرے اور عبدالعلی کے باپ کبھی اس عورت سے دیوانہ وار محبت کرتے تھے اور وہ تم پر اتنے مہربان تھے جتنے مجھ پر بھی نہ تھے۔

رضیہ کی آواز پر بوا ثمینہ کی کانپتی آواز چڑھ گئی۔

جاؤ رضیہ وہاں عبدالغنی تمہارا منتظر ہے۔ اور اس بدنصیب کو اپنے نصیبوں پر رونے دو۔

اس کی آواز بھرا گئی۔

اسی اس نے عبدالعلی کی ماں کی توہین کر کے اتنا بڑا جرم کیا ہے کہ شاید خدا بھی اسے معاف نہیں کرے۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اتنی بدنصیب ہے اس کی ماں نہیں ہوتی۔ اگر میری کوکھ نے اسے جنم نہیں دیا ہوتا تو میں بھی اس کا ساتھ اس وقت چھوڑ دیتی۔

فوزیہ یک بیک کانپنے لگی۔ اس کی آنکھوں کے آگے شرارے ناچنے لگے لیکن بوا ثمینہ کی کانپتی آواز ابھی رکی نہیں تھی۔ وہ سسکیوں ایسے انداز میں کہے جا رہی تھی۔

تجھے معلوم نہیں رضیہ! اس شاہی محل میں جس کے دروازے پر آئے اقبال کو اس نے پیچھے لوٹا دیا ہے۔ یہ بدنصیب یکہ و تنہا رہ گئی ہے۔ المظہر جنہیں یہ زمہ ظاہر کر کے نہ جانے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہ رہی تھی۔ منوں پتھروں کے نیچے دب چکے ہیں تیسری شب جب وہ شاہی محل میں لائے گئے تھے اس وقت سے کہیں پہلے ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ اور یہ مصنوعی نصیب

لڑکی تھوڑی دیر پہلے جب علی کے استقبال کو آ رہی تھی تو دلہنوں کی طرح لگ رہی تھی۔ اس کو بدگمانی ہو گئی تھی کہ عبدالعلی اور ذہبیہ ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہیں۔ یہ بے وقوف نہیں جانتی تھی کہ ذہبیہ بھی میری بیٹی ہے اور یہ بھی میری۔ اور ان دونوں کے باپ مولا حسن تھے اور میں اس کی خوشی کی خاطر ذہبیہ کا دل توڑنے پر کسی طرح بھی آمادہ نہیں کی جا سکتی۔

کانپتی فوزیہ ایک دم توازن کھو گئی۔ اور دھڑام سے سنگ موسیٰ و سنگ مرمر کی اس دہلیز پر گر پڑی جو دہلیز محمد ابن ابی عامر نے ۳۷۲ھ ہجری میں اس وقت تعمیر کی تھی جب وہ سرقسطہ کی آخری سرحد پر شاہ نبرہ کو ہولناک شکست بخش کر قرطبہ پہنچا تھا۔

لو اثمینہ انتہائی محبت کرنے والی ماں ہونے کے باوجود آپ اپنے حواس کھو گئی اس نے اپنا بھاری بھرکم جسم فوزیہ پر انڈیل دیا۔ اور اس کا سہارا بننے کی بجائے اس کی مدہوشی کا مزید بہانہ بن گئی۔

لیکن رضیہ کے حواس اس عجیب و غریب اور سراسر مہمل و مبہم انکشاف کے باوجود اپنی جگہ قائم تھے۔ اس نے بڑی مستعدی کے ساتھ لو اثمینہ کا بوجھل جسم فوزیہ کے جسم پر سے اتارا۔ فوزیہ کے نازک سر کو اپنی رانوں پر رکھا اور دور اندھیرے میں اپنے انتظار میں کھڑے عبدالغنی کو آواز دی۔

تم کہاں ہو عبدالغنی۔ اپنی سواری ادھر کیوں نہیں لے آتے۔ آقا اپنی مشعلوں کی روشنی اپنے ساتھ لیکر اس محل کے اندھیروں سے باہر نکل گئے ہیں۔ اس دہلیز کے چراغ اگر روشن ہوتے تو ہم اپنا راستہ آپ تلاش کرتیں۔ تم

تک آن پہنچتیں۔

پہلے اس سے کہ اس کی بات پوری ہوتی، عبدالغنی اڑتا ہوا اس تک آن پہنچا۔ اس نے اندھیرے کے باوجود سنگِ مرمر و سنگِ موسیٰ سے بنی ہوئی دہلیز پر اکڑوں بیٹھی اس رضیہ کو دیکھ لیا جس کے سہارے اس نے بچپن ہی کے نہیں جوانی کے اندھیرے بھی ماہتاب و آفتاب ایسے روشن پائے تھے۔ وہ گھوڑے سے اچھل کر نیچے کو کودا۔ رضیہ نے اسے ایک بار اور پکارا۔

"عبدالغنی ذرا احتیاط سے پاؤں رکھنا۔ یہاں ٹوٹے ہوئے چراغ کے ریزے بکھرے ہیں کہیں تمہارا پاؤں زخمی نہ ہو جائے۔"

مگر عبدالغنی نے ایسی کوئی احتیاط نہیں کی۔ حالانکہ اس کے پاؤں ننگے تھے وہ دوڑتا ہوا دہلیز پر چڑھا۔ گو اس کے پاؤں ٹوٹے ہوئے شیشے کے ریزوں نے لہولہان کر دیئے۔ لیکن وہ دیوانہ وار رضیہ کے پاس جا پہنچا اور رضیہ نے اس طرح جیسے اس سے کوئی بہت بڑے راز کی بات کہہ رہی تھی۔ بہت ہولے سے اس سے سرگوشی کی۔

"... بے ہوش ہو گئی ہے عبدالغنی۔ بوا ثمینہ بھی حواس میں نہیں ہے اور میرے سوا اس اجڑے ہوئے محل میں کوئی اور نہیں ہے جو ان کی خبر گیری کر سکے۔ اگر میری خاطر آقا کی ناراضگی مول لے سکتے ہو تو تمہیں اور مجھے دونوں کو انکی خبر گیری کے لئے یہاں رہنا ہو گا۔"

اس نے اندھیرے کے باوجود اپنا ایک ہاتھ آگے کو بڑھا کر زندگی میں پہلی بار عبدالغنی کی نامحرمیت کو محرمیت میں بدل ڈالا۔ اور عبدالغنی کا ہاتھ اپنے

ہاتھ میں لے کر اسے اپنے سینہ پر رکھتی ہوئی کہنے لگی۔

میں علی بھائی کی خفگی و ناراضگی کے صلے میں تجھے اپنا آپ سونپ دوگی اور اور تیری دلی مراد بر لاؤ گی۔

عبدالغنی بید مجنوں کی طرح کانپنے لگا۔ گو وہ اس رضیہ کو جنون کی حد تک چاہتا تھا۔ گو اس کا بچپن اس کے خواب دیکھتے جوانی میں بدلا تھا۔ گو اس کے لئے اس نے راتوں کو اختر شماری کی تھی۔ گو اس کی خاطر اس نے عبدالعلی کی غلامی اپنے نصیب میں لکھ لی تھی۔ مگر وہ اس ہر حقیقت کے باوجود عبدالالہ کا بھتیجا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ بجلی ایسی تیزی سے رضیہ کے سینہ سے ہٹا لیا۔ اور زمین پر گھٹنے ٹیکتے ہوئے التجا کی۔

مجھے میرے آقا کے حضور رسوائی بخشنے سے پہلے سیدہ میرے سینہ میں خنجر گھونپ دیجئے میرے لئے یہ بہتر ہوگا۔

رضیہ نے اسے بڑے غصے کے ساتھ ڈانٹا۔

تمہارے لئے جو بہتر ہے اسے ہم تم سے زیادہ جانتی ہیں۔ اپنے گھوڑے پر چڑھ کر اس اجڑے دیار کے بیرونی دروازے میں قفل ڈال آؤ اور کوئی مشعل ڈھونڈھ لاؤ۔

آج سے یہ اجڑا دیار ہمارا اور تمہارا مسکن ہوگا۔

عبدالغنی نے گھٹنے اٹھائے نہیں، پہلے ہی کی طرح زمین پر ٹیکے رکھے اور بڑبڑایا۔

لیکن اگر آقا کو غلام کی یہ بات ناپسند ہوئی تو۔

رضیہ کلبلائی۔

میں تمہارے آقا کو تم سے زیادہ جانتی ہوں عبدالغنی۔ اور پھر وہ منتقم مزاج نہیں ہیں۔ اگر وہ منتقم مزاج ہوتے تو آج فوزیہ ان کے ہاتھ سے ذبح ہو جاتی۔

عبدالغنی نے اس کی بات کاٹ لی۔

اس کے باوجود سیدہ وہ جس انداز سے اس محل سے واپس ہوئے ہیں وہ بڑا ہی ہولناک انداز تھا۔ اور اگر انہوں نے سرقسطہ کی حدود سے نکلنے سے پہلے جان لیا کہ میں نے ان کے ساتھ بے وفائی کی ہے تو وہ میری کھال میں بھس بھر دیں گے۔ وہ مولا حسین کے بیٹے ہیں اور مولا حسین کا غصہ سارے سرقسطہ میں مشہور تھا۔

رضیہ رعد کی طرح گرجی۔

میں اسی مولا حسین کی بیٹی ہوں اور میرا نسب قطعاً مشتبہ نہیں ہے۔ مگر عبدالعلی اس محل سے لوٹتے وقت بھول گیا ہے کہ فوزیہ اپنی ہر حماقت اور اپنے ہر عیب کے باوجود اس کے تائے حسن کی بیٹی ہے تو میں یہ حقیقت کسی طرح فراموش نہیں کر سکتی۔

اس کی آواز دفعتاً گر گئی:

تو نہیں جانتا عبدالغنی۔ فوزیہ کے باپ مولا حسن نے میرے بابا مولا حسین کی جس طرح پشت پناہی کی۔ جس طرح ان کے ہاتھ و پاؤں بنے، جس طرح ان کی نظر بندی میں ان کا ساتھ دیا اس طرح کوئی بھائی کسی بھائی کا ساتھ

نہیں دے سکتا تھا۔

میں اپنے باپ کے اس محسن کی بیٹی کو اس عالم میں چھوڑ جاؤں یہ میرے لئے ناممکن ہے عبدالغنی۔

تو اپنے آقا کے پیچھے جانا چاہتا ہے تو جا سکتا ہے۔ میں تمہارے پاؤں کی زنجیر بننا پسند نہیں کروں گی۔

عبدالغنی اب بھی گھٹنوں کے بل جھکا رہا۔ اٹھا نہیں۔ رضیہ نے اسے اندھیرے میں ایک بار اور ٹٹولا اور اس کا ہاتھ ایک بار اور اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پہلے سے بدلے ہوئے انداز میں کہنے لگی۔

عبدالغنی اگر تجھے کسی طرح معلوم ہو جائے کہ فوزیہ بالکل بے سہارا ہے۔ اور اس کی زبان پر جو الفاظ تھوڑی دیر پہلے آئے تھے وہ محض جھوٹی تعلّی کے ترجمان تھے، وہ محض جھوٹے غرور کے نقیب تھے۔ درحقیقت فوزیہ تو ... نے حضور نذر محبت لے کر آئی تھی۔ اگر عبدالعلی اور وہ تنہائی میں ایک دوسرے سے ملتے تو فوزیہ عبدالعلی کے پاؤں کو اپنے سینہ پر رکھ لیتی وہ اس سے دیوانہ وار محبت کرتی ہے۔ المظہر کا انتخاب تو محض اس بے وقوف نے مجھے المظہر کی بیوی بننے سے بچانے کے لئے کیا تھا کہ وہ جانتی تھی کہ اگر میں المظہر سے بیاہ دی گئی تو میرے دل کی ساری رگیں غم کے زہر سے پھٹ جائیں گی۔

اس کی آواز گر گئی۔

عبدالغنی! فوزیہ میری بھی محسن ہے تیری بھی کہ اس نے میرے دل کو موت سے بچانے کے ساتھ ساتھ تیرے دل کی دھڑکنیں بھی ملحوظ رکھیں۔

وہ تیری اور میری محبت کی رازدار تھی تو اس سے بے خبر نہیں ہے۔
اس نے یہ کہتے ہوئے عبدالغنی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔
عبدالغنی نے اپنا یہ ہاتھ پہلے ایسے انداز ہی میں اس کے ہاتھ سے نکال لیا اور سروقد کھڑا ہوتا ہوا کہنے لگا۔

سیدہ! فوزیہ عالیہ میری محسنہ ہو یا آپ کی۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں اس لمحہ جس منزل میں داخل ہو چکا ہوں وہاں جنسی محبت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

لیکن اس کے باوجود آپ بے فکر رہیئے۔ میں ایک زرخرید غلام کی طرح آپ کے ہر حکم کی پیروی کروں گا۔ اس لئے نہیں کہ آپ نے اندھیرے کے دامن میں چھپ کر میرے ہاتھ کو کوئی سعادت بخشی ہے، بلکہ اس لئے کہ آپ میرے سابق آقا کی بیٹی اور میرے اس وقت کے مالک عبدالعلی کی بہن ہیں اور میرے لئے آپ کا ہر حکم، حکم الٰہی کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کی آواز پر بھاگتے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز چڑھ گئی۔ اس نے ایک دم منہ گھمایا۔ ایک مشعل بردار سوار، روشن مشعل فضا میں لہراتا اندھیرے کے دامن کو چیرتا۔ ہوا کے انداز میں آگے کو اڑتا نظر پڑا۔ عبدالغنی نے ایک دم آگے کو جست بھری اور پہلے اس سے کہ مشعل بردار سوار دہلیز شاہی کے قریب آتا۔ عبدالغنی باؤلوں ایسے انداز میں سنگ مرمر و موسیٰ سے بنی ہوئی ساری سیڑھیاں پھلانگ گیا اور گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔
کیوں آئے ہو موسیٰ۔

موسیٰ نے گھوڑے کو ایک دم روک لیا اور نقیبوں کے سے انداز میں پکارا۔
آقا کی سواری خانقاہ معلٰی میں داخل ہو گئی ہے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے
کہ میں آپ کو خبردار کر دوں کہ آپ سیدہ محترمہ کو ساتھ لے کر خانقاہ معلٰی میں
ان سے آن ملیں۔
وہ خانقاہ معلٰی کی جالی کو چھو کر آپ کے کاندھوں پہ کوئی بڑا بوجھ لادنے کا
فیصلہ کر چکے ہیں۔
اس کی آواز دھیمی ہو گئی:
سیدہ محترمہ چلتا راستہ میں آپ اور سیدہ رضیہ کے بارے میں ان سے
کچھ کہہ رہی تھیں۔ اور یہ ان ہی کا مشورہ ہے کہ وہ سرقسطہ سے روانہ ہونے سے
پہلے آپ کے کاندھوں کو بوجھل بنانا چاہ رہے ہیں۔
عبدالغنی نے مشعل اس کے ہاتھ سے اس طرح اچک لی جیسے چیل ماس کو
اچک لیتی ہے۔ اور بالکل اس طرح جیسے وہ اسے محاذ جنگ پر روانہ کر رہا تھا
حکم دیا۔
جس انداز سے گھوڑے کو دوڑاتے آئے ہو اسی انداز سے اسے واپس
دوڑاتے لے جاؤ اور آقا کو میری طرف سے کہو۔
میں نے آج سے سیدہ فوزیہ ملکۂ عالیہ کی ملازمت اختیار کر لی ہے اور
ان کی فوجوں کی سپہ سالاری کا منصب قبول کر لیا ہے اور میری وفائیں
ایک وقت میں دو آقاؤں کی غلامی گوارا نہیں کر سکتیں۔
موسیٰ گو اس کا بہت ہی فرمانبردار نائب تھا مگر اس نے بڑی گستاخی کے

ساتھ عبدالغنی کی بات کاٹ لی۔

ملکۂ عالیہ فوزیہ کی غلامی اور ان کے بخشے ہوئے منصب کو قبول کرتے وقت امیر عبدالغنی شاید آپ بھول گئے کہ ملکۂ عالیہ نے آپ کے آقا کی بر ملا توہین کی ہے۔

عبدالغنی نے پوری قوت سے پاؤں بجائے اور جلتی مشعل موسیٰ کے منہ کے قریب کچھ اس طرح کر دی کہ موسیٰ کی داڑھی جل جانے کو تھی۔ موسیٰ نے اپنا چہرہ پیچھے ہٹا لیا۔ عبدالغنی گرجا۔

تم جانتے ہو موسیٰ ہم نے حکم عدولی کبھی گوارا نہیں کی اگر تم بنی عامر میں سے نہیں ہوتے تو ہم تمہاری گستاخ زبان کاٹ لیتے۔ جاؤ آقا سے کہہ دو، ہم آج سے ان کے لئے مر گئے ہیں۔

موسیٰ اسی کے سے انداز میں چلایا:

مگر سیدہ رضیہ کے بارے میں پوچھیں تو کیا جواب دوں۔ سیدہ رضیہ تو ان کی آبرو ہیں۔

پہلے اس سے کہ عبدالغنی کوئی جواب دیتا سیدہ رضیہ کی کپکپاتی آواز فضا میں پھیلی:

موسیٰ اگر ہم تمہارے آقا کی آبرو ہیں تو سیدہ عالیہ فوزیہ بھی ان کی آبرو ہیں۔ ہم اگر مولا حسین کی بیٹی ہیں تو سیدہ فوزیہ مولا حسن کی اولاد ہیں۔

آقا سے ہماری طرف سے کہنا ان کے سامنے دو ہی راستے کھلے ہیں یا تو اس اجڑے دیار میں لوٹ کر آ کر، سیدہ عالیہ فوزیہ سے مصالحت

کر لیں یا ہمیں بھی بھول جائیں۔ ہم نے اپنا مستقبل سیدہ عالیہ فوزیہ سے وابستہ کر لیا ہے۔

پہلے اس سے کہ رضیہ کی بات ختم ہوتی موسیٰ نے گھوڑے کی باگیں پیچھے کو پھیر لیں مگر رضیہ کہتی گئی۔

ہماری ماں کو ہمارا سلام دینا۔ ہمیں شدید احساس ہے کہ فوزیہ نے ان کے حضور گستاخیاں کی ہیں اور وہ شاید یہ گستاخیاں کبھی معاف نہیں کر سکیں اور عبدالعلی کو اجازت نہیں دیں کہ وہ اس اجڑے دیار میں لوٹ کر آئے۔

سیدہ ذہبہ کی پیشانی پر بوسے ہمارے اوپر قرض رہیں گے۔ کبھی زندگی نے مہلت دی تو ہم یہ قرض چکا دیں گی۔

موسیٰ نے شاید آخر کے الفاظ نہیں سنے۔ وہ گھوڑے کو تیز تیز دوڑاتا بیرونی فصیل تک آن پہنچا۔

رضیہ نے اسے بیرونی فصیل پر پہنچے دیکھا تو اپنا رُخ عبدالغنی کی طرف پھیر لیا اور بڑی تیزی سے آگے کو بڑھ کر اس کے ہاتھ سے مشعل لے لی اور بڑے ہی غرور کے ساتھ آگے کو چلتی فوزیہ عالیہ اور بوا ثمینہ کے بے ہوش وجودوں تک پہنچی۔ بوا ثمینہ کی آنکھیں کبھی کھل رہی تھیں اور کبھی بند ہو رہی تھیں۔ البتہ فوزیہ پہلے ہی کی طرح بے حس تھی۔ رضیہ نے منہ پھیر کر عبدالغنی کی طرف دیکھا۔ جس کی رنگت سیاہ پڑی تھی اور آنکھیں جھکی تھیں۔ رضیہ نے مشعل ہلائی۔ پاؤں بجائے۔ عبدالغنی نے آنکھیں اٹھائیں تو اس نے اسے

حکم دیا۔

ملکہ عالیہ فوزیہ کے نامحرم ہونے کے باوجود عبدالغنی اپنی گود میں اٹھالو۔ میں تمہاری راہ نمائی کروں گی۔

بوا ثمینہ کی کانپتی آواز اس کی آواز میں مل گئی۔

شاید آپ سیدہ راہ نمائی نہ کر سکیں۔ محل کے بے شمار حصے دشمن کی آتش بازی نے تباہ کر دیئے ہیں۔ صرف ایک حصہ سلامت ہے اور یہ حصہ وہ ہے جو کبھی شہزادہ المشرف کی قیام گاہ تھا۔ اور تین دن پہلے تک بند پڑا تھا۔

یہ کہتے کہتے بوا ثمینہ نے اپنا بوجھل جسم اوپر کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن اٹھا نہیں سکی۔ رضیہ اس کے قریب جھک گئی۔ اسے سہارا دیا، اور عبدالغنی کی طرف اشارہ کیا۔ عبدالغنی کسی قدر ہچکچایا لیکن رضیہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی مشعل اس کی سمت بڑھا کر اسے حکم دیا۔

تم محض ایک سپاہی ہو عبدالغنی اور ہم نے تمہیں جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل صرف ایک سپاہی کی حیثیت سے تم پر لازم ہے۔

عبدالغنی نے کانپنے کے باوجود بے ہوش پڑی فوزیہ کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ رضیہ کے سہارے چلتی بوا ثمینہ اس کی راہ نما بنی۔

یہ سیڑھیاں جن پر وہ انہیں لے کر چڑھ رہی تھی۔ خالص سنگ مرمر کی تھیں۔ عبدالغنی کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس محل کی تباہی کی داستان محض فسانہ ہے مگر چند سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ہی آگے بڑھتا عبدالغنی ایک دم

رُک گیا۔ آگے ہر طرف کھنڈر ہی کھنڈر تھے۔ گری ہوئی چھتوں کے ملبے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیلا تھا۔ عبدالغنی کے ہاتھ کانپ گئے مگر فوزیہ کا جسم اس کے ہاتھوں سے گرا نہیں۔

رضیہ کے سہارے ہولے ہولے اوپر کو چڑھتی ہوئی بوا ثمینہ نے سر جھک کر اسے آواز دی۔

دائیں سمت نہیں بڑھو عبدالغنی۔ بائیں سمت کے حصار سے لپٹ جاؤ اور ہمارے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔

مشعل کی روشنی پہلے شاید آس پاس پھیلے دھوئیں نے کچھ دھندلی کر دی تھی لیکن جیسے ہی بوا ثمینہ نے برج کے دائیں حصار کو چھوڑ کر بائیں حصار کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا مشعل کی جھلملاتی روشنی پہلے سے بہت صاف ہو گئی۔ آگے کی سیڑھیاں ساری کی ساری سلامت تھیں اور ان کے پتھر بربادی کے ترجمان نہیں تھے۔ بوا ثمینہ ہولے ہولے چلتے انہیں ان پتھروں پر سے گزارتی ایک حسین بارہ دری میں آن پہنچی۔ جہاں ہر سُو چراغ جل رہے تھے۔ اور یہ وہی بارہ دری تھی جس نے کچھ دیر پہلے فوزیہ عالیہ کی گنگناتی آواز سنی تھی۔ یہ وہی بارہ دری تھی جہاں ملکتی ملکتی فوزیہ نے اپنی آنکھوں میں کاجل ڈالا، اپنی پریشان زلفیں سنواریں اور جہاں سے البیلی چھبیلی چال چلتی بوا ثمینہ کے ساتھ عبدالغنی سے استقبال کو اتری تھی۔

یہ بارہ دری آگئی تو بوا ثمینہ رضیہ کے کندھوں پر سے اپنا بوجھ اتار کر دھم سے قالین پر بیٹھ گئی اور عبدالغنی کو حکم دیا فوزیہ کو میری گود میں رکھ دو عبدالغنی۔

عبدالغنی نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ فوزیہ کو بوا ثمینہ کی گود میں رکھ دیا۔ اور
ایک سپاہی کے انداز میں آنکھیں نیچی کر لیں۔ بوا ثمینہ نے اپنا پھولا پھولا منہ فوزیہ
کے بند منہ پر رکھ دیا۔ اور کچھ اس طرح سسکیاں لینے لگی کہ عبدالغنی کی نیچی آنکھیں
اوپر کو اٹھ گئیں۔ اور رضیہ کے ہاتھ میں پکڑی مشعل کانپ کر نیچے کو گر گئی۔
عبدالغنی نے یہ مشعل فوراً اٹھالی۔ ورنہ قالین بھی جل جاتا اور وہ سب کے
سب بھی۔

مگر بوا ثمینہ کی سسکیاں لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہی گئیں۔ وہ فوزیہ سے اس طرح
چمٹی تھی جیسے ساری دنیا کی خونخوار فوجیں اس کی اس فوزیہ کو اس سے چھین کر
لے جانے پر تلی ہیں۔ رضیہ بھی سسکیاں لینے لگی اور اسے ایسا لگنے لگا جیسے اس
کا دل ڈوبا چلا ہے۔

باب ۲۸

عبدالعلی نے خانقاہ کی جالی بڑے غصّہ کے ساتھ ہاتھ سے چھوڑ دی۔ جابر فرمانرواؤں کے سے انداز میں منہ پیچھے کو گھمایا اور اس طرح جیسے کہ موسیٰ رضیہ اور عبدالغنی کا پیغام لے کر اس کے پاس نہیں آیا تھا کسی مخالف قوت کا چیلنج اسے دے رہا تھا۔ موسیٰ رکوع کے بل جھک گیا۔ عبدالعلی نے پاؤں بجائے اور بڑے غصّہ کے ساتھ گرجا۔

اسی لمحہ لوٹ جاؤ موسیٰ اور عبدالغنی سے کہو۔

تم نے ملکہ عالیہ فوزیہ کی ملازمت ہماری مرضی کے خلاف قبول کر کے ہم سے بدعہدی کی ہے اور ہم اس بدعہدی کی تمہیں بڑی ہولناک سزا دینگے۔

اس کی آواز پر شہزادی ملیتا کی کانپتی آواز چڑھ گئی۔

عبدالغنی کسی سزا کا مستوجب نہیں ہے عبدالعلی۔ موسیٰ آپ کا کوئی پیغام لے کر عبدالغنی کے پاس نہیں لوٹے گا ہم نے تمہارے بابا کی لوح مزار چوم کر

قسم کھائی ہے کہ ہمارے ساتھ آج جو بیتی ہے ہم ان کی روح کی خاطر اس کو قطعاً بھول جائیں گی۔"

عبدالعلی نے اپنی نگاہ ایک دم ان کی طرف پھیر لی۔ وہ لوحِ مزار کے ساتھ لپٹیں اپنا روتا منہ لوحِ مزار پر جلتے چراغ کے قریب لے آئی تھیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگی تھیں۔

عبدالعلی نے ماں کی آنکھوں کو یوں بہتے دیکھا تو موسیٰ کو چھوڑ کر ماں کے پہلو میں دو زانو ہو گیا اور اپنا کانپتا ہاتھ لوحِ مزار پر رکھے ماں کے تندرست ہاتھ پر رکھ دیا اور ان ہی کی طرح رونے لگا۔ اور روتے روتے کہنے لگا۔

آپ نے بابا کی رُوح سے جو عہد کیا ہے ماں ہم اس کا پورا احترام کریں گے۔

... اور آج کے بعد آپ کے سوا ہمارا کوئی اور راہ نما نہیں ہو گا۔

ماں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے اس کے ہاتھ کو ایک ساتھ لوحِ مزار پر پھیراتی ہوئی کانپتی ہوئی آواز میں لوح سے مخاطب ہوئی۔

آقا! گو ہم نے عبدالعلی پر آپ کا اور اپنا راز افشا کر کے آپ کے منشا کی خلاف ورزی کی ہے لیکن ہم ایسا کرنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ ہمیں معاف کر دیجئے۔ اور ہمارے ساتھ ساتھ اپنے اس بچے کو بھی بخش دیجئے۔ جب غصے میں یہ احساس نہیں رہا تھا کہ آپ فوزیہ عالیہ کو ہمیشہ رضیہ اور عبدالعلی پر ترجیح دیتے رہے۔ آپ نے ہمیشہ اپنے بھائی مولا حسن کی آبرو کو اپنی آبرو مقدم رکھا آپ نے ہمیشہ اپنے بھائی مولا حسن کی خواہش کو اپنی خواہش کے مقابلہ

میں عزیز جانا۔ آپ نے مجھ سے جو آپ کی عمر بھر بیوی تھی محض اپنے بھائی کی خاطر اپنے سے الگ کر دیا۔ حالانکہ مجھے آپ کی شاہ رگ کی حیثیت حاصل تھی۔ حالانکہ آپ میرے بغیر زندگی کا ایک سانس بھی اطمینان سے نہ لے سکتے تھے۔

لیکن آپ کے اس بچے نے آپ کے طریقِ کار کو بالکل نہیں اپنایا۔ آپ کے بھائی کی بیٹی فوزیہ کے گریبان کو چاک کرتے وقت ذرا نہیں شرمایا تھا۔

ان کی آواز کانپ گئی۔ وہ سسکیاں لینے لگیں۔

اسے معاف کر دو آقا، یہ آپ کے احساسات سے پوری طرح آگاہ نہیں تھا۔ اگر آگاہ ہوتا تو میری طرح خون کے گھونٹ پی لیتا۔ اور خاموش رہتا۔

ان کی آواز کسی قدر بلند ہو گئی۔

فوزیہ نے آج میرے اور آپ کے رشتے پر جو طعن کئے ہیں وہ آپ بھی سنتے تو شاید برداشت نہ کر سکتے لیکن میں نے اس لڑکی کی آنکھوں تک میں جھانکنا گوارا نہیں کیا اور ہر بات سہ گئی۔ میں نے جو صبر کیا ہے اس کے بدلے میں میرے بیٹے کے قصور سے درگزر کر لو آقا۔

ہم دونوں ماں بیٹا آج کے بعد کبھی اس سرقسطہ میں لوٹ کر نہیں آئیں گے کہ آپ کے بھائی کی بیٹی اور آپ کو اپنی اولاد اور مجھ سے کہیں زیادہ عزیز بھتیجی کا دل میلا نہیں ہو۔ وہ مجھے عبداللہ اور زہیر کو اپنا رقیب جانتی ہے۔

حالانکہ زہیر کو جس ماں نے جنا ہے وہ فوزیہ کی ماں بھی ہے۔ زہیر کو جو باپ اس دنیا میں لانے کا موجب ہوا وہی فوزیہ کا باپ ہے۔

ان کی آواز کانپ گئی مگر وہ رکیں نہیں۔ کہتی گئیں۔

میں نے یہ ساری باتیں آپ کے بیٹے پر واضح کر دی ہیں اور اس سے قسم لے رہی ہوں کہ وہ اپنے سوا کسی اور کو راز دار نہیں بنائے گا۔
میں نہیں چاہتی فوزیہ عالیہ اپنی ماں کے بارے میں یہ حقیقت جان لینے پر شرمندگی محسوس کرے اور یہ اظہار میری طرف سے ایک طرح کی انتقامی کارروائی بن جائے۔
بہتر ہوگا کہ وہ اب تک اپنی دایہ اور لونڈی سمجھتی رہی ہے وہ شاید اسے اپنی ماں ماننے میں اپنی توہین سمجھے۔
عبدالعلی نے اپنی روتی آنکھیں ماں کے چہرے پر گاڑ دیں مگر ماں لوچ سے باتیں کرنے میں کچھ اس قدر منہمک تھیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے کچھ اس طرح پھوٹ رہے تھے کہ انہوں نے عبدالعلی کی آنکھوں میں بھرے استفہام کو نہیں پڑھا۔ اور لوچ سے بہت دھیمی آواز میں کہنے لگیں۔
اب جبکہ میں اپنے بیٹے کو اپنے سینہ سے لگا کر تمہارے وطن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہی ہوں آقا۔ تم سے بڑی شرمندگی کے ساتھ یہ اعتراف بھی کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔
کہ جب میرے بھائی بادشاہ نبرو نے تم سے شکست کھائی۔ اس کا بازو ٹوٹ گیا۔ اس کی آدھی فوج اُلٹ گئی اور تم میرے بھائی کے خون سے ہاتھ رنگنے کی خاطر آگے کو بڑھ آئے تھے تو میں نے سفید جھنڈی ہلا کر جہاں اپنے بھائی کو تمہارے ہاتھوں ذبح ہونے سے بچایا تو تم سے ایک طرح کی بے وفائی کی تھی۔ وہاں ایک خود غرضی بھی میرے اس فعل کی محرک بنی تھی۔ بادشاہ المستنصر نے مجھ

سے قرآن پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کیا تھا کہ اگر میں سفید جھنڈی ہلا کر لڑائی کو روک دوں تو وہ میرے بیٹے عبدالعلی کو اپنا وارث مان لیں گے۔

ان کی آواز کانپ گئی :

آقا! ماں کی ممتا، تمہاری محبت پر غالب آگئی۔ مجھے اس بیٹے کا مستقبل تمہاری اپنی محبت سے زیادہ عزیز معلوم ہوا۔ جو پیدائش کے دن ہی مجھ سے چھن گیا تھا۔ جس کے چہرہ پر میں نے صرف چند گھڑیوں کے لئے اپنے آنسو ٹپکائے تھے اور جس کی بجائے میں تمہارے بھائی کی نومولود بیٹی ذہبہ کو اپنی بیٹی ظاہر کر کے، اپنی ممتا کو مجروح کر چکی تھی۔

وہ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگیں۔ ان کا جسم بید مجنوں کی طرح کانپنے لگا اور انہوں نے اپنے آنسوؤں سے بھرے گال شوہر کی لوح پر رکھ دیئے۔ اور بالکل اس طرح جیسے لوح ان کے شوہر کے وجود میں بدل گئی تھی۔ وہ آہوں کے سے انداز میں شوہر سے کہنے لگیں :

میں نے یہ بات تم سے ہمیشہ چھپائی۔ اس گھڑی بھی ظاہر نہیں کی، جب تم نے میرے ہاتھ میں پکڑی سفید جھنڈی کو دیکھ کر میرے بھائی کے قلب پر تیر اندازی ایک دم روک دی۔ اور نیزہ میرے سینے سے قریب کر کے مجھ سے پوچھا میرے وطن کی آزادی کے مابین کیوں حائل ہوئی ہو تو میں نے تم سے جھوٹ بولا۔

ہم نے اور بادشاہ المستنصر نے شاہ نبرو سے صلح کر لی ہے اور آپ کو اس ملک کا فدیہ اعلےٰ مان لیا ہے۔

بادشاہ نبرہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ میں صرف جہاد کر رہی تھی۔ حالانکہ حقیقت صرف یہ تھی کہ میں اپنے بیٹے عبدالغنی کے لئے سرقسطہ کا تاج حاصل کرنا چاہتی تھی۔ میں نے المستنصر سے اس معاہدہ کی تحریر لے لی تھی اور اس تحریر پر بادشاہ نبرہ سے تصدیق کرا لی تھی۔

آپ بیچارے دھوکے میں آ گئے۔ آپ نے اپنی آگے کو بڑھتی فوجیں واپس کر لیں۔

وہ اور زیادہ کانپنے لگیں اور ان کے الفاظ ان کے حلق سے بڑی مشکل کے ساتھ ادا ہونے لگے۔

یہ دن میری زندگی کا بڑا منحوس دن تھا۔ بھائی نبرہ اور بادشاہ المستنصر کی فوجیں جب باہم مل گئیں تو ان دونوں نے آپس میں کچھ ایسی شرائط طے کر لیں، جو میری منشاء کے خلاف تھیں۔ انہوں نے آپس میں یہ بھی طے کر لیا کہ مجھے بھی قید کر دیا جائے گا۔

المستنصر نے یہ شرط کر کے جہاں مجھ سے بدعہدی کی وہاں میرے عبدالغنی کا حق مارنے کے لئے راستہ ہموار کر لیا۔ ورنہ اگر میں سرقسطہ پہنچ جاتی تو وہ بھی خلاف ورزی نہ کر سکتا تھا۔

انہوں نے اپنا سر اوپر کو اٹھا لیا۔ اپنے پہلو میں اسی ہی طرح لوح مزار پر چہرہ رکھے عبدالغنی پر نگاہ کی جو ان ہی کی طرح رو رہا تھا۔ انہوں نے اپنا تندرست ہاتھ بیٹے کے گلے میں ڈال دیا۔

میرے لعل، میرے دل کی یہ بہت بڑی خواہش تھی کہ تو ملک سرقسطہ

کا خود مختار بادشاہ بنے۔ میں نے اسی خواہش کی بنا پر تیرے باپ سے
بھی بے وفائی کی۔
انہوں نے اپنا روتا چہرہ اپنے بیٹے کے چہرے کے ساتھ ملا لیا۔ اور
بات جاری رکھی۔
لیکن جانِ مادر آج جبکہ تم سرقسطہ کے مطلق بادشاہ ہو۔ جبکہ تم نے اس
ملک کے سب سے بڑے دشمن بادشاہ ازغوارنہ کو شکستِ فاش دی ہے، جبکہ
اس ملک کا بادشاہ اپاہج، گونگا، لنگڑا اور قطعاً ناکارہ ہے جبکہ تم ایک ہلکے
سے اشارے سے اسے حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے پر قادر ہو:
میں تمہیں اس [illegible] سے محض اس لئے باہر نکال لے جانا چاہ
رہی ہوں کہ میں نے محبت مادری سے مجبور ہو کر اپنے شوہر سے بارہ سال پہلے
جو بے وفائی کی تھی اس کی سزا اپنی ماستا کو دوں اور تمہارے سر پہ رکھے جانے
والا تاج المنظہری کے سر پہ رہنے دوں۔
ان کی آواز حلق میں بند ہو گئی۔ روتے عبدالعلی نے ماں کے گال سے
اپنا گال لگا دیا اور [illegible] ماں سے کہنے لگا:
[illegible] بہاؤ ماں، سسکیاں نہیں سمجھو۔ یہ تو ایک بادشاہت
ہے ہم تمہارے ادنیٰ اشارے پر ہزاروں بادشاہتیں قربان کر سکتے ہیں۔
ماں نے انتہائی کرب کے ساتھ عبدالعلی کے گال سے اپنا گال ہٹا لیا
اور ٹوٹے ٹوٹے حروف میں اس سے کہنے لگی۔
بیٹے ہم تم سے تمہارے اس مرحوم باپ کے ناموس کے تحفظ کے لئے

بادشاہت کو ٹھکرانے سے بھی بڑی قربانی لینا چاہ رہی ہیں۔ تم نے میرے اور اپنے باپ سے متعلق فوزیہ کی زبان پر جو طعن آمیز جاری پایا وہ منتقم مزاج فوزیہ کی لغزش سے باقی زبانوں پر بھی چڑھ جائے گا۔ جب تم ذہبہ سے بیاہ جاؤ گے اب ذہبہ تمہاری بیوی بنے گی۔ میں کس کس کے سامنے صفائی پیش کروں گی۔ کس کس کو یقین دلاؤں گی کہ میں ذہبہ کی حقیقی ماں نہیں ہوں۔ میرے بطن نے صرف عبدالعلی کو جننے کا شرف پایا ہے۔ ذہبہ میری بیٹی نہیں ہے اور میں نے شاہی محل میں جو زندگی گزاری وہ محض مصنوعی زندگی تھی۔ میں شاہی محل کی اونچی دیواروں کے اندر رہنے کے باوجود اس خانقاہ کی ملکیت تھی۔ اور اس گرامی قدر وجود کی امانت تھی جو اس لوح کے نیچے آرام فرما ہے۔

ان کی آواز ان کے حلق میں بند ہوگئی اور بری طرح سسکیاں لینے لگیں۔ عبدالعلی نے ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور ان کی پیشانی پر اپنے کپکپاتے ہونٹ رکھ کر ان کو پوری ایسے انداز میں کہنے لگا۔

اطمینان رکھو ماں۔ ۔ ۔ تمہارا یہ ناچیز بیٹا اپنے سینے سے اپنا دھڑکتا دل نوچ کر پھینک دینے کی ہمت رکھتا ہے۔

ذہبہ میرے لئے پہلے بھی شجر ممنوعہ تھی۔ اب بھی رہے گی۔ اور تم انشاءاللہ میرے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں پاؤ گی۔

اس کے آخری الفاظ، لاتعداد و بے حساب بجتی گھنٹیوں کے شور میں دب کر رہ گئے۔ اس نے ماں کی پیشانی پر ایک اور بوسہ دیا اور ماں کو سہارا دے کر اوپر کو اٹھاتے ہوئے ماں کی بجائے بابا کی لوح سے خطاب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

واپس فوج کی سواریوں کی گھنٹیاں بجا کر مجھے خبردار کر رہی ہیں کہ میری ہماری ساری سپاہ سوار ہو گئی ہے اور میرے حکم کے مطابق اس سرقسطہ کو خالی کر دینے کے لئے پر تول رہی ہے جسے میری قیادت میں اس نے فتح کیا ہے۔ جس کی چھنی ہوئی آزادی اس نے دشمنوں سے لڑ کر واپس حاصل کی ہے مگر جس سے وہ محض اس لئے جلاوطنی اختیار کر رہی ہے کہ تمہاری منہ بولی بیٹی فوزیہ عالیہ کو اس کا قیام پسند نہیں تھا۔

ماں نے اپنا تندرست ہاتھ بیٹے کے منہ پر رکھ دیا۔ گھنٹیوں کا شور پہلے سے بھی کہیں بڑھ گیا۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے عبدالعلی کے سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کے گلوں سے گھنٹیاں اتار کر اپنے ہاتھوں میں لے لی ہیں اور جان بوجھ کر انہیں اس لئے بجا رہے ہیں کہ آقا نے اگر سفر کا ارادہ ملتوی بھی کر دیا ہو تو ان کے ارادہ کی منسوخی کی محرک بن جائیں۔

عبدالعلی نے اپنی دونوں باہیں ماں کے گرد حائل کر دیں اور اس طرح جیسے وہ پھول کے گلدستے کو اٹھا رہا تھا۔ اس نے ماں کو اٹھا لیا۔

موسیٰ ابھی تک رکوع کے بل جھکا تھا۔ عبدالعلی نے اس پر گرم گرم نگاہ اچھالی اور بڑے تحکم سے پکارا۔

سیدہ کی رتھ آگے بڑھا لاؤ موسیٰ تاکہ اس کی گھنٹیاں بھی اسی طرح بجنے لگیں جس طرح ہماری سپاہ کی سواریوں کی گھنٹیاں بج رہی ہیں اور ہماری سپاہ جان جائے کہ سیدہ سوار ہو گئی ہیں۔

موسیٰ سیدہ محترمہ کی رتھ کو آگے بڑھا لایا۔ اس میں اب تک سفید گھوڑے جتے تھے اور سیدہ جیسا اس کی ایک شکست پر مدہوشی کی نیند سو رہی تھی سب موقوف کر بالکل پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ ماں بیٹے نے اس کے سوتے سوتے مصاحبین کی طرح کو حاضر جان کر اس کی تقدیر میں کیا کچھ لکھ ڈالا ہے۔ وہ تو اس وقت بھی پہلے ہی کی طرح سوتی رہی جب عبدالعلی نے ماں کے بازوؤں میں لے کر اس کے پہلو میں گاؤ تکیوں کے سہارے بٹھا دیا۔ ماں کو ایک سپاہی کی طرح سلامی

طرف دوڑ پڑی۔ باہر سرقسطہ کی عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کے انبوہ جمع تھے۔ وہ اس عظیم فاتح عبدالعلی سے درخواست کرنے آئے تھے کہ سرقسطہ کو اپنا پایۂ تخت بنا لے۔

مگر جب دو سفید براق گھوڑوں کی رتھ گھنٹیاں بجاتی ان کے قریب پہنچی اور عبدالعلی اور موسیٰ اس رتھ کے پہلو بہ پہلو چلتے نظر آئے تو گویا ان سب کے دل مچل گئے تھے اور انکی زبانیں عبدالعلی کی عظمت کے نعرے مار رہی تھیں، مگر جونہی رتھ آگے بڑھتی گئی۔ انبوہ چھٹتے گئے۔

اور عبدالعلی اس رتھ کو اپنے حصار میں لیکر دریا کے پل تک پہنچا۔ فوج دو رویہ ہو گئی اور رتھ اسکے اندر سے گزرنے لگی۔ ابھی رتھ کا دامن سمٹنے نہیں پایا تھا۔ ابھی آسمان کے چہرہ پر محیط ستاروں کی شمعیں ماند نہیں پڑی تھیں جب عبدالعلی کی سپاہ کی آخری سواری دریائے ابرہ کے اس پار کو عبور کر گئی جسکے راستے وہ پہلے روز کی شب سرقسطہ میں داخل ہوئی تھی۔

سرقسطہ کے لاکھوں شہری اسکے بوڑھے اسکے جوان اور اسکے بچے حیران تھے۔ عظیم عبدالعلی نے اس ملک کے نجات دہندہ اور اسکا فاتح ہونے کے باوجود پہلے ہی کی طرح جلاوطنی کی زندگی کیوں اختیار کی ہے۔

عورتیں سوچ رہی تھیں اس ملک کی سابق ملکہ ولی عہد ہینا گیارہ سال بعد اس ملک میں لوٹ کر بھی آئیں لیکن پھر پیچھے کو کیوں چلی گئیں۔ کیا وہ یہاں اس لئے آئی تھیں کہ اپنی بیٹی کو واپس لے جائیں۔ کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ وہ اپنی اس بیٹی کو فاتح عبدالعلی سے بیاہ دیتیں اور اس طرح تاج سرقسطہ میں نئی چمک دمک پیدا ہو جاتی۔

(ختم شد)